ہر عمر کے بچوں کیلئے

ماہنامہ پھول لاہور

جون 2003ء

اشاعت کا 154 واں مہینہ

40 سے زائد ممالک میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اردو میگزین

ہمارے ہاں اچھی انگریزی بولنے والے کم کیوں ہیں؟

پروفیسر مبشر ندیم

پھول صرف رسالہ نہیں محبت اور زندگی سے بھرپور ادارہ ہے

ڈاکٹر روزینہ طفیل (ممبر قومی اسمبلی)

نوائے وقت

فاطمہ جناح سے ملاقات زندگی کا یادگار سرمایہ ہے

بین الصوبائی دورے پہ آئے کراچی کے بچوں سے جناب مجید نظامی کی ملاقات

Phool CKC Introduces New Monthly Competitions

خطاطی کے مقابلے

نے بچوں کو اپنی تہذیبی روایت سے جوڑ دیا ہے

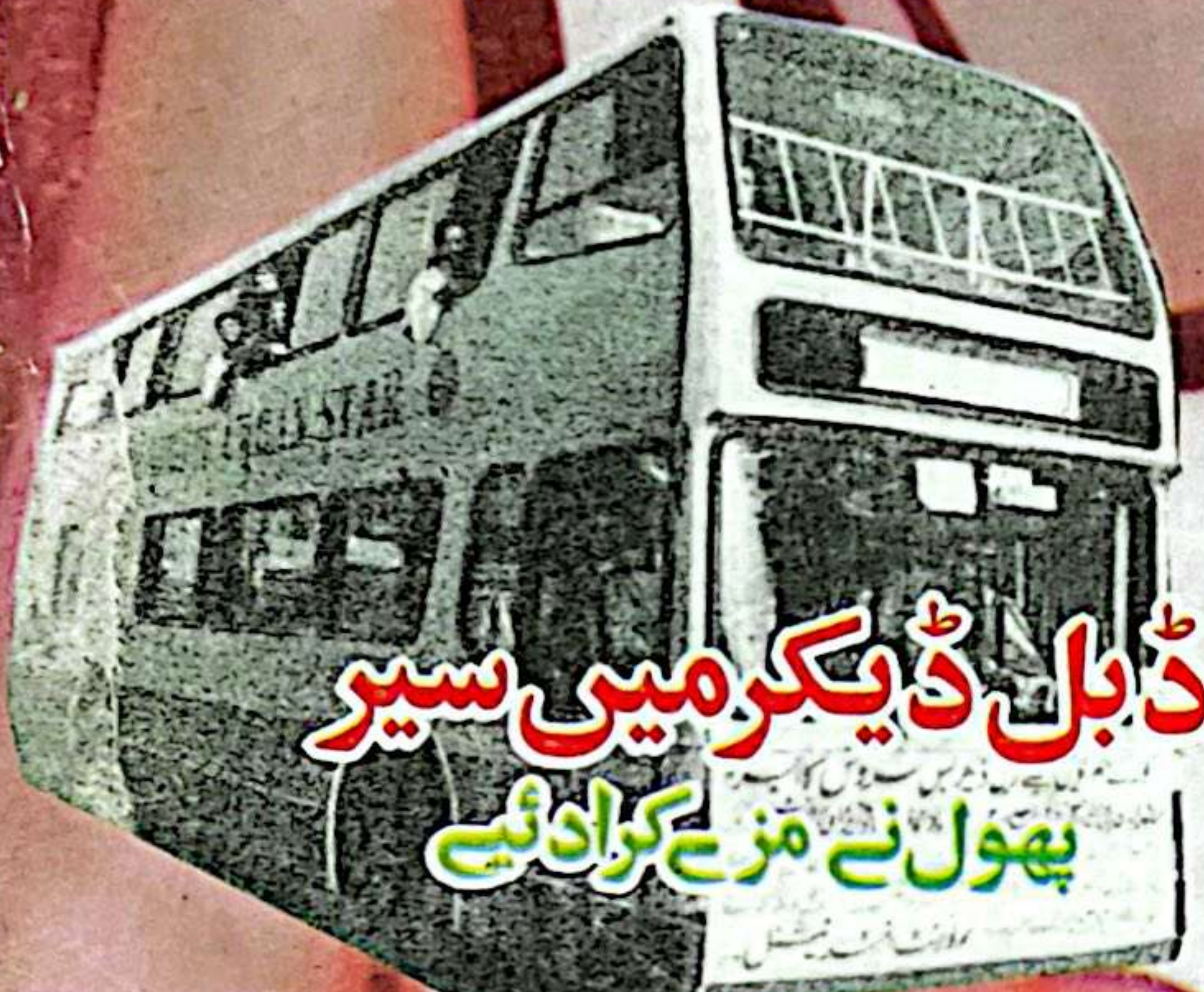

ڈبل ڈیکر میں سیر

پھول نے مزے کرادئیے

قیمت 15 روپے

ابوظہبی
دوبئی
یمن
نیپال
مصر
الجزائر
جنوبی کوریا
صومالیہ
فلپائن
ملائیشیا
قازقستان
بحرین
بھوٹان
شمالی کوریا
آسٹریا
آئس لینڈ
جاپان
امریکہ
ویسٹ انڈیز
برازیل
نیوزی لینڈ
لبنان
ترکی
جنوبی افریقہ
انڈیا
بنگلہ دیش
عراق
ایران
ترکمانستان
نائیجیریا
یوگنڈا
تائیوان
اردن
کینیا
تھائی لینڈ
ویتنام
افغانستان
آسٹریلیا
انڈونیشیا
شام
مالدیپ
سری لنکا
ماریشس

MITSUBISHI ELECTRIC
ROOM AIR CONDITIONERS
بجلی بچائے سب سے زیادہ
ایئرکنڈیشنر کا ماہانہ بل
صرف 595* روپے
قیمت صرف
24,900/- روپے
مکمل بے آواز صرف 26dB
ڈیوڈرائزنگ اور ایئرکلینگ فلٹرز کے ساتھ
زنگ سے مکمل محفوظ کوٹنگ کے ساتھ
IN-DOOR UNIT
100% IMPORTED
OUT-DOOR UNIT
MITSUBISHI Mr.SLIM
لائف ٹائم انویسٹمنٹ
ORIENT
Home Appliances Division
www.orientonline.com.pk
MITSUBISHI Mr.SLIM
دنیا بھر میں
سب سے زیادہ
فروخت ہونے والا
جاپانی برانڈ
MITSUBISHI WARRANTY
5+1
ORIENT
5 سالہ کمپریسر وارنٹی اور
1 سالہ فری ہوم سروس بمعہ سپیئر پارٹس
ORIENT LAHORE: Tel: 7356718, 7222144, 7222049 KARACHI: Tel: 4311417-8 RAWALPINDI: Tel: 4424544, 4457193 FAISALABAD: Tel: 601403
AUTHORISED DEALERS IN PAKISTAN:
DISPLAY CENTRE: 55-D, Chamberlain Road, Lahore. Tel: 7232623, 0300-9489105
SERVICE CENTRES: Lahore 7241837, Rawalpindi/Islamabad 4424544, Karachi 4380597, Faisalabad 601403
Home Appliances Division
JWT Asiatic

ہر عمر کے بچوں کیلئے
ماہنامہ پھول لاہور

چیف ایڈیٹر... مجید نظامی
ایڈیٹر... اختر عباس

جون 2003ء

پھول کی ادا سب سے جدا

میرا نام .... ہے
اور یہ میرا پیارا پھول ہے
اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ
نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
امی ابو نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

"Stories"

درد کا احساس	ساجد محمود ساجد	6
حضرت عبداللہ بن مسعود	ارشاد الرحمن	8
موتیے کے سرخ پھول	صالحہ ارشد منہاس	12
منصب	پروفیسر ظریف خان	15
نئی ندا	عالیہ شیر واحد	17
بلاوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	رابعہ ارم شاہ	18
چیمپئن ڈیڈی	صائمہ اکرم	25
سسکیوں کے درمیاں	چاند سلطانہ	27
رشتہ	علی سفیان آفاقی	29
قدیر کہانی	شاہد نذیر چودھری	34
دونوں آنکھیں	عائشہ کوثر	60
ہزاروں خواہشیں	عائشہ احسان	69
صدر آ رہے ہیں	عادل منہاج	72
بیڈ ٹائم سٹوری		74

"EXCLUSiVE"

خطاطی کا مقابلہ	نیری محسن	10
ہماری گری بہت معیاری ہے	تنویر حسین	33
BACK to Quaid	منظر وحید	43
آپی جی کے نام	رانا بابر حیات	54

"Columns"

کرنیں	کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ	4
اداریہ	ایڈیٹر بھیا	5
یہ محفل	نوید جان	22
آپ بتیاں مزے کی		37
مسکرایئے	سعدیہ سید	38
کالم نیا سا	منصور فائز	44
طلع البدر علینا	فائزہ عروج	45
یہی زندگی ہے	فائز سیال	48
واہ کیا بات ہے	فریحہ ممتاز	55
پھول بڑا مقبول	کھٹے میٹھے خطوط	64
الحدیث	نسیم اختر شیخ	78

پھول رنگ

سب ایڈیٹر... منظر وحید
ڈیزائنر... عامر شکیل عامر
السٹریٹر: آیت اللہ
آرٹ ایڈیٹر... شعیب قادر

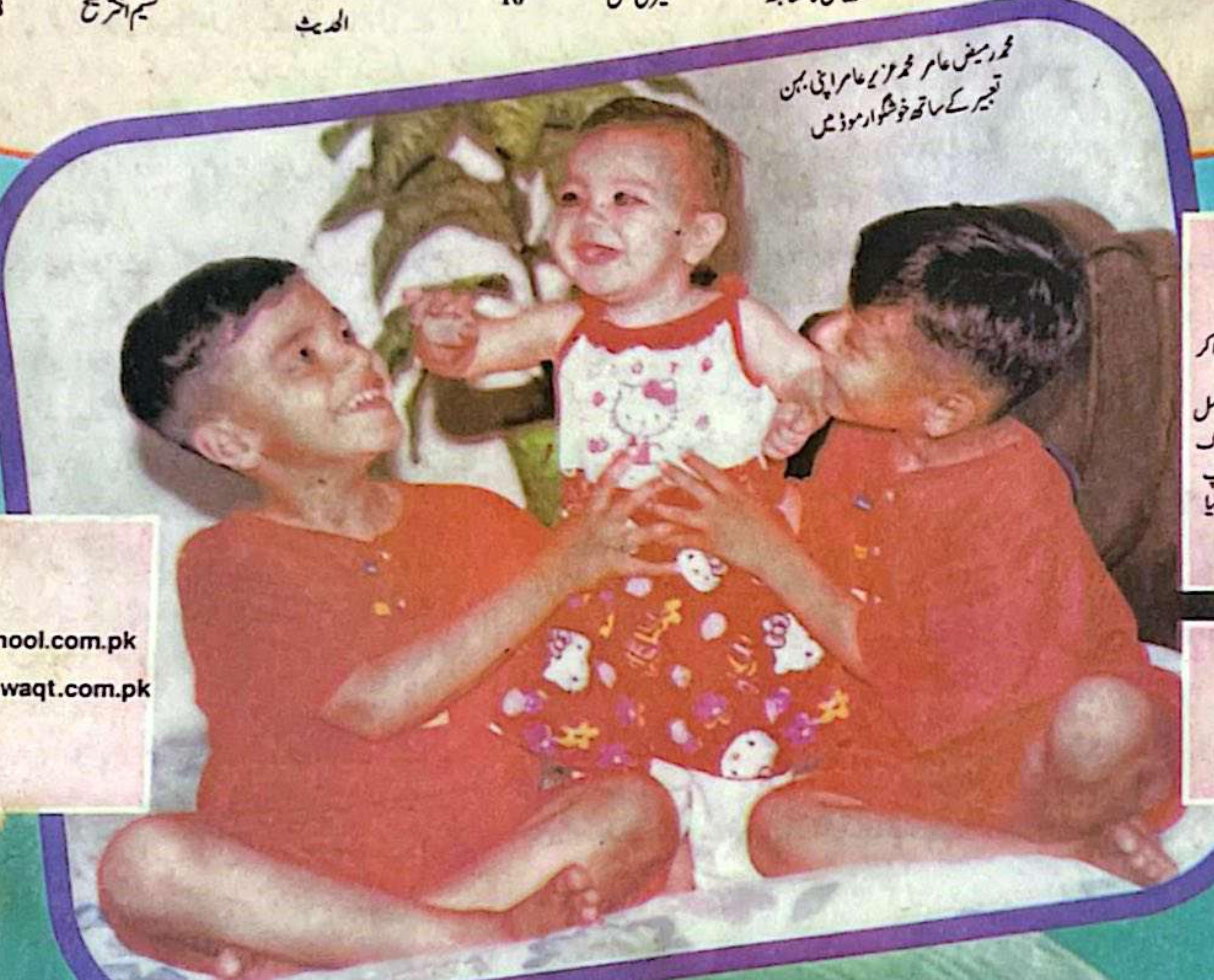

محمد رمیض عامر محمد عزیر عامر اپنی بہن تعبیر کے ساتھ خوشگوار موڈ میں

http://www.phool.com.pk
phool@nawaiwaqt.com.pk

ماہنامہ پھول 4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور
فون۔ 6367551/4 فیکس 6367616
مجید نظامی پرنٹر پبلشر نے ندائے ملت پریس سے چھپوا کر
دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا
اگر آپ ماہنامہ پھول بذریعہ ڈاک ہر ماہ گھر بیٹھے حاصل
کرنا چاہتے ہیں۔۔ سالانہ خریداری بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک
۔۔ پاکستان میں۔۔ 400 روپے۔۔ براعظم یورپ
ایشیا۔۔ 1200 روپے۔۔ براعظم امریکہ آسٹریلیا
1400 روپے

ٹائٹل طرۂ امتیاز
جونیئر کیمبرج سکول سانگھڑ
عکاسی: اختر شاہ۔ عابد

کرنیں

(انتخاب: پھول کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ)

آٹے میں پانی دودھ میں سفیدی

اس روز میرے ایک پڑھے لکھے بزرگ' جو ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد گاؤں میں رہائش پذیر تھے' مجھے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے برسبیل تذکرہ اسلام کی بات چل پڑی' میں نے کہا:

''چچا جان ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی''

بولے: ''کیا؟''

میں نے کہا: ''ہم نے پاکستان اس لئے بنایا تھا کہ ہم یہاں اسلام نافذ کریں گے اور اسلامی روایات کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ ہے نا؟''

''بالکل'' وہ بولے

''یہاں ہر شخص اس بات کا خواہش مند ہے اور ہر سیاسی پارٹی چاہتی ہے کہ اسلام نافذ ہو۔ آج پاکستان کو بنے چھیالیس سال ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہم اسلام نافذ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کتنی حیرت کی بات ہے۔ آخر کیوں؟ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

چچا بولے: ''بھئی جس علاقے میں' میں رہتا ہوں وہاں تو اسلام نافذ ہے''

''کیا کہا'' میں نے حیرت سے چلا کر پوچھا

بولے: ''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں''

''آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟'' میں نے کہا

''بالکل نہیں'' وہ بولے

''لیکن کیسے؟''

بولے: ''مثلاً ہمارے گاؤں میں چار عورتیں بیٹھی کام کر رہی ہیں۔ پاس ایک بچہ کھیل رہا ہے بچے کو ٹھوکر لگتی ہے' وہ گرنے لگتا ہے تو چاروں عورتوں کے منہ سے ان جانے میں نکلتا ہے' بسم اللہ! حالانکہ بچے کے گرنے کو اللہ کے نام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

''مثلاً چار آدمی بیٹھے ہیں۔ کوئی شخص ایک خوبصورت چیز لا کر انہیں دکھاتا ہے تو ان جانے میں سب چلا کر کہتے ہیں' سبحان اللہ!

''کوئی شخص چیز کی تعریف نہیں کرتا' چیز بنانے والے کی تعریف نہیں کرتا' سب اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔ وکی پوچھے کہ بھئی اللہ کہاں سے آ گیا؟ اللہ کا کیا مطلب ہے؟ لیکن اللہ آ جاتا ہے لوگوں کے دلوں کے اندر والے خانے سے ''پڑپ'' کر کے باہر نکل آتا ہے۔

''بچے کو چپ کرانا ہو تو ''اللہ ہو' اللہ ہو'' کا ورد کرتے ہیں بچے کو رونے سے چپ کرانے کے لئے اللہ کو بلانے کا کیا مطلب؟ کوئی ایک بات تو بتاؤں'' چچا بولے ''وہاں تو بات بات پر اللہ دلوں سے نکل کر ہونٹوں پر آ جاتا ہے ماشاء اللہ! انشاء اللہ استغفر اللہ! لاحول ولا اللہ کرے! خدانخواستہ'' چچا ہنسے ''لوگوں کے دلوں میں اللہ اس طرح سمایا ہوا ہے جیسے گندھے آٹے میں پانی''

''اور جانتے ہو؟'' وہ بولے ''یہ سب کس نے کیا ہے؟ صوفیوں نے۔ انہوں نے ہمارے Unconscious. کیا کہتے ہو تم اسے؟'' چچا نے پوچھا ''لاشعور'' میں نے جواب دیا جانے' ان جانے

''صوفیوں نے ہمارے لاشعور کے بنجر میں اللہ کا م... بند کر دیا ہے۔ ہم ان جانے میں اللہ کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں' ان جانے میں اللہ کے حضور دعائیں مانگتے رہتے ہیں' ان جانے میں اپنی امیدیں اس پر استوار کئے بیٹھے ہیں''

چچا رک گئے۔ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر بولے۔

''صرف لاشعوری ہی نہیں' شعوری طور پر بھی اللہ ہمارے ذہن سے نہیں نکلتا۔ کسان صبح اٹھ کر جب آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو وہ آسمان کو نہیں دیکھتا اسے احساس ہوتا ہے کہ آسمان کے پیچھے اللہ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بادلوں کی طرف نہیں دیکھتا' اسے احساس ہے کہ اللہ بادل لاتا ہے' اللہ مینہ برساتا ہے اللہ ہوا چلاتا ہے وہ اللہ کے حوالے کے بغیر کچھ نہیں دیکھتا۔ موسم بذات خود اس کے لئے کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ بدبختی' خوش بختی' خوشی غمی' رزق سب کے پیچھے اللہ موجود ہوتا ہے''

کچھ دیر کے لئے وہ رک گئے' پھر بولے۔

''اب تم ہی بتاؤ کہ اس کے علاوہ اسلام کا نفاذ اور کیا ہوگا''

میں نے کبھی اس زاویہ نظر سے نہیں سوچا تھا میں نے چچا سے پوچھا تو وہ بولے ''تم سمجھتے ہو اسلام قانون سے آتا ہے یہی تمہاری بھول ہے۔ اسلام قانون سے نہیں بلکہ کلچر سے آتا ہے جذبات سے آتا ہے لاشعور سے آتا ہے''

''لیکن یہ جو سیاسی ہیرا پھیریاں ہیں مفاد پرستیاں ہیں شر ہے' اور......''

چچا میری بات کاٹ کر ہنسے بولے ''یہ جو دودھ بھری چاٹی ہے نا چھلک چھلک کر اس کے اوپر مکھن آ گیا ہے طمع اور حرص کی وجہ سے یہ مکھن زہریلا ہو گیا ہے۔ اس زہریلے مکھن کو اتار پھینکو گے تو نیچے خیر کا خالص دودھ ہی دودھ ہے''

جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

چچا کی بات پر سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس زاویے سے میں نے کیوں نہ سوچا؟ بات تو سامنے دھری تھی' پھر میری توجہ ادھر منعطف کیوں نہ ہوئی؟ ہمارے تمام رسم ورواج طور طریقوں رہن سہن میں اللہ گھسا بیٹھا ہے'

بچہ پیدا ہوتا ہے تو بسم اللہ کہہ کر اسے ''گڑھتی'' چٹاتے ہیں پھر اس کے کان میں اذان دیتے ہیں۔ صاحبو! یہ اذان جو ظاہری طور پر ایک معصوم سا بلاوا ہے کہ ''آؤ اللہ کے حضور سربسجود ہو جائیں'' بڑی پر اثر چیز ہے کانوں سے دل میں جا بیٹھتی ہے ہمارے اندر کو انڈے کی طرح پھینٹ کر رکھ دیتی ہے۔ جبھی تو غیر مسلموں کی نظر میں بڑی خطرناک چیز ہے۔ سکھوں کو حکم ہے کہ اذان کان میں پڑے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لو اور بھاگ کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ جاؤ تا کہ اذان کی آواز سنائی نہ دے۔

یہاں اسلام آباد میں کچھ سفارت خانے ایسے ہیں جہاں اذان سننے کی ممانعت ہے۔ ایک سفیر صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ اذان سے کیوں خائف ہیں؟

بولے: ''پتہ نہیں کیوں؟ لیکن اذان کی آواز سن کر مجھ پر وحشت سی طاری ہو جاتی ہے''

تاریخ شاہد ہے کہ کئی ایک غیر مسلم بادشاہوں نے اذان پر پابندی لگا رکھی تھی یہ تو خیر جملہ معترضہ تھا بہر صورت یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے تمام رسم ورواج میں اللہ یوں رچا بسا ہے جیسے دودھ میں سفیدی' اور صاحبو! ایک بات کہہ دوں آپ سے' اسے پلے باندھ لیجئے کہ اللہ کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔ پھر آپ ہزار کوشش کر دیکھیں وہاں سے نکلیں گے نہیں۔

باپ یا ماں......

دراصل سارا قصور ہمارے راہبروں کا ہے۔ انہوں نے اللہ کے متعلق یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ اللہ ایک Father head. ہے اس خیال کو پھیلانے میں عیسائیوں کا بھی حصہ ہے ممکن ہے اس خیال کی ابتدا ہی عیسائیت نے کی ہو۔

بہر صورت یہ ایک غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہماری ماں ہے۔ اسے اپنی تخلیق سے اتنی ہی محبت ہے جتنی ماں کو اپنے بچوں سے ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں جگہ جگہ لوگوں کو ڈرایا گیا ہے بار بار کہا گیا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ڈرانے والے بھیجے۔ مائیں بھی تو اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی ہیں۔ اکثر سرزنش بھی کرتی ہیں لیکن ماں کی سرزنش میں تشدد نہیں ہوتا' بے رحمی نہیں ہوتی' انتقام نہیں ہوتا' بلکہ بسا اوقات غصہ بھی دکھاوے کا ہوتا ہے' اصلی نہیں ہوتا۔

ہمارے علمائے دین نے قرآن حکیم کی اس ڈرانے والی تفصیل اور سرزنش کی دھمکی کو اس قدر اہمیت دے رکھی ہے کہ لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ قصائی ہو ایک فارسی شاعر نے اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق خصوصاً انسان کے متعلق جذبات کے بارے میں کیا خوبصورت شعر کہا ہے۔

کہتے ہیں انسان کی بہار اور خزاں اتنی رنگین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سماتا کہ یہ میں نے کیا چیز بنا دی ہے۔

Scanned with CamScanner

اداریہ

خاکی لفافے کے اندر ایک اور لفافہ تھا۔ سفید رنگ کا بے داغ چھوٹا لفافہ جسے پہلے کسی نے استعمال نہ کیا تھا۔ نوید نے اسے کھولنے سے پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر وہ چونک کے رک گیا برسوں مسجد میں قرآن پاک حفظ کرتے وہ اس طرح دھیرے دھیرے جزدان کھولا کرتا تھا۔ پھر قرآن کے اوراق تک پہنچتا۔ سبق سنانا ہوتا تو مطلوبہ صفحات تلاش کرتا' اگر صرف ثواب کیلئے پڑھنے کا موڈ ہوتا تو کہیں سے بھی پڑھنا شروع کر دیتا ...... اسے یاد آ رہا تھا کہ شاید ایک بار نہیں دو بار ایسا ہوا تھا کہ پڑھتے پڑھتے اس کا جی چاہا کہ قرآت میں اتنا مزہ آ رہا ہے کاش جو اس کا مطلب بھی سمجھ آ سکتا۔ مگر وہ اپنے معمول میں لگا رہا۔ نہ اس کی فوری ضرورت پڑی نہ خواہش میں شدت آئی ...... ابھی ضرورت بھی کیا ہے؟ اس نے بے دلی سے سوچا اور صفحہ پلٹ دیا ......

آج سر شام اسے یہ لفافہ ملا تو اس کا دل بہت دھڑکا تھا۔ پورے پانچ سو خرچ ہوئے تھے۔ اس سادہ سے لفافے پر ...... اس کی خوشی سے زیادہ مفاد اور مستقبل لفافے سے وابستہ ہو چکا تھا۔ میٹرک کے پیپر شروع ہوئے یہ تیسرا دن تھا۔ جانے کس کی غلطی سے میتھ کے پرچے میں ایک چھوڑ دو چھٹیاں آ گئی تھیں۔ اس نے سوچا تھا دو راتیں اس طرح گزار دینی ہیں کسی سے سلام دعا بھی نہیں کرنی۔ نمبر اچھے آ جائیں مستقبل بن جائے گا۔ یہی سوچ کے وہ پڑھنے بیٹھا تھا۔ مگر گھنٹہ بھر بیٹھنے کے باوجود ایک لفظ پڑھنے یا ایک سوال حل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ نہ تو اس کی توجہ کہیں اور بھٹک رہی تھی نہ کامل یکسوئی کا مسئلہ تھا۔ سامنے کی گلی سے آتے بے تحاشہ شور کی موجودگی میں پڑھنا ممکن ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ایک چھوڑ چار سپیکر لگے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد نئی نئی آوازیں نعتیہ اشعار بڑے زور و شور سے پڑھ رہی تھیں۔ اس نے غور کیا تو ایک دو آوازیں شناسا نکلیں۔ پڑھا جا نہیں رہا چلو محفل نعت میں حاضری ہی لگوا آؤں نوید نے کتابیں اور نوٹس سمیٹتے ہوئے سوچا۔ ابھی فجر کی اذان میں کچھ وقت باقی تھا جب وہ مسجد میں پہنچا۔ آٹھ دس لڑکے سر سے پلاسٹک کی ٹوپیاں اتار کر مسجد کے صحن میں اچھالتے' مسکراتے' قہقہے لگاتے باہر آ رہے تھے۔ اس نے دور سے آتے احسن سے پوچھا۔ خیریت تو ہے؟

احسن بولا یار نماز ہو لے' تب تک گھوم پھر آتے ہیں۔ پھر محفل نعت میں بیٹھیں گے۔ میں نے ایک نئی تیار کی ہے وہ سناؤں گا نوید ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔ وہ واپس آئے تو نمازی جا چکے تھے صرف چند لڑکے بیٹھے تھے۔

''ہاں بھئی شروع کریں؟ ان میں سے ایک نے آنے والی ٹولی سے پوچھا ابھی تو نماز پڑھنی ہے۔ نوید کے منہ سے نکلا۔

وہ ہنسا روز ہی پڑھتے ہیں۔ مگر یہ سعادت تو کبھی کبھی ملتی ہے ایک دن نماز کا ناغہ بھی ہو گیا تو کیا ہے۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ یہ سن کر اکثر کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ بھی ٹھنڈا دودھ پی کر آئے تھے۔ وہیں راستے میں احسن نے نوید سے کہا تھا ایک کمال خبر ہے میرے پاس مگر 500 روپے لگیں گے۔ مستقبل بن جائے گا۔ مجھے تو لگتا ہے اسی محفل کی برکت ہے ورنہ کوئی کب کسی کے کام آتا ہے۔ میرا ایک جاننے والا ہے وہ شام کو ایک لفافہ لائے گا جس میں میتھ کے پیپر کا وہ گیس ہے جو سو فیصد آئے ہی آئے ...... اس نے کہا ہے 80 فیصد سے کم سوال آئے تو پیسے واپس ...... ایسی گارنٹی کے بعد تو کوئی کم عقل ہی ہو گا جو فائدہ نہ اٹھائے۔ عشاء کی اذان ہونے لگی وہ دونوں مسجد سے نکل آئے نوید اپنے گھر آیا۔ اماں سے جھوٹ سچ کہہ کر پیسے لئے اور احسن کے گھر پہنچ گیا۔ یہ وہی لفافہ تھا جسے وہ پورے پانچ سو میں خرید کر لایا تھا۔ اس میں اسے اپنے مستقبل کے خوابوں کی تعبیر نظر آ رہی تھی ...... اس نے جونہی لفافہ کھولا دو صفحات اس کے ہاتھ میں آ گئے۔ ان پر لکھا ہر لفظ اسے سونے کا لگا۔ قیمتی ہی نہیں قابل قدر اور قابل دید بھی ......

زندگی میں بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ عام سی بے قیمت چیز کو ہم اپنی نادانی معصومیت سے اصلی بلکہ سونے جیسی جان لیتے ہیں۔ مان لیتے ہیں اور پھر دوسروں سے منوانے اور انہیں بتلانے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جانے بغیر سونا تو اسی وقت سونا ہو گا جب وہ کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔ اس سے پہلے تو بے اصل اور کچی پکی دھات ہو گی جس کی نہ وقعت ہوتی ہے نہ قیمت اور اہمیت بالکل یہ کیفیت زندگی بھر انسانی سوچوں اور عملوں کے ساتھ وابستہ رہتی ہے اپنی مرضی' مطلب' خواہش اور مفاد کی ہر شے سونے جیسی قیمتی لگتی ہے۔ اس کیلئے ایسے ایسے فضائل ڈھونڈے جاتے ہیں کہ بے دینی' دین بن جاتی ہے۔ بے عملی کو عمل کا کاغذی تاج پہنا دیا جاتا ہے۔ خواہش یہی ہوتی ہے کہ کس طرح کامیابی کا کوئی مختصر راستہ مل جائے۔ گیس مل جائے کرنا کچھ نہ پڑے اور کام ہو جائے۔ اللہ کی بھی ماننی نہ پڑے اور وہ راضی بھی ہو جائے۔

نوید نے بڑی احتیاط سے ان کاغذوں کی فوٹو کاپی کروائی اور ساتھ میں دکاندار سے کہا بھائی صاحب! احتیاط سے دکاندار کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''جانے کیا بات ہے صبح سے جو کوئی بھی اس گیس پیپر کی فوٹو کاپی کروانے آیا ہے یہی کہہ کر گیا ہے'' نوید کو یہ سن کر اور یقین ہو گیا کہ اس گیس کا جب باقی لوگوں کو علم ہے تو یقیناً اہم اور معیاری ہی نہیں سونے جیسا ہے۔

اگلے دو روز اس نے اپنی گلی میں بچوں کو میلاد کی پہاڑیاں بناتے ان پر پانی چھڑکاتے اور شام کو ڈیک لگا کر فلمی گانے بجاتے سنا دو تین جگہ نوجوانوں کے درمیان گانوں پر رقص کا مقابلہ تھا وہ اس نے بڑے ذوق و شوق سے دیکھا پہلے اس کا دل چاہا انہیں منع کرے پھر یہ سوچ کر دیکھتا رہا کہ میں کیوں برا بنوں۔ میری کون سنے گا۔ پھر وہ نے کمرداب کی میزبانی میں خالص دودھ کی سبیل پر بھی حاضری دینے گیا۔ وہاں کئی لوگ بیٹھے کمر کو مذاق کر رہے تھے کہ دودھ آج تو پتلا نہیں ہے۔ اور وہ شرمسار ہوئے بغیر بولا تھا۔ ''باؤ جی آج تو بلٹوئی کو بھی پانی کی شکل نہیں دکھائی آخر کو میلاد کی سبیل ہے۔ کل اللہ نے چاہا تو پھر ساری کسر نکال لوں گا ایک دن کی ہی تو بات ہے'' جانے کیا بات تھی نوید یہ جملہ سن کر دہل سا تو گیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے گستاخی اور بے ادبی کی انتہا کو چھو لیا ہو بھلا یہ کیا بات ہے اللہ کے نام پہ بددیانتی اور ملاوٹ اور اس کے رسول کے نام پہ خالص مگر دوسرے ہی لمحے وہ پھر شور شرابے میں کھو گیا۔

پیپر والے دن نوید بڑے اطمینان اور اعتماد سے اٹھا۔ آرام تسلی سے تیاری کی باقاعدہ ٹہلتا ہوا بلکہ اٹکھیلیاں کرتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ یہ جانے کے حالات تھے۔ واپسی پہ ایک ایک قدم من من بھاری تھا۔ پیر دائیں رکھتا تھا اور بائیں پڑتا تھا۔ نوید کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی شناسا مل جائے تو گلے لگ کر دھاڑیں مار مار روئے۔ گیس پیپر میں سے کوئی ایک سوال بھی نہیں آیا تھا ۵۰۰ روپے ہی نہیں گئے فیل ہونے کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس کی رونے کی یہ خواہش گھر میں داخل ہوتے ہی پوری ہو گئی۔ امی نے دروازے سے ہی اسے تھام لیا جانے ایسا کیا ہے کہ ماں بیٹے کے پاؤں میں لگے کانٹے کی تکلیف ہو یا دل میں چبھے کانٹے کا درد کسی تاخیر کے بغیر جان لیتی ہے۔ نوید رو رہا تھا اور امی اپنے پلو سے اس کے آنسو صاف کر رہی تھیں۔ بیٹے! میری جان تو تو اب رو رہا ہے میں تو پچھلے دو دنوں سے بغیر آنسوؤں کے رو رہی تھی۔ میں سوچتی تھی میرے بیٹے نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر جانے کون سا خدا دریافت کر لیا ہے جس سے نہ ڈرنے کی ضرورت ہے نہ محبت کرنے کی نہ جس کی پسند جاننے کی حاجت ہے اور نہ جس کی ناپسند سے بچنے کی۔

ای وہ احسن کہتا تھا ''یہ جائز نہ بھی ہوا تو آنحضور کی سفارش کہیں نہیں گئی۔ ہم ان کی اتنی نعتیں پڑھتے ہیں۔ ان کی سفارش سے اللہ میاں کا غصہ ٹل جائے گا۔ یہ چھوٹی موٹی چوری اور بے ایمانی کی خیر ہے۔ وہ بڑا غفور ہے۔

امی نے اس کے ہاتھوں کو بڑے پیار سے چھوا تھا۔ پھر ان کی آنکھیں بھی رو دیں۔ جانتے ہو نوید! شیخ سعدیؒ نے کیا کہا تھا وہ صاحب دانش اور عالم کہ جس کے لفظ عقل سے اور باتیں کامیابی کے اسباق سے بھری ہیں۔ وہ بولے تو صرف اتنا بولے تھے۔

میں خدا سے ڈرتا ہوں اور خدا کے بعد اس شخص سے ڈرتا ہوں جو خدا سے نہیں ڈرتا ...... مجھے تیرے دوستوں سے خوف آنے لگا ہے۔

نوید ایک دم سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ امی خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں۔ کیا میرے کسی عمل سے آپ کو خدا سے بے خوفی اور نافرمانی کی جھلک دکھائی دی ...... آپ نے تو مجھے کلام پاک حفظ کرایا تھا۔

بس بچے جھوٹی باتوں اور جھوٹی عبادتوں کی اس قدر دھوم اور ہجوم میں سچے لوگوں اور سچی بات کو پانا مشکل ہو گیا ہے۔ دونوں کتنی دیر خاموش بیٹھے رہے تھے پھر ماں آہستہ سے بولی تھی۔

دیکھو بچے! ہوتا ہے کبھی کبھی کہ انسان خود سے ہی پیمانے بنا لیتا ہے اپنی نیکی بدی کا خود ہی فیصلہ کرنے لگتا ہے خود ہی ترازو لگاتا ہے اور خود ہی اپنی طرف جھکا لیتا ہے بظاہر ساری دلیلیں اس کے حق میں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے بہت قریب سمجھتا ہے اور نہیں جانتا کہ نیت اور عمل کی خرابی اسے ان سے کس قدر دور لے گئی ہیں۔

ایسا کبھی نہ ہو سکے گا کہ کسی اور نیت سے گائی نعت پہ اللہ اور اس کا رسول جان نہ پائے اس کے محبوب کا خالی نام لینے اور وقت پہ خود اس کے حضور حاضری دینے کی بجائے بازاروں میں کھیلنے سے وہ بہل جائے۔ میلاد اور عرس پہ خالص دودھ کی سبیل لگانے سے پورا سال بددیانتی کا لائسنس ملنے کی آس پوری کر دے۔ ایسی حرکتیں چھوٹی ہوں یا بڑی چھوٹے کریں یا بڑے زندگی کو شب و روز کو اس خوشی اور خوشبو سے ہی محروم کر دیتی ہیں جو خدا کی رحمت کے باغ سے آتی اور جسم و جان کو معطر کرنے کو بے تاب رہتی ہے۔

ماں ہولے ہولے نوید کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے کہہ رہی تھی خدا کے ہاں بدلہ ہے۔ ہر چھوٹی بڑی نیکی کا چھوٹے بڑے کام کا۔ اس عمل کا جو خالص اس کیلئے ہو۔ اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت سے سرشار ہو کر کیا ہو۔ آخرت کے اجر و نجات کیلئے کیا ہو۔ جو جو عمل دنیا میں اپنے فائدے اور اپنی مرضی سے ہو گا وہ یہاں تو فائدہ دے دے گا وہاں چھلکے خربوزے سے بھی زیادہ بے وقعت ہو گا ......

اللہ جی کے ہاں محبت اور ڈر کا پتا لفظوں' قسموں سے نہیں دل کے گداز سے چلتا ہے۔ نوید کو ایک جھٹکا ہی بہت کافی ہوا تھا۔ امی کا دل ہولے ہولے اطمینان سے بھر رہا تھا مولا شکر ہے۔ میرا بیٹا منکر نہیں ہے۔ اپنی غلطی کوتاہی پہ نادم ہے پلٹ آیا ہے۔ ورنہ جو یہ بھی لوگوں کی طرح کوئی ایسا خدا دریافت کر لیتا جس سے نہ ڈرنے کی ضرورت ہو نہ محبت کرنے کی جس کی پسند جاننے کی حاجت ہو نہ ناپسند سے بچنے کی ...... تو میں نمانی کہاں جاتی۔ کیا کرتی۔

اٹھو میرا بچہ! جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ آؤ مل کے کھانا کھاتے ہیں۔ نوید واش بیسن تک آیا ٹونٹی کھولی تو وہاں سے پانی کی بجائے سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسے ایک دم یاد آیا کل شام ہی ماں نے کہا تھا بیٹا ٹینکی کے پیندے میں سوراخ بڑا ہو گیا ہے جتنا پانی ڈالو تھوڑی دیر تو رہتا ہے پھر سارا بہہ جاتا ہے۔

فرد ہو یا قوم ان کی زندگیوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے ایسی ہی شکایت ایسا ہی مسئلہ اور ایسی ہی پریشانی اس مسئلے پہ تقریریں کرنے' کتابیں لکھنے' محفلیں سجانے اور جلوس نکالنے کے باوجود پھٹے پیندے والی ٹینکیاں پانی نہیں روک پاتیں۔ عمل کا پانی تھوڑا جمع ہو بھی جائے تو بے عملی اور کم نگاہی کے بڑے سوراخ سے دیکھتے ہی دیکھتے بہہ جاتا ہے۔

نوید پلمبر کو لینے نکلا تو طے کر چکا تھا کہ پیندا صرف چھت پہ رکھی پانی والی ٹینکی کا ٹھیک نہیں کرنا' خود اپنی زندگی میں پانچ سو روپے کے خرچے سے خود کئے سوراخ کو بھی بند کرنا ہے۔ وہ ایک ہی صدمے اور چوٹ سے جان گیا تھا کہ اپنی زندگی کے کمزور پیندوں کے سوراخوں کو بند کرنے کیلئے خود ہی سوچنا اور اٹھنا پڑتا ہے۔ ورنہ پتا بھی نہیں چلتا کہ تھوڑی تھوڑی کر کے جمع کی گئی نیکیاں پانی کی طرح بہہ جاتی ہیں۔

اختر عباس ۔۔۔ آپ کے ایڈیٹر بھیا ۔۔۔ یکم جون 2003ء

درد کا احساس

ایک سخت دل فوجی کا ماجرا
اس کے دل میں نرمی کا بیج نمو پانے لگا تھا

ساجد محمود ساجد زرعی یونیورسٹی فیصل آباد

میری کہانی...... کیونکہ میں جب غور کرتا ہوں تو یہ حقیقت سے زیادہ کہانی ہی لگتی ہے۔ جانے کب شروع ہوئی مگر اب ختم ہو چکی ہے۔ سمجھ نہیں پا رہا کہ آغاز کہاں سے کروں؟

ہم معمول کی کارروائی پر تھے کارروائی معمول کی تھی اور ہم سب کے لئے معمولی بھی کوئی زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ ہم سب اس کے عادی ہو چکے تھے ہمیں ٹارگٹ دیا جاتا ہے اور جسے پورا کرنا مشکل نہیں لگتا تھا۔

ہم جیپ سے اترنے کے بعد دو دو کی ٹولیوں کی صورت میں مختلف جگہوں پر کھڑے ہو گئے میں اور کمانڈر مکانوں کی تلاشی لینے کی غرض سے آگے بڑھ گئے یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی ہمیں اطلاع ملی تھی کہ ''آتنک وادی'' یہاں...... چھپے ہوئے ہیں اور بستی کے یہ لوگ ان کو سپورٹ کرتے ہیں یہاں اکثریت ''مسلوں'' کی تھی سوائے دو تین گھروں کے جو کہ ہندو تھے۔ لہٰذا یہ اطلاع درست بھی ہو سکتی تھی کیونکہ مسلے اسی طرح آتنک وادیوں کو پناہ دے کر بعد میں فرار کروانے کا سبب بنتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ واقعتاً اطلاع ملی تھی یا نہیں۔ ہم تو صرف حکم کے غلام ہیں۔ فوج کے اندر ہاں سے ہاں اور نہیں سے نہیں کے سوا کچھ پتہ نہیں ہوتا اگر اوپر سے دن کو رات کہا جائے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔

بستی کے اندر داخل ہوتے ہی اونچی آوازیں لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر دیا گیا تھا کہ بستی گھیرے میں آ چکی ہے۔ جو آتنک وادی یہاں چھپے ہوئے ہیں وہ خود کو فوج کے حوالے کر دیں ورنہ ان کے ساتھ ساتھ پناہ دینے والوں کو بھی سزا دی جائے گی۔ بستی کے سارے

1

لوگ آتنک وادیوں کو گرفتار کروانے میں مدد کریں ہمارا اعلان ختم ہوا تو ہم ان کا ردعمل دیکھنے کے لئے انتظار کرنے لگے۔ لیکن میرے ساتھ سب کو مایوسی ہی ہوئی ہمیں یوں لگا جیسے یہاں کوئی واقعہ ہی پیش نہ آیا ہو۔ مکانوں کے اندر جو لوگ تھے وہ اندر ہی رہے اور جو باہر تھے وہ ہمیں اس طرح گھور رہے تھے جیسے یہ کوئی نئی بات نہ ہو۔

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد ہم مکانوں کے اندر گھس گئے بالکل ایسے جیسے شیر اپنے شکار کی طرف لپکتا ہے مگر مجھے شاید یہاں شیر کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے تھا۔

ایک مکان میں کمانڈر کے ساتھ میں بھی داخل ہو گیا وہاں ایک بوڑھا موجود تھا ہم نے اسے بارعب آواز سے ڈرایا دھمکایا مگر میری حیرت دیدنی تھی وہ نہ تو گھبرایا اور نہ ہی بدحواس ہوا وہ پورے اعتماد کے ساتھ بولا ''یہاں کوئی مجاہد نہیں ہے آپ اپنی کارروائی کر سکتے ہیں'' جسے ہم آتنک وادی کہہ رہے تھے وہ اسے مجاہد پکار رہا تھا کمانڈر کو یکدم غصہ آ گیا میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس میں غصہ کرنے والی بات تھی اس نے گھما کر زور کا طمانچہ بوڑھے کو جڑ دیا وہ چکرا کر گر پڑا۔

''ظالمو! تمہاری رسی بہت دراز ہو چکی ہے۔ لیکن یاد رکھو جب یہ کھینچی جائے گی تو سب منہ کے بل گر پڑو گے!'' بوڑھے کے منہ سے غصے کے عالم میں یہ جملہ نکلا۔

کمانڈر بوڑھے کو چھوڑ کر گھر کی چیزوں کو ٹھنڈے اور لاتیں مارنا شروع ہو گیا۔ پانچ سات منٹ کے اندر گھر کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا وہ غصے میں بپھرا ہوا تھا بوڑھا اطمینان کے ساتھ کھڑا اسے تکتا رہا یہ لوگ اصل میں اس طرح کے واقعات کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوسری بات جو میں نے ان لوگوں میں دیکھی ہے وہ ہے موت سے بے خوفی یہ موت سے بالکل نہیں ڈرتے موت ان کے لئے ایسے ہی جیسے ہمارے لئے زندگی!

کمانڈر نے گن بوڑھے کے اوپر تان لی ''سچ بتاؤ آتنک وادیوں کو کہاں چھپا رکھا ہے ورنہ ٹریگر دبا دوں اور تمہاری آواز بھی حلق سے نہ نکل سکے گی۔ جلدی بتاؤ میں بوڑھے کے پاس جا پہنچا اسے دھکا دے کر پرے دھکیل دیا اس پر بارود ضائع کرنے کی ضرورت نہیں سر! کسی جوان کے لئے رکھ چھوڑیں۔ یہ تو ویسے ہی مرا ہوا ہے۔ میں کمانڈر کو وہاں سے نکال لایا۔

فوج کے اندر نظم و ضبط کی پابندی انتہائی ضروری سبق ہوتی ہے بغیر حکم کے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے اور حکم کو ٹال بھی نہیں سکتے لیکن کسی مسلمان کو گولی مارنے کے لئے ہمیں کسی حکم نامے یا اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے چاہے اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے یا نہیں۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کی مختصر کارروائی کے بعد ہماری فوج واپس روانہ ہو رہی تھی ایک دو جوانوں نے جاتے جاتے ہوا میں دو چار فائر کھول دیئے تاکہ مکین ہراساں رہیں۔

اس طرح کی طے شدہ کارروائیوں کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان بستیوں کو دبا کر رکھا جائے تاکہ وہاں سے کسی قسم کی ''بغاوت'' کا اندیشہ نہ ہو۔

ہمارے چند ''بہادر'' سپاہیوں نے دو آتنک وادیوں کو گرفتار کرلیا یہ دونوں نوجوان ہی تھے فوجیوں کا دعویٰ تھا کہ یہی وہ آتنک وادی ہیں جو آتنک پھیلاتے رہتے ہیں۔اور آج ڈر کر یہاں چھپ گئے تھے میں نے ان نوجوانوں کے چہروں کی طرف دیکھا مجھے وہاں سوائے معصومیت کے کچھ بھی نظر نہیں آیا وہ چاہے آتنک وادی تھے یا نہیں اب ہمارا کام میڈیا کے ذریعے یہی پروپیگنڈہ کرنا تھا کہ وہ خطرناک آتنک وادی ہیں وغیرہ وغیرہ انہیں گرفتار کر کے ہم واپس روانہ ہوگئے۔

ان دونوں کو ٹارچر سیلوں کے اندر رکھا گیا اور خصوصی ہدایات کردی گئیں ان کی حفاظت کا بھی سخت کڑا بندوبست کی گیا پہلے دو تین دن انہیں خوب مارا گیا جسم کے ہر حصے کو نشانہ بنایا گیا ان کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ ان کا ''مجاہدین'' کے ساتھ کوئی تعلق نہیں وہ انہیں بے گناہ سزا دے رہے ہیں۔

میں ایک دن ان دونوں کے پاس گیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی

''دیکھو! ہمیں بتا دو اس میں تم لوگوں کی بھی بھلائی ہے اور ہمارا بھی وقت بچے گا ورنہ یہ لوگ تمہیں الٹا لٹکا کر کھال کھینچ لیں گے''

ایک نوجوان جو لگاتار مار اور بھوکا پیاسا رہنے کی وجہ سے نقاہت اور کمزوری کا شکار ہو چکا تھا اس کے حلق سے آواز بمشکل نکل رہی تھی کمینو! ہمارا مجاہدین سے کوئی تعلق نہیں اگر ہوتا بھی تو تم لوگوں کو ان کے بارے جاننے میں مایوسی ہی ہوتی......

ایک اور بات سن لو ہمارا ہر نوجوان اور بچہ بچہ تمہارے لئے نفرت کا ایک طوفان رکھتا ہے ان کا تعلق مجاہدین سے ہو نہ ہو...... وہ آپ ہی مجاہد ہیں......'' اس کی بات مکمل ہوگئی سکوت چھا گیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دوں؟ اٹھ کر باہر چلا آیا میں نے ہائی کمان کو یہی رپورٹ دی کہ وہ کچھ بھی نہیں اُگل رہے۔

چند روز بعد مجھے پتہ چلا کہ انہیں بے دردی سے ہلاک کردیا گیا ہے۔جب وہ دونوں گرفتار کر کے لائے گئے تھے تو میڈیا کے ذریعے بڑی بڑی خبریں نشر کی گئی تھیں ان کے کھاتے میں بڑے بڑے کارنامے ڈال کر آتنک وادی بنا کر پیش کیا گیا۔ مگر ان کی ہلاکت جیسے کہ اکثر ہوتا ہے مخفی رکھی گئی۔لاشوں کو کہیں غائب کردیا گیا ان کا کوئی بھی ثبوت' تصویر وغیرہ نہیں چھوڑا گیا۔ کچھ سیکولرازم کا بھانڈا پھوٹنے کا ڈر تھا اور کچھ انسانی حقوق کی تنظیموں کا خطرہ انسانی حقوق کی تنظیموں کی کبھی پروا تو نہیں کی گئی مگر احتیاط لازم تھی۔ان دونوں کی صورت میرے حواس پر عرصہ دراز تک چھائی رہی۔رام گوپال کا واقعہ بھی میں نہیں نہیں بھول سکتا رام گوپال میرا فوج کا ساتھی تھا وہ بڑی حد تک سنجیدہ شخصیت کا مالک تھا اپنے کام سے غرض رکھنے والا لیکن اس واقعے نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

اسے گھر سے اطلاع ملی کہ اس کی ماں گزر گئی ہے۔ وہ عرصہ سے بیمار تھی ماں فوت ہوگئی ہو اور بیٹا گھر نہ جائے یہ کیسے ہو سکتا تھا رام گوپال حسب دستور چھٹی لینے پہنچا۔ درخواست دی اور زبانی بھی اپنی مجبوری پیش کی۔ ماں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے وہ اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا ہو۔

ہائی کمان نے حالات کے پیش نظر اسے چھٹی مرحمت نہ کی اس کی ضرورت اس وقت گھر سے زیادہ فوج میں تھی وہ مایوس سا باہر آیا مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے چھٹی نہیں ملی وہ مجھ سے کچھ کہے سنے بغیر آگے بڑھ گیا کمرے میں پہنچا تو باقی ساتھیوں نے چھٹی کے متعلق پوچھا۔ان کا پوچھنا برمحل تھا لیکن نہ جانے رام گوپال نے کیا سوچا کہ اپنی گن لوڈ کر کے ساتھیوں پر فائر کھول دیے وہ تو شکر ہے کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا مگر ایک کو گولی چھو کر گزر گئی اور وہ زخمی ہو گیا رام گوپال کا کورٹ مارشل ہوا اور اسے سزا ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد میری ڈیوٹی شہر میں داخل ہونے والی چیک پوسٹ پر لگا دی گئی میں اپنا بوریا بستر ا گول کر کے نئی جگہ پہنچا میں وہاں پہلے سے موجود لوگوں سے جلد ہی گھل مل گیا۔ مجھے یہاں کوئی پرابلم نہیں ہوئی۔کام بھی کچھ زیادہ نہیں تھا بس آنے جانے والوں پر نظر رکھنا خصوصاً مسلوں پر ان کو تنگ کرنا بھی ہماری ذمہ داری میں شامل تھا۔ مسلمان اپنی وضع قطع سے دور ہی سے نظر آجاتے ہیں ہم یہاں کمار صاحب کے انڈر کام کرتے تھے کمار صاحب عیاش قسم کے آدمی تھے جیسے کہ ہماری فوج کا ہر افسر بالا ہوتا ہے وہ اکثر مدہوش ہی رہتے کبھی کبھار وہ جب ہوش میں ہوتے تو چیکنگ کے لئے آدھمکتے میری ایک عادت تھی کہ میں کسی کو بلاوجہ تنگ نہیں کرتا تھا یہاں سے مسلمان خواتین بھی گزرتی تھیں میری کوشش ہوتی کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔

لیکن اس روز جب ایک مسلمان خاتون چیک پوسٹ سے گزر رہی تھی تو اتفاقاً یا بدقسمتی سے کمار صاحب بھی آئے ہوئے تھے اس نے خاتون کو روک دیا وہ پردے میں تھی کمار کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح آگے بڑھا وہ اسے حیرت کا بت بنے دیکھ رہی تھی۔ کمار اس کے قریب پہنچ کر اس کا بازو پکڑنے لگا مگر اگلے ہی لمحے عورت کا زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر پٹاخ کے ساتھ پڑا۔ کمار چکرا گیا۔ کمار کے منہ سے مارے غصے کے جھاگ نکلنے لگا۔یہ غصہ تھا یا اس تھپڑ کا اثر مجھے پتہ نہیں! کمار نے بدحواسی کے عالم میں عورت پر فائر کھول دیا اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی یہ سب اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ مجھے سمجھ نہ آئی کہ کیا کروں؟

بہرکیف مجھے مسلمان خاتون کی ہمت کی داد ضرور دینی پڑی۔اپنی عزت کو یہ لوگ جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں عزت و ناموس پر کٹ مرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔یہی وہ واقعہ ہے جس نے میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا یہ لوگ اتنے عرصے سے جانیں قربان کر رہے ہیں آخر کوئی وجہ تو ہوگی میں غور کر کے اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ہماری سرکار جتنا بھی زور لگا لے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ایک نہ ایک دن ہماری سرکار کو ہی نرم ہونا پڑے گا اور ان کے حق کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

میں فوج کے لئے ''ان فٹ'' ہوگیا تھا ان فٹ ہوتا بھی کیسے نہ؟ میں نے کام ہی ایسا کیا تھا دوران کریک ڈاؤن میں نے اپنی دائیں ٹانگ میں گولی مار دی اور الزام اگر وادیوں کے سر تھوپ دیا میرا علاج معالجہ ہوا ٹانگ ضائع ہو گئی اور اس کی جگہ لکڑی کی ٹانگ لگا دی گئی اور یوں فوج سے ہمیشہ کے لئے چھٹی کرا دی گئی میرے دل میں مسلمانوں کے لئے جو درد اور احساس تھا ٹانگ کا درد اس کے آگے کچھ بھی نہیں سچی بات یہ ہے کہ میں مسلمانوں سے محبت نہیں رکھتا۔محبت تو مجھے انسانوں اور انسانیت سے ہے اتنی بے دردی سے تو کوئی جانوروں کا شکار بھی نہیں کرتا۔ مسلمانوں کی جگہ یہاں کوئی اور ہوتا تو تب بھی میرا یہی فیصلہ ہوتا۔

میں زندگی کے باقی دن آرام سے گزار رہا ہوں سکون اور اطمینان قلب کے ساتھ کیونکہ میں نے اپنے گناہوں کا کفارہ دینے کی کوشش کی ہے جو انسانوں کو باقی مخلوق سے ممیز کرتا ہے اور میں بھی بھیڑیوں کے غول سے نکال کر انسانوں کی صف میں شامل ہوگیا ہوں۔

''یورپ والوں کی ایمانداری''

ایک بڑے میاں بندوق لئے اپنے خربوزے کے کھیت پر پہرا دے رہے تھے۔ایک راہ گیر نے کہا'' کیسے ہیں یہاں کے لوگ؟''

بڑے میاں بولے ''بڑے ایماندار۔ کیا مجال جو میرے خربوزوں کو ہاتھ لگائیں''۔

راہ گیر نے کہا'' یہ بندوق آپ نے کیوں سنبھال رکھی ہے؟''

بڑے میاں بولے ''ان کو ایماندار رکھنے کے لئے''

اسی ایک جواب میں یورپ والوں کی ایمانداری کی فلاسفی آجاتی ہے پوری نہیں تو بڑی حد تک۔

(ابنِ انشاء کے سفرنامے ''آوارہ گرد کی ڈائری'' سے) سید ذوالفقار حسین زلفی۔جھاوریاں

2

قرآنی کہانیاں

ارشادالرحمٰن

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

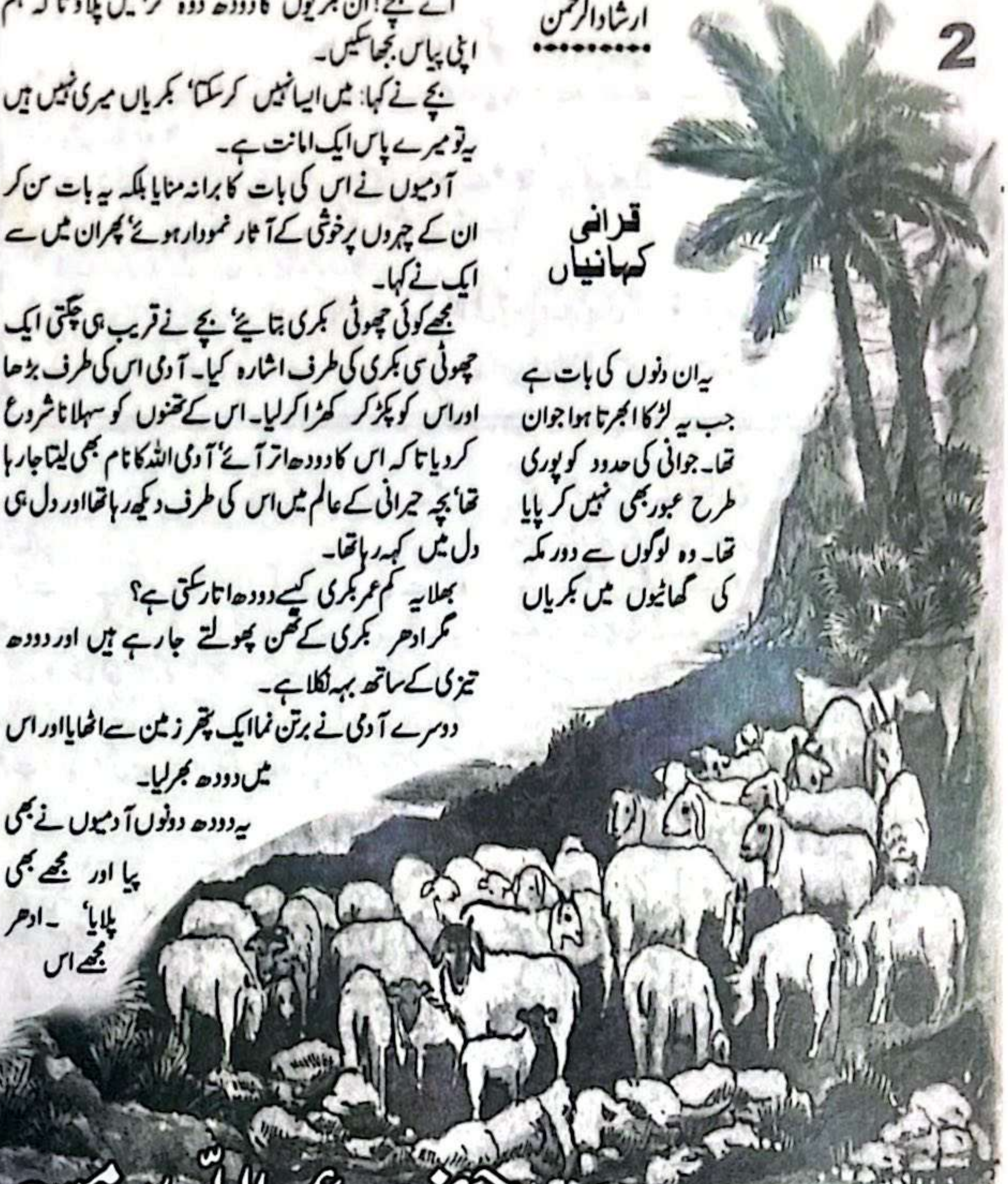

یہ ان دنوں کی بات ہے جب یہ لڑکا ابھرتا ہوا جوان تھا۔ جوانی کی حدود کو پوری طرح عبور بھی نہیں کر پایا تھا۔ وہ لوگوں سے دور مکہ کی گھاٹیوں میں بکریاں یا کرتا تھا۔ اس کے پاس مکہ کے ایک سردار عقبہ بن ابی یط کی بکریاں ہوتی تھیں۔ لوگ اسے ''ابن ام عبدؓ'' کے ام سے بلاتے تھے جبکہ اس کا نام ''عبداللہ'' اور باپ کا نام ''مسعودؓ'' تھا۔

یہ لڑکا اس نبی کے بارے میں باتیں سنتا رہتا تھا جو اس کی دم میں آیا تھا مگر ایک طرف اپنی کم سنی اور دوسری طرف مکی معاشرہ سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے وہ ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ صبح سویرے عقبہ کی بکریاں لے کر نکلتا اور رات کو واپس آتا۔

ایک روز اس لڑکے عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ دو ے باوقار آدمی اس کی طرف آرہے ہیں' یہ بری طرح ھکے ہوئے ہیں' ان کو اس قدر شدید پیاس لگی ہے کہ ان کے ہونٹ اور حلق خشک ہو گئے ہیں۔ لڑکے کے پاس آکر انہوں نے سلام کیا اور کہنے لگے۔

اے بچے! ان بکریوں کا دودھ دوہ کر ہمیں پلاؤ تا کہ ہم اپنی پیاس بجھا سکیں۔

بچے نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا' بکریاں میری نہیں ہیں یہ تو میرے پاس ایک امانت ہے۔

آدمیوں نے اس کی بات کا برا نہ منایا بلکہ یہ بات سن کر ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے' پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

مجھے کوئی چھوٹی بکری بتایئے' بچے نے قریب ہی چگتی ایک چھوٹی سی بکری کی طرف اشارہ کیا۔ آدمی اس کی طرف بڑھا اور اس کو پکڑ کر کھڑا کر لیا۔ اس کے تھنوں کو سہلانا شروع کر دیا تا کہ اس کا دودھ اتر آئے' آدمی اللہ کا نام بھی لیتا جا رہا تھا' بچہ حیرانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

بھلا یہ کم عمر بکری کیسے دودھ اتار سکتی ہے؟

مگر ادھر بکری کے تھن پھولتے جا رہے ہیں اور دودھ تیزی کے ساتھ بہہ نکلا ہے۔

دوسرے آدمی نے برتن نما ایک پتھر زمین سے اٹھایا اور اس میں دودھ بھر لیا۔

یہ دودھ دونوں آدمیوں نے بھی پیا اور مجھے بھی پلایا' ۔ ادھر مجھے اس چیز کا یقین نہیں آرہا تھا جو میں دیکھ رہا تھا۔

جب دودھ سے سیر ہو چکے تو اس بابرکت آدمی نے بکری کے تھنوں سے کہا۔ سکڑ جاؤ! تھن سکڑنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ اپنی پہلی حالت پر چلے گئے۔ اب میں نے اس مبارک آدمی سے کہا۔

مجھے بھی یہ چیز سکھا دیجئے جو آپ پڑھ رہے تھے۔

آدمی نے کہا' تم تو معلّم لڑکے ہو (تمہیں سکھانے کی کیا ضرورت؟)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قبول اسلام کی کہانی کا نقطہ آغاز ہے۔

یہ مبارک آدمی رسول اللہؐ تھے اور ان کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ تھے۔

اس روز یہ دونوں حضرات قریش کی ایذارسانیوں کے حد سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے گھاٹیوں کی جانب نکل گئے تھے۔

جس طرح اس بچے کو رسول اللہؐ اور ان کے ساتھی سے محبت ہو گئی تھی اور ایک گہرا تعلق قائم ہو گیا تھا اسی طرح رسول اللہؐ اور ان کے ساتھی کو بھی یہ بچہ بہت پیارا لگا تھا' انہوں نے اس کی امانت اور احتیاط کو ایک بڑی خوبی سمجھا تھا اور اس کے اندر موجود خیر کا اندازہ لگا لیا تھا۔

کوئی زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اسلام لے آئے اور اپنے آپ کو خدمت رسولؐ کے لئے پیش کر دیا۔ رسول اللہؐ نے بھی ان کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لیا۔

اس دن سے یہ خوش نصیب بچہ بکریوں کی چرائی چھوڑ کر سرور کائناتؐ کی خدمت پر مامور ہو گیا۔

عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہؐ کے ساتھ یوں پیوست ہو گئے جیسے سایہ آدمی سے جدا نہیں ہوتا۔ وہ سفر و حضر اور گھر بار ہر جگہ آپؐ کے ساتھ رہتے۔ جب آپؐ سو جاتے تو جگانے کی ذمہ داری ان کی ہوتی' آپؐ غسل کرتے تو یہ آپؐ کو پردہ کراتے' آپؐ کہیں جانے لگتے تو یہ آپؐ کو جوتے پہناتے اور جب آپ تشریف فرما ہونے لگتے تو یہ آپؐ کے جوتے اتارنے کی خدمت انجام دیتے۔ آپؐ کا عصا اور مسواک اٹھانے کا کام کرتے۔ جب آپؐ حجرہ میں جانے لگتے تو پہلے یہ حجرہ میں داخل ہوتے بلکہ رسول اللہؐ نے انہیں اجازت دے دی تھی کہ وہ جب چاہیں بلا روک ٹوک گھر میں آ ئیں جائیں' انہیں آپؐ کے رازوں سے واقف ہونے کی بھی اجازت تھی' حتیٰ کہ ان کو ''رازدان رسولؐ'' کہا جانے لگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تربیت و پرورش بیت رسول میں ہوئی۔ یہ رسولؐ سے ہدایت یافتہ اور آپؐ کے اخلاق و صفات سے آراستہ ہوئے انہوں نے آپؐ کی ایک ایک خصلت و خوبی کو یوں اپنایا کہ ان کے بارے میں کہا جانے لگا کہ ''عبداللہ بن مسعودؓ سیرت و صورت اور رشد و ہدایت کے اعتبار سے رسول اللہؐ کے سب سے زیادہ قریب ہیں!''

عبداللہ بن مسعودؓ نے رسولؐ سے تعلیم پائی اور صحابہ میں قرآن کے سب سے بڑے قاری' اس کے معانی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اور قرآن و سنت کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ان خوبیوں کی سب سے بڑی دلیل اس آدمی کی بیان کردہ کہانی کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے جو حج کے روز عرفہ کے مقام پر کھڑے عمرؓ بن خطاب کو ملا اور ان سے کہا۔

امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں وہاں ایک آدمی ہے جو قرآن مجید لوگوں کو زبانی املا کراتا ہے۔

عمرؓ نے یہ بات سنی تو اس قدر غضبناک ہوئے کہ اس سے

قبل انہیں ایسی حالت میں نہ دیکھا گیا تھا انہوں نے کہا۔

''تم تباہ ہو جاؤ' وہ شخص کون ہے؟''

آدمی نے کہا: عبداللہ بن مسعودؓ!

عمر فاروقؓ کے اوپر طاری غصے کی فضا چھٹنا شروع ہوئی اور وہ اپنی اصل حالت پر لوٹ آئے اور کہنے لگے۔

''تم ہلاک ہو جاؤ' اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص باقی ہو جو عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ اس بات کا حقدار ہو' میں تمہیں اس بارے میں بتاتا ہوں''

عمر فاروقؓ نے لحہ بھر توقف کے بعد فرمایا۔

''ایک دفعہ رسول' ابوبکر صدیقؓ کے ہاں ان کے ساتھ رات کے وقت مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا پھر رسول اللہؐ باہر نکلنے لگے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہی باہر آ گئے' دیکھتے ہیں کہ مسجد میں کھڑا ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے ہم اس کو پہچان نہ سکے۔ رسول اللہؐ اس کی طرف کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ہماری طرف دیکھ کر فرمایا۔

من سرہ ان یقرا القران رطبا کما نزل فلیقراہ علی قراءۃ ابن ام عبد

''جو آدمی اس طرح تر و تازہ قرآن پڑھ کر خوش ہونا چاہے جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو وہ ابن ام عبد کی قرات پر قرآن پڑھے'' پھر عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھ کر دعا کرنے لگے تو رسول اللہؐ انہیں فرمانے لگے۔

سل تعطہ! ''تم مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا''

سل تعطہ! ''تم مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا''

عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ کی قسم! میں صبح سویرے عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جاؤں گا اور اس کی دعا پر رسول اللہؐ کے آمین کہنے کی اسے خوشخبری سناؤں گا۔

صبح ہوئی تو میں گیا اور اس کو یہ خوشخبری سنائی تو معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے ابوبکرؓ وہاں پہنچ گئے ہیں اور یہ خوشخبری دے آئے ہیں۔

اللہ کی قسم! بھلائی کے کسی کام میں کبھی میں ابوبکرؓ سے سبقت نہ لے جاسکا ہمیشہ وہی سبقت لیتے رہے''

قرآن مجید کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ کا علم اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ وہ کہتے ہیں۔

''اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں' کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ یہ کہاں اور کس بارے میں نازل ہوئی۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی شخص موجود ہے اور لوگ چل کر اس کے پاس جاتے ہیں تو میں ضرور اس آدمی کی خدمت میں حاضر ہوتا''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

عمر بن خطابؓ ایک سفر کے دوران ایک قافلے کو ملتے ہیں اندھیری رات کا وقت ہے اس لئے قافلے کو دیکھنا ممکن نہیں' اس قافلے میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں عمرؓ ایک آدمی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس قافلہ والوں سے پوچھے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟

عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا' نشیبی علاقے سے

عمر بن خطابؓ: کہاں جا رہے ہو؟

عبداللہ بن مسعودؓ: خانہ کعبہ۔

عمر فاروقؓ نے کہا ان لوگوں میں کوئی عالم ہے اور آدمی کو حکم دیا کہ ان کو آواز دے کر پوچھے کہ:

قرآن کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟

عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا: **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم** (سورہ البقرہ:255)

عمر فاروقؓ نے آدمی سے کہا: ان سے پوچھو: قرآن کی مضبوط ترین آیت کون سی ہے؟

عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا: **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتا ذی القربیٰ** (سورہ النحل:90)

عمر فاروقؓ نے پھر آدمی سے کہا: ان سے پوچھو: قرآن کی جامع ترین آیت کون سی ہے؟

عبداللہ بن مسعودؓ: **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ O ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ O** (سورہ الزلزال:7'8)

عمر فاروقؓ نے کہا: ان سے پوچھو: قرآن حکیم کی خوفناک ترین آیت کون سی ہے:

عبداللہ بن مسعودؓ: **لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوء یجزبہ ولا یجدلہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا** (سورہ النساء:123)

عمر فاروقؓ نے کہا: ان سے پوچھو: قرآن کریم کی سب سے زیادہ امید افزا آیت کون سی ہے؟

عبداللہ بن مسعودؓ: **قل یعبادی الذین اسرفو اعلیٰ انفسھم لا تقنطوامن رحمتہ اللہ ان اللہ یغفر اللذنوب جمیعا' انہ ھو الغفور الرحیم** (سورہ الزمر:53)

عمر فاروقؓ نے کہا: ان سے پوچھو: کیا تمہارے درمیان عبداللہ بن مسعودؓ ہے؟

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں' اللہ کی قسم! وہ موجود ہیں!

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ محض زاہد و عابد عالم و قاری ہی نہ تھے بلکہ وہ سخت حالات کے وقت ایک طاقتور اور پیش قدم مجاہد ہوتے۔ ان کی اس صفت کے بیان کے لئے یہی بات کافی ہے کہ روئے زمین پر رسول اللہؐ کے بعد قرآن کی علی الاعلان قرات کرنے والے وہ سب سے پہلے شخص ہیں۔

ایک روز اصحاب رسول ﷺ مکہ میں اکٹھے ہوئے۔ ان دنوں وہ ابھی کمزور تھے۔ انہوں نے کہا کہ: اللہ کی قسم! قریش نے اس قرآن کو بھی علی الاعلان نہیں سنا' کون ہے جو ان کو اس طرح قرآن سنائے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: میں سناؤں گا۔

صحابہؓ نے کہا: تمہارے بارے میں ہمیں ان سے کچھ خطرہ ہے۔ ہم کوئی ایسا آدمی چاہتے ہیں جس کا اپنا خاندان بھی ہو کہ جب قریش اسے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ اس کا دفاع کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: مجھے جانے دو' اللہ میری حفاظت کرے گا اور ان سے مجھے بچائے گا پھر وہ چاشت کے وقت مسجد کی طرف چلے اور خانہ کعبہ کے قریب مقام ابراہیم پر پہنچ گئے قریش' کعبہ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو گئے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی' اس کے ساتھ ہی آواز بلند کی:

الرحمن O علم القران O خلق الانسان O علمہ البیان O (سورہ الرحمن:1-4)

وہ مسلسل پڑھتے جا رہے تھے' قریش نے غور سے سنا تو کہنے لگے:

یہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے: تباہ ہو جائے یہ! یہ تو وہ چیز تلاوت کر رہا ہے جو محمد لایا ہے۔

قریش اٹھے اور جا کر ان کے چہرے پر مارنا شروع کر دیا' وہ اس حالت میں بھی پڑھتے رہے' پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے تو ان کا خون بہہ رہا تھا' صحابہؓ نے ان سے کہا:

اسی چیز کا تو ہمیں خطرہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: اب تو اللہ کے یہ دشمن میرے نزدیک اور بھی بے وقعت ہو گئے ہیں۔ اگر تم چاہو تو آج کی طرح کل پھر صبح صبح میں ان کے پاس چلا جاؤں گا۔

صحابہؓ نے کہا: نہیں! بس اتنا ہی کافی ہے تم نے انہیں وہ چیز سنا دی ہے جو انہیں ناپسند تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خلافت عثمانؓ تک زندہ رہے' جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو عثمانؓ عیادت کے لئے ان کے پاس آئے' کہنے لگے۔

عبداللہؓ! تمہیں کس چیز سے شکایت ہے؟

عبداللہؓ: اپنے گناہوں سے!

عثمانؓ: اور آرزو کس چیز کی ہے؟

عبداللہؓ: اپنے رب کی رحمت کی!

عثمانؓ: کیا میں تمہارے لئے ان وظیفوں کے اجرا کا حکم نہ دے دوں جو تم عرصہ سے نہیں لے رہے؟

عبداللہؓ: مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں!

عثمانؓ: کیا تم میری بیٹیوں کی تنگدستی سے ڈر رہے ہو؟ میں نے انہیں کہہ رکھا ہے کہ وہ ہر روز رات کو سورہ واقعہ پڑھا کریں' میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ:

من قرا الواقعہ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا

''جو آدمی ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے وہ کبھی فاقہ سے دوچار نہیں ہوگا''

رات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اللہ کے پاس جا پہنچے اس وقت ان کی زبان اللہ کے ذکر اور قرآن کی آیات کی تلاوت سے تر تھی۔

Phool CKC Introduces New Monthly Competitions

خطاطی کے مقابلے

نے بچوں کو اپنی تہذیبی روایت سے جوڑ دیا ہے

پھول بچوں کو بہتر سے بہتر زندگی کا سوچنے اور مثبت طور پر آگے بڑھنے کے موقع دیتا رہے گا

ایوارڈ یافتہ مصور اور خطاط اسلم کمال مہمان خصوصی تھے

رپورٹ۔ نمیری محسن

پھول نے خطاطی کا مقابلہ کروا کے نئی نسل کو اپنی روایات سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان خیالات کا اظہار اسلم کمال ڈائریکٹر پروگرامز اقبال اکیڈمی نے ماہنامہ پھول اور سی کے سی کے زیر اہتمام ہونے والے پہلے خطاطی کے مقابلے میں موقع پر انعامات تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے کہا پھول نے اس نئی نسل کو پہلے بڑی محبت سے قائد اور اقبال کے کام اور پیغام سے جوڑا اور اب یہ مقابلہ کروا کے ہم بڑوں کو خوشی اور اطمینان سے نوازا ہے انہوں نے تمام کامیاب بچوں کو ایوان اقبال کے دورے کی دعوت دی۔ خطاطی کا یہ مقابلہ علامہ اقبال ٹاؤن میں واقع کریسنٹ کڈز کیمپس میں ہوا جس میں شہر کے مختلف تعلیمی اداروں کے ذہین اور باصلاحیت طلبہ و طالبات نے شرکت کی ممتاز خطاط خورشید گوہر رقم نے مقابلے کا آغاز کیا اور شرکاء کیلئے اللہ کے نام لکھے۔ خوبصورت تحریر کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان ناموں الرحمان' اور الودود' کے پس منظر اور فضائل بھی بیان کئے۔ شرکا نے اس انداز کو بے حد سراہا منصفین میں ادارہ نوائے وقت کے چیف کیلی گرافر رشید وارثی بھی شامل تھے۔ انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات پہ خوشی کا اظہار کیا کہ ماہنامہ پھول نئی نسل کو عمدہ ادب ہی نہیں عملی طور پر سرگرمیوں اور تحائف حاصل کرنے کا مواقع بھی دیتا ہے۔

انہوں نے پھول اور سی کے سی کی انتظامیہ کو اس قدر اچھا مقابلہ کروانے پر مبارک باد بھی دی ممتاز فوٹو گرافر اور دانش ور عظمت شیخ نے اپنے اظہار خیال میں بچوں کی مہارت اور لگن کی تعریف کی۔

جس خوبصورتی اور رنگوں کے امتزاج سے بچوں نے اللہ کے نام لکھے وہ حاضرین کو حیران کرنے والے تھے انہوں نے کہا کہ بچوں کو جو سکھایا جائے وہ وہی کرتے ہیں ہم بڑے ہی انہیں اچھا بنانے میں کنجوسی کر جاتے ہیں۔

پروگرام کے خصوصی مہمانوں میں لاہور پریس کلب کے صدر ارشد انصاری' اور سیکرٹری میاں عابد شامل تھے ارشد انصاری نے ماہنامہ پھول اور سی کے سی کے بچوں اور اساتذہ کے کام اور مقابلے کے ماحول کو بے حد سراہا انہوں نے کہا آج کے بچے بڑے خوش قسمت ہیں جو انہیں اس قدر عمدہ مواقع میسر ہیں انہوں نے وعدہ کیا کہ پریس کلب پھول کے ساتھ مل کر بچوں کی ذہنی' جسمانی' تربیت اور ترقی کیلئے مقابلوں کا آغاز کرے گا۔ میاں عابد نے اپنے خطاب میں بچوں کو بتایا کہ سیکھنے کا کوئی موقع ضائع نہ کریں اچھا انسان بننے کیلئے صرف انعام حاصل کرنا کافی نہیں ہے۔ اپنے رویے اور عمل سے دوسروں کی توجہ اور محبت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔

پھول نئی نسل کو عمدہ ادب ہی نہیں عمدہ سرگرمیوں کا تحفہ بھی دیتا ہے رشید وارثی چیف کیلیگرافر

سکول کی چیئرپرسن مسز شہناز اشرف سے شرکا اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور پھول کے ساتھ ایسے مقابلوں کے جاری رکھنے کے عزم کو دہرایا مسز نمیرہ محسن پروگرام کی میزبانی کی۔ انہوں نے نتائج کا اعلان کیا جس کے مطابق سینئر سیکشن میں حافظ محمد اشرف' اور زاہرہ ماجد اول' فرخ ناز اور جویریہ افضل دوم عائشہ منیر اور شیخ محمد بلال سوم رہے۔

کلاس پنجم میں اقراء طور اول صدف قمر دوم فاطمہ علی سوم

کلاس چہارم میں آمنہ اشتیاق اور مہوش فاطمہ دوم رابعہ سلیم سوم

کلاس سوم میں عکرمہ توقیر اول فاطمہ صابر دوم مہ رخ خان سوم

آج کے بچے خوش قسمت ہیں کہ انہیں اس قدر عمدہ مقابلے میسر ہیں ارشد انصاری صدر لاہور پریس کلب

بچوں کی لگن اور مہارت نے حاضرین کو حیران کر دیا

بچوں کو سیکھنے کا کوئی موقع نہیں ضائع کرنا چاہیے میاں عابد

کلاس دوم میں نمرہ ملک اول' ردا آغا دوم اور اقبال بھٹی سوم رہے۔

پھول کلب کے صدر اختر عباس نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے بچوں کو بہتر سے بہتر زندگی کا سوچنے' خواب دیکھنے اور بڑوں کی محبت اور خدمت کے ساتھ آگے بڑھنے پر توجہ دلائی انہوں نے کہا کہ یہ مقابلے بچوں کی شخصیت اور سوچ کو عمدہ بنانے اور انہیں مثبت طور پر آگے بڑھنے پر ابھارتے ہیں پروگرام میں اساتذہ بچوں کے والدین کے علاوہ پھول ٹیم سے نجمہ سعدیہ' الطاف ملک' بابر حیات' صدف نگار' کلیم نے بھی شرکت کی۔

خطاطی کے مقابلے کے بعد مرحلہ سکول کے پھول کلب کے تمام ممبرز کی اختر عباس اپنے پیارے بھیا کے ساتھ پہلی میٹنگ کا تھا۔ بچوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ڈھیروں باتیں ہوئیں۔ ایک بچی نے کہا کہ آپ چھوٹے بچوں کے لئے لطائف نہیں لکھتے جس پر اختر بھائی نے سہ بار ایک لطیفہ سنانے کی کوشش کی مگر ہر بار وہ لطیفہ درمیان ہی سے اچک کر تین بچوں نے تین رنگوں سے پیش کیا۔ آخر کار چوتھی مرتبہ بھیا لطیفہ سنانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھول کلب کی ننھی ممبر نجیحہ اشرف عمر 5 سال نے اختر بھائی سے نہایت اعتماد سے کچھ سوالات کئے جن کے جواب میں بھیا نے انہیں مستقبل کی صدر پاکستان کا خطاب دیا۔ اقرا نے نم آنکھوں سے بھیا کی بہت تحریروں کا ذکر کر کے پوچھا وہ ایسا کس طرح لکھتے ہیں۔ بچوں نے اشفاق صاحب سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا جسے فوراً قبول کیا گیا اور بچوں سے ڈبل ڈیکر بس میں سیر کا وعدہ بھی کیا گیا۔ بچوں نے نجمہ سعدیہ اور انچارج شعبہ سائنس سے بھی کھل کر سوالات کئے۔ ممبران نے اپنے بھیا کو گلدستہ پیش کیا۔ مسٹر اشرف نے تمام مہمانوں کو پھول پیش کئے۔

بھیا اختر عباس نے آنٹی شہناز کی زندگی کے لئے دعا کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے پھول بچوں کیلئے ایسے پروگرام منعقد کروانے میں تعاون کیا۔ بھیا نے اپنی اس بہن کیلئے بھی ڈھیروں دعائیں کیں اور کام کے انداز کو سراہا۔ بلاشبہ ستائش ایک ایسا تحفہ ہے کہ جو کام کرنے کی صلاحیت کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور یہ الفاظ سننے کے بعد اور آنٹی کی محبت بھری نگاہوں نے تمام سٹاف کی تھکاوٹ دور کر دی۔ پروگرام بے حد منظم اور شاندار رہا۔ تمام طلباء کو اعزازی سندیں پھول کی طرف سے اور انعامات آنٹی شہناز کی طرف سے دیئے گئے۔ اس پروگرام کی کامیابی میں سنیئر برانچ کے پرنسپل احمد اشرف جو کہ مسز شہناز اشرف کے بیٹے اور U.E.T کے ایک ہونہار طالب علم بھی رہے ہیں کا بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ انہوں نے سنیئر کیمپس ہمارے لئے پیش کر دیا ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجود انجینئر ہونے کے انہوں نے تدریس کا شعبہ چنا اور اپنی والدہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بچوں سے بے حد محبت کرتے ہیں اور ان کی فلاح و بہبود اور معیاری تعلیم کے بے شمار نئے نئے پروگرام کا انتخاب کرتے اور عمل پیرا رہتے ہیں۔ بھیا نے پروگرام کی خاص بات چائے اور اس کے گرما گرم لوازمات کی بھی تعریف کی کہ میزبانوں نے بہت توجہ سے اس کا اہتمام کیا تھا۔

مقابلے میں شریک بچوں کی کاوش

ممتاز خطاط خورشید عالم گوہر رقم نے اللہ کے ناموں کو خوبصورتی سے لکھنے کے بعد فضائل بھی بتائے

نور کی کہانی ایک روز اس کے سفید کپڑے اور جیب میں پڑے موتیے کے پھول سرخ ہو گئے تھے

صالحہ ارشد منہاس

''رازی، تم نے کبھی موتیے کے سرخ پھول دیکھے ہیں؟ دعا کرو کہ تمہیں کبھی موتیے کے سرخ پھول نہ دیکھنا پڑیں، تم دیکھ ہی نہیں سکو گے۔ دیکھو رازی، موتیے کے پھولوں کو کبھی سرخ نہ ہونے دینا''۔ رازی الجھن میں مبتلا تھا...... ''موتیے کے پھول تو نیچرلی وائٹ ہوتے ہیں۔ سرخ تو کبھی نہیں ہو سکتے''۔ نور عالم کے ہر خط میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہوتی تھی جو رازی کو الجھن میں مبتلا کر دیتی تھی۔

''تاریک منظر، بس وہ جگہ تھوڑی سی روشن تھی جہاں ایک آدمی زمین کھود رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنا سر اٹھایا تو رازی کی چیخ نکل گئی''

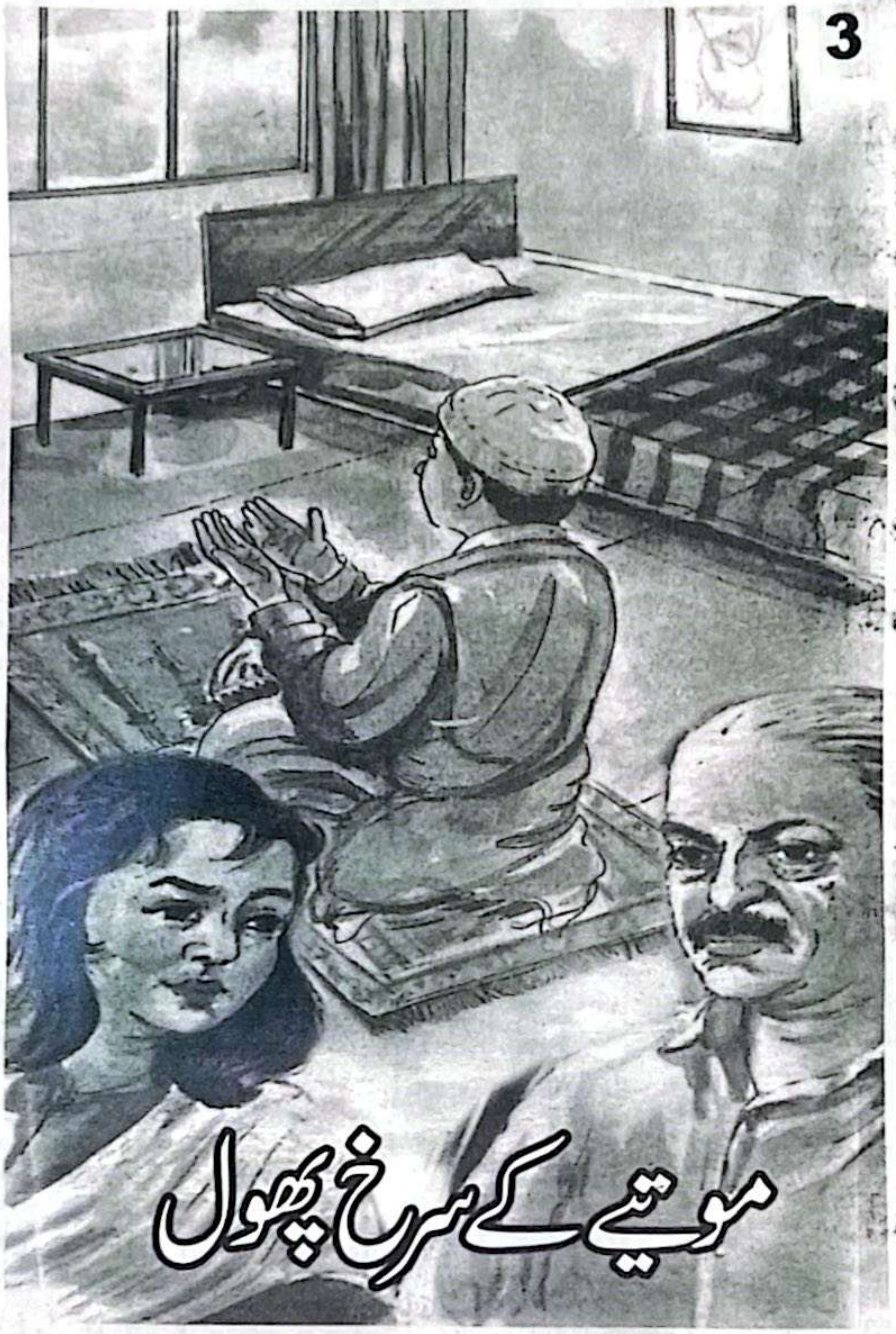

''رازی، آر یو آل رائٹ جان؟'' ماما بڑی فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں اور رازی کو حیرت ہونے لگی ''یہ ماما کو آج میرا خیال کیسے آ گیا؟''۔ ''آئی ایم آل رائٹ ماما'' رازی نے ماما کو یقین دلایا تو ماما سر ہلاتی ہوئی حسب معمول اپنے سوشل ورک کی کسی میٹنگ میں چلی گئیں۔ رازی نے کالج سے چھٹی کرنے کا سوچا اور ناشتے کی میز سے اٹھ کر نور کو خط لکھنے لگا۔ ''نور، میں بہت پریشان ہوں۔ جیسے کسی نے زندگی کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سب کچھ بے ترتیب سا ہے۔ مجھے لگتا ہے...... خیر چھوڑو۔ میرا خیال ہے میں بھی تمہاری طرح ہوتا جا رہا ہوں۔ تمہارے جیسا عجیب خط ہی تمہیں لکھ رہا ہوں۔ کیا کروں کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہی''۔

وہی بدشکل خوفناک آدمی تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں کوئی ننھا سا پودا پکڑا ہوا تھا۔ اس نے کھودی ہوئی جگہ میں وہ پودا لگایا اور مکروہ آواز میں ہنسنے لگا۔ رازی پھر ڈر گیا۔

''رازی، میں کشمیر جا رہا ہوں''۔ ''کل اماں نے ... بلایا اور غور سے دیکھنے لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ گویا ہوئیں: ''میرے نور، مجھے نہیں لگتا کہ میں تمہارے بغیر کچھ دیکھ سکوں، شاید اس لئے کہ اب میرے پاس صرف تم ہو جس پر ممتا کا جذبہ نچھاور ہونے کو بیتاب رہتا ہے۔ میرے بچے! لیکن......'' اماں بڑی مشکل سے ضبط کر رہی تھیں۔ ان کے لب لرزنے لگے۔ ''بچے! تجھے جہاد پر جانا چاہئے'' بڑی دقت سے اماں نے یہ جملہ ادا کیا۔ میں تڑپ گیا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں لیکن اماں بس اتنا بولیں: ''تجھ پر سارا حق صرف میرا نہیں ہے، دھرتی کا بھی ہے۔ تجھے جانا چاہئے نور، تیرے ہونے یا نہ ہونے سے زندگی نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے لیکن......'' اماں کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ ''لیکن تجھے پتہ ہے ناں، اماں نے تیرا نام نور کیوں رکھا تھا''۔

جانے وہ خوفناک آدمی کیا کر رہا تھا۔ رازی کو چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اچانک اس کے قدموں میں ایک کٹا ہوا سر آن گرا تو وہ خوف سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

نور کا نام مجاہدوں میں لکھ لیا گیا۔ وہ اپنے کرب اور دکھ کو باہر لا سکتا تھا۔ اس کے سارے ساتھی کسی نہ کسی گھاؤ سے زخمی ضرور ہوئے تھے اور کچھ گھاؤ کبھی نہیں بھرتے۔ سب مل کر آزادی لینا چاہتے تھے۔ سبھی کے نزدیک زندگی اور موت اپنے مفہوم کھو چکے تھے۔ جذبہ جہاد ان کے لہو میں گردش کرتا تھا اور انہی لوگوں کے خون کے بھارتی بھیڑیے سب سے زیادہ پیاسے تھے۔

''رازی یہ سب دیکھنے پر مجبور تھا۔ ظلم جیسا بدصورت آدمی اپنی تیز دھاری تلوار سے معصوم لوگوں کے سر کاٹ رہا تھا جو اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ وہ آدمی گردن کاٹ کر خون نچوڑتا تو لال قطرے بالٹی نما برتن میں جمع ہو جاتے۔ رازی کے سامنے کتنی ہی بالٹیاں خون سے بھرتی چلی گئیں۔ رازی تماشائیوں کی طرح کھڑا تھا۔ پھر ان لہو بھری بالٹیوں سے پودے کی آبیاری شروع ہوئی۔ پودا نشوونما پا رہا تھا۔ رازی کو لگا کہ وہ صدیوں سے یہاں کھڑا ہے جب اس نے ایک کلی پھوٹتی دیکھی۔ موتیے کی مانوس خوشبو ماحول میں بکھری تو رازی پھول توڑنے بھاگا۔ پودے پر پھول کھلتے ہی جا رہے تھے۔ رازی ساکت رہ گیا۔ اس آدمی نے موتیے کے سارے پھول توڑ لئے، سرخ رنگ کے پھول۔ پھر پاگلوں کی طرح ہنستا چلا گیا۔ رازی نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔

اسی لمحے اسکی آنکھ کھل گئی۔ کتنی راتوں بعد خواب پورا ہو ہی گیا تھا مگر کیسا بھیانک خواب تھا۔ رازی کو یاد آیا: ''رازی، تم نے کبھی موتیے کے سرخ پھول دیکھے ہیں؟ دعا کرو کہ تمہیں کبھی موتیے کے سرخ پھول نہ دیکھنا پڑیں، تم دیکھ ہی نہیں سکو گے'' اور پسینے میں بھیگا ہوا رازی بری طرح رونے لگا...... ''میں نہیں دیکھ سکا نور'' ابھی رات باقی تھی مگر رازی دوبارہ

نہیں سو سکا۔ اس کے ذہن میں جیسے فلم سی چلنے لگی۔

رازی سمیت سب بہن بھائی گرمیوں کے چھٹیاں گزارنے آزاد کشمیر جانا چاہتے تھے۔ ماما پاپا سے بولیں: ”کل مجھے مسز جمشید بھی بتا رہی تھیں کہ آزاد کشمیر بہت خوبصورت ہے۔ بہت زیادہ نیچرل حسن ہے وہاں۔ ہم تو بس آزاد کشمیر ہی جائیں گے۔“

آزاد کشمیر پہنچے تو ایک شاندار سی رہائش گاہ کا انتظام ہو چکا تھا۔ آخر رازی کے پاپا اتنے بڑے سیاستدان تھے۔ سب لوگ گھومنے پھرنے نکلے۔ رازی کے بڑے بھائی تو اپنے جدید کیمروں سے حسین منظر قید کرنے لگے۔ رازی نیچے وادی میں چلا آیا۔ بڑا آئیڈیل سا ماحول تھا، خاموشی اور ایک زبردست سی ندی اور تبھی اس کی نظر اس لڑکے پر پڑی سرخ گالوں والا خوبصورت سا، قریباً رازی کا ہم عمر ندی کنارے بیٹھا تھا۔

”ہیلو“ رازی اس کے پاس چلا آیا۔ اس نے بس ایک نظر رازی کو دیکھا اور رازی کو اس کی آنکھیں بہت گہری لگیں۔ ”کیا کر رہے ہو“ رازی نے پوچھا۔ ”دیکھ رہا ہوں کہ اگر پانی سرخ رنگ کا ہو تو کیسا لگے گا“۔ اس نے رازی کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

”لیکن پانی تو سرخ رنگ کا ہو ہی نہیں سکتا۔ پانی تو نیچرلی کلر لیس ہے میرا مطلب ہے بے رنگ“ رازی اس کے پاس بیٹھ گیا، وہ رازی کو بغور دیکھ کر بولا: ”تمہیں سمجھ نہیں آئے گی۔ تم...... یہاں کے رہنے والے تو نہیں ہو“۔

”ہاں“ رازی نے جواب دیا ”پاکستان سے آیا ہوں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے“۔

”تبھی تو میں نے کہا کہ تم نہیں سمجھو گے“ وہ ہلکے سے ہنسا مگر رازی کو طنز کی چبھن محسوس ہوئی مگر وہ نظر انداز کرتے ہوئے بولا: ”اچھا یار، اپنا نام تو بتاؤ۔ میرا نام ”رازی“ ہے“۔ ”نور عالم“ وہ عام سے لہجے میں بولا۔

”واؤ، کتنا زبردست سا نام ہے، بالکل تمہاری طرح“ رازی مسکرایا۔

”میں چلتا ہوں۔ اماں انتظار کر رہی ہونگی“۔ وہ اٹھ کر چلا گیا لیکن رازی کو بہر حال وہ اچھا لگا تھا۔

اگلے روز رازی نادانستگی میں اسی وقت وہیں چلا آیا۔ نور عالم وہیں تھا۔ ”پانی پر ریسرچ ہو رہی ہے، دوست“ رازی دور ہی سے بولا۔ جواباً وہ رازی کو دیکھ کر مسکرایا۔

پھر آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے رازی کی نور عالم سے دوستی ہو گئی۔ رازی روزانہ اسی جگہ آتا نور عالم سے ملنے۔ دونوں کی پسند ناپسند کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھی۔ دونوں کو پھولوں میں موتیا بے حد پسند تھا اور رنگوں میں سفید رنگ۔ جب کھیل کے بارے میں رازی نے نور عالم سے پوچھا تو وہ بولا: زینب کے ساتھ گڑیا کھیلتا، میں نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا کھیل نہیں کھیلا“۔ اس سے پہلے کہ رازی تعجب کا اظہار کرتا، نور جلدی سے بولا: ”تم نہیں سمجھو گے، پھر کبھی بتاؤں گا۔ ابھی چلتا ہوں“۔

رازی، نور کے اماں ابا سے بھی ملا۔ دونوں بہت شفیق اور مہربان لگے تھے رازی کو۔ پھر نور نے رازی کو اپنے گھر کے باہر لگا ہوا موتیے کا پودا بھی دکھایا جس سے نور کی محبت جھلک رہی تھی۔

اور پھر ایک دن نور نے رازی کو اپنی عجیب باتوں کے جواب دے دیئے۔ اسے اپنے بارے میں بتایا۔

رات بیت چکی تھی۔ وقت تو بیت ہی جاتا ہے۔ لمحے تو ہاتھوں میں آئی ریت کی طرح پھسلتے ہیں مگر کچھ لمحے ایسے بھی ہوتے ہیں جیسے پانی کا کوئی ریلا، جو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر بھی لے جاتا ہے اور اپنے پیچھے مٹی کی صورت میں نشانی چھوڑ جاتا ہے۔ جو لمحے رات کے ساتھ بیت گئے، وہ اپنے ساتھ زینب اور بھابھی کی زندگیاں اور چھوٹے بھیا کو لے گئے تھے اور اپنی نشانی کے طور پر نفرت اور غصہ چھوڑ گئے تھے اور یہ نشانی نور عالم کے ذہن پر نقش ہو گئی تھی۔ نور کو بس یہ یاد تھا کہ رات میں کچھ گندے لوگ، انڈین آرمی والے، لالہ کو ڈھونڈنے آئے تھے۔ وہ لالہ اور ان کے ساتھیوں کو مار دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے بابا کو مارا، اماں کو زور سے دھکا دیا۔ انڈین آفیسر لالہ کو گالیاں دینے لگا تو نور سے برداشت نہیں ہوا تھا۔ وہ یکدم بول اٹھا: ”میرے لالہ کو گالی مت دینا“ اور ساتھ ہی ایک فوجی نے رائفل کا بٹ اتنے زور سے مارا کہ نور بے ہوش ہو گیا۔ جب اس کو ہوش آیا تو وہ یہ سمجھا کہ خواب تھا، ایک بھیانک خواب اور کتنا اچھا ہوتا اگر یہ خواب ہوتا۔ اس نے بڑی مشکل سے سر اٹھا کر دیکھا اور وہ منظر تھا جس کو اس کی آنکھیں بھی قبول نہیں کر رہی تھیں۔ بھابھی اور زینب کے اردگرد خون ہی بکھرا تھا۔ زینب کی گڑیا بھی خون میں نہائی ہوئی تھی۔ چھوٹے بھیا کی وہیل چیئر خالی تھی۔ ”کیا وہ گندے لوگ چھوٹے بھیا کو ساتھ......“ نور چیخنا چاہتا تھا۔ یکدم وہ اٹھا اور اماں ابا کے سامنے جا کر بیٹھ گیا جو خشک اور خالی آنکھوں کے ساتھ زمین پر بیٹھے تھے۔ نور بلک بلک کر رونے لگا اور پھر تینوں زخمی جسموں اور زخمی روحوں کے ساتھ رونے لگے۔

نور عالم آٹھ سال کا تھا جب اس کے پیارے اس سے بچھڑ گئے۔ وقت تو لمحہ بہ لمحہ گزر ہی رہا تھا۔ کشمیر میں بسے ہزاروں لاکھوں گھروں کی طرح نور عالم کا گھر بھی ایک طوفان کی لپیٹ میں آیا۔ طوفان ہمیشہ کب باقی رہتا ہے۔ ختم ہوتا ہے تو ایک پر امن اور چمکیلی صبح طلوع ہوتی ہے۔ مگر کوئی کشمیری نہیں جانتا تھا کہ آخر کونسا طوفان ہو گا جس کے بعد آزادی کا سورج صبح درخشاں لئے طلوع ہو گا۔ اماں ابا سوائے صبر کرنے کے اور کیا کر سکتے تھے۔ دکھ کے موسم میں زندگی گزارنا، ایک صحرا میں کڑی دھوپ تلے تپتی ہوئی ریت پر ننگے پاؤں چلنے کے برابر ہے۔ سفر کے آغاز میں آنسوؤں کی برسات ہوتی ہے مگر پانی کے یہ ننھے قطرے دھوپ کی شدت اور حدت کم تو نہیں کر سکتے ناں، سو ایک دن یہ بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب آنسو ساتھ چھوڑ دیں تو مجبوراً صبر کو ہی ہمسفر بنانا پڑتا ہے۔ اماں اور ابا کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ صبر کرنا مجبوری تھی۔ نور عالم نے زینب کی گڑیا سنبھال کے رکھ لی تھی۔ چند روز بعد رات کی تاریکی میں لالہ گھر آئے تو نور عالم ان سے لپٹ کر پھر رو پڑا۔ اماں اور ابا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے جیسے صحرا میں کوئی بھولا بھٹکا بادل آ نکلے۔ لالہ مجاہد تھے مگر خود کو آنکھیں نم کرنے سے نہ روک سکے۔ اپنی تین سالہ معصوم بچی اور بیوی کی یاد میں ایسا ہونا تو فطری سا عمل ہے اور پھر معذور چھوٹے بھیا! جو لوگ دنیا سے چلے جائیں، ان پر تو صبر آ جاتا ہے مگر جو پیارے دنیا ہی میں کھو جائیں، کوئی ان کے لئے کیسے بے قرار نہ ہو۔ اس رات لالہ نے نور کو آزادی کا مطلب سمجھایا۔ یہ بات تو نور بھی جانتا تھا کہ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہی ایسا نہیں ہوا، اس کے دوستوں کے ساتھ بھی ایسا کچھ نہ کچھ ضرور ہوا بلکہ اس کا سب سے پیارا دوست علی تو شہید ہو گیا۔ نور عالم یہ سمجھ گیا تھا کہ زندہ رہنے کے لئے صرف غذا، ہوا اور پانی ہی ضروری نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو جسم کی زندگی کے لئے ہیں۔ آزادی، روح کی زندگی ہے۔ یہ بات صرف لالہ ہی جانتے تھے کہ آج وہ آخری بار اپنے پیاروں سے مل رہے ہیں۔ ”کل رات کچھ لوگ یہاں سے آزاد کشمیر جا رہے ہیں، آپ لوگ بھی سامان باندھیں“۔ لالہ کی یہ بات تینوں کو چونکا گئی۔ وہ حیرانگی کو دیکھنے لگے۔ اماں ابا نے انکار کر دیا لیکن لالہ بولے: ”میرے لئے آپکا انکار قابل قبول نہیں ہے، میں کوئی دلیل نہیں سنوں گا“۔ پھر لالہ تفصیل سے بتانے لگے: ”حسن کے سب گھر والے جا رہے ہیں۔ چند دن پہلے بھارتی بھیڑیے اس کے دو چھوٹے بھائیوں کو لے گئے اس ڈر سے کہ یہ بھی مجاہد بنیں گے۔ اب حسن کا بیٹا ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا بڑا ہو، طاقتور بن کر مقابلہ کرے۔ جہاد کرے“۔ لالہ کچھ لمحے کو رکے۔ پھر بولے: ”وہ میری تلاش میں پھر یہاں آئیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے وہ آپ پر......“ انہوں نے ایک لمحے کو نور کی طرف دیکھا۔ ”فاروق کے گھر والے بھی جا رہے ہیں۔ وہاں آزاد کشمیر میں ان کے رشتہ دار ہیں۔ آپ بھی وہاں ٹھہریں گے“۔

ایک چھوٹا سا قافلہ رات کی تاریکی میں آزاد کشمیر پہنچ گیا۔ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا تھا۔ لیکن جب رب کائنات کی مدد شامل حال ہو تو کچھ ناممکن نہیں رہتا۔ وہ جس کام کے لئے فرماتا ہے ”ہو جا“، اس کے لئے ”ناممکن“ کا لفظ صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ اماں، ابا اور نور آزاد کشمیر پہنچ چکے تھے۔ لیکن زخم تو نہیں بھرے تھے اور پھر اپنے ہم وطنوں پر گزرتے مظالم کا دکھ، اپنی جاں پر گزرتا محسوس

”جی ہاں! ہم آپؐ سے پیار کرتے ہیں“

ہمارے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپؐ انہیں محبت سے سلام کرتے، ان سے پیار بھری باتیں کرتے۔ ایک ایک کو گود میں اٹھاتے۔ ان کا سر اور پیشانی چومتے اور کھانے کی کوئی چیز بھی دیتے۔ کبھی کھجوریں، کبھی پھل اور کبھی کوئی اور چیز۔

آپؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے انہیں بڑی محبت سے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے کسی کو اپنے آگے اور کسی کو پیچھے۔ بچے بھی آپؐ سے بڑی محبت کرتے تھے جہاں آپؐ کو دیکھا لپک کر آپؐ کے پاس پہنچ گئے۔

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کے موقع پر مدینہ میں داخل ہوئے تو انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں دروازوں پر کھڑی ہو کر یہ گیت گانے لگیں ”ہم خاندانِ نجار کی بیٹیاں ہیں۔ محمد کیا ہی اچھے مہمان ہیں“

آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا

”کیوں بچیو! تم مجھے پیار کرتی ہو؟“

سب نے کہا ”جی! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“

آپؐ نے فرمایا: ”میں بھی تمہیں بہت پیار کرتا ہوں“ فریحہ تاج۔ لاہور

ہوتا تھا۔ اماں اور ابا اور نور کے پاس جیسے الفاظ ہی نہیں تھے بات کرنے کو۔ ہاں البتہ نور نے ایک مصروفیت پال لی۔ نور کو موتیے کے پھول بہت زیادہ پسند تھے۔ اپنے گھر میں بھی اتنا بڑا موتیے کا پودا لگا تھا جس پر اتنے پھول لگتے کہ سارا آنگن مہکنے لگتا۔ نور اور زینب پھول توڑ لیتے۔ جانے کہاں سے اور کیسے اس نے گھر کے باہر مٹی میں اس نے موتیے کا پودا لگایا اور اس کا خیال رکھنے لگا۔ جب بھی زینب یاد آتی موتیے کے پودے کے پاس بیٹھ جاتا اور پھر گھنٹوں بیٹھا رہتا ایسے جیسے بیسٹ فرینڈ کے سامنے آپ دل کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

”تمہیں پتہ ہے ناں، میں اس کا چاچو ہوں مگر اس نے مجھے نور کہنا ہی سیکھا تھا۔ میں اور زینب کتنا کھیلا کرتے تھے۔ جب میں اس کی گڑیا چھین لیتا تھا تو وہ کتنا چیختی تھی۔ کبھی کبھی تو میرے سر کے سارے بال کھینچا کرتی تھی۔ اماں کہا کرتی تھیں کہ جب تم اور زینب سو جاتے ہو، تب گھر میں کچھ خاموشی ہوتی ہے، ورنہ سارا دن شور و غل۔ لیکن تمہیں کیسے پتہ ہو گا، ہاں تمہارے دوست کو پتہ ہے جو ہمارے گھر میں تھا“۔

”سنو دوست، خون جسم کے اندر گردش کرنے کی چیز ہے یا باہر گلیوں میں، سڑکوں پر گھروں میں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ مگر میں جب بھی آنکھیں بند کرتا ہوں تو سوائے بکھرے ہوئے خون کے کچھ سامنے نہیں آتا“۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ لالہ تو اماں ابا کے چلے جانے کے کچھ دن بعد ہی شہید ہو گئے تھے۔ مقبوضہ کشمیر میں حالات ویسے ہی تھے بلکہ زیادہ سنگین ہو گئے تھے۔ شاید ظلم اور ظلم کے خلاف آواز ایک دوسرے کو تحریک دیتے ہیں۔ جتنا ظلم بڑھتا ہے، ظلم کے خلاف اتنی ہی آواز اٹھائی جاتی ہے اور جب آواز اٹھتی ہے تو اس آواز کو دبانے کے لئے مزید ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ تب تک نہیں رکے گا جب تک ظلم نہیں ختم ہو گا یا مظلوم نہیں مر جائیں گے۔

نور عالم کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان سارے ظالموں کو اکٹھا کرے جو ظلم کرتے ہیں، ظلم کی ترغیب دیتے ہیں یا نام نہاد کانفرنسیں منعقد کر کے دنیا کو اپنے ہمدرد ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اور پھر ان سب کو آگ لگا دے۔

اماں ابا کے پاس صرف ایک نور عالم بچا تھا۔ اماں سمجھتی تھیں کہ ان کے بظاہر خاموش نظر آنے والے اس بیٹے کے اندر کیا کیا طوفان برپا ہیں۔ نور عالم اماں اور ابا سے بے حد محبت کرتا تھا جیسے کسی عزیز ترین قیمتی چیز کے چھن جانے کا ڈر اس سے محبت کو مضبوط کرتا ہے۔ نور عالم لالہ کی جگہ لینا چاہتا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ جہاد، بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے سے افضل نہیں ہے۔ وہ دو کام کر سکتا تھا، ایک اپنے اماں ابا کی بے حد خدمت اور دوسرا، رب کائنات کے حضور دعا آزادی کے لئے“۔ ایک دن نور اماں سے کہنے لگا جو نماز ادا کر کے اب دعا میں مصروف تھیں:

”اماں، دعا کریں، اس دن سے پہلے کشمیر میں آزادی کا سورج طلوع ہو جائے، جب کشمیر میں برسنے والی بارش سرخ رنگ کی ہو جائے گی، پینے والا پانی سرخ رنگ کا ہو جائے اور موتیے کے پھول بھی“۔ اماں حیرانگی سے نور کو دیکھتی رہ گئیں۔ اب وہ بڑا ہو گیا تھا۔ اس کی باتیں الجھن میں مبتلا کر دیا کرتی تھیں۔ اماں ابا کو اور رازی کو۔ رازی کی اس سے ملاقات ندی پر ہوئی تھی۔ رازی پاکستان سے آیا تھا۔ بہت امیر اور مشہور والدین کا بیٹا تھا۔ لیکن وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے بہت مختلف تھا۔ اپنی شخصیت پر امارت کا خول چڑھائے ہوئے نہیں تھا۔ نور عالم کا زندگی میں پہلی بار کسی سے دوستی کرنے کو دل چاہا اور دوستی ہو بھی گئی، بڑے غیر محسوس انداز میں۔ جب رازی واپس جانے لگا تو نور اداس ہو گیا۔ دونوں نے وعدہ کیا کہ ایک دوسرے کو خط ضرور لکھیں گے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو خط لکھتے رہے۔ رازی، نور عالم کی سمجھ میں نہ آنیوالی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ پھر آہستہ آہستہ رازی کو ایسا لگنے لگا کہ وہ بھی نور عالم کی طرح ہوتا جا رہا ہے۔ پھر جب رازی کو نور عالم کا وہ خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ موتیے کے پھولوں کو کبھی سرخ نہ ہونے دینا تو رازی الجھ گیا۔ پھر اسے وہ خواب دکھائی دینا شروع ہوا، ٹکڑوں میں۔ اسی دوران نور عالم کا وہ خط ملا جس میں اس نے اپنے کشمیر جانے کی خبر سنائی تھی۔ اس کے بعد رازی کو نور کا کوئی خط نہیں ملا تھا۔ نور کا آخری خط ملے دو مہینے ہونے کو آئے تھے۔ رازی انتظار میں تھا اور ساتھ اپنے خوابوں کی وجہ سے پریشان بھی جو ڈیڑھ دو ہفتے کے وقفے سے نظر آتے۔ آج اس کا خواب مکمل ہو گیا مگر یہ تکمیل بہت خوفناک تھی۔

سناٹے میں مؤذن کی آواز گونجنے لگی تو رازی چونک گیا۔ رات بیت گئی تھی۔ وہ خیالوں کی رو میں ایسا گم ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ رازی اٹھا۔ نماز پڑھی۔ اپنے لئے استقامت اور نور کے لئے سلامتی کی دعا مانگی۔

فجر کی نماز سے فارغ ہوئیں تو اماں نے نور کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالیں بلکہ جب تک جائے نماز پر بیٹھی رہیں، نور عالم کے لئے لبوں سے خود بخود دعائیں نکلتی گئیں۔ حسب معمول وہ موتیے کے پودے کو پانی دینے باہر آئیں۔ پودا پھولوں سے بھرا ہوا تھا اماں کو بے اختیار نور یاد آ گیا۔

”نور کو بچپن ہی سے سفید رنگ بہت پسند ہے۔ سفید رنگ کے کپڑے ہی شوق سے پہنتا تھا اور یہ موتیے کا پودا بھی تو خود ہی لیکر آیا تھا۔ کتنا خیال رکھتا تھا اس کا۔ یہاں ہوتا تو اس پودے کو پھولوں سے بھرا دیکھ کر بہت خوش ہوتا“۔ اماں مسکرا دیں۔ جب وہ پانی دینے تھوڑا سا آگے بڑھیں تو ان کو یوں لگا کہ جیسے موتیے کے پھول خون میں نہا گئے ہیں۔ پہلے سے زیادہ مہکنے لگے ہیں۔ اماں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کا دل بے قابو سا ہو کر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ پانی دیئے بغیر ہی واپس پلٹ آئیں۔

نور عالم کے سفید کپڑے اور جیب میں پڑے سفید موتیے کے پھول سرخ ہو گئے تھے۔ اس کا وجود موتیے کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ شہید کے خون میں ڈوبے موتیے کے پھول زیادہ تو مہکیں گے ناں۔ بڑی میٹھی مسکراہٹ نے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اس کو رب نے بتا دیا ہو گا کہ رازی اس کی جگہ لینے آ رہا ہے۔

....

صبح رازی نے جب سب کو اپنا فیصلہ سنایا تو سب حیران تھے۔ اس کی بات کو کس طرح کوئی سمجھتا۔ کسی نے موتیے کے پھول سرخ رنگ میں تھوڑی دیکھے تھے؟

منصب

ایک غم زدہ باپ کی داستان وہ غم کے لمحوں میں بھی اپنا مقام ومنصب نہیں بھولا تھا

پروفیسر محمد ظریف خان (صادق آباد)

مجھے اس بات سے تو کوئی سروکار نہیں کہ صدر مملکت پاکستان جناب پرویز مشرف نے استصواب رائے میں 98 فیصد سے زائد مثبت آرا حاصل کیں یا نہیں مگر اس امر سے بہر حال واقف ہوں کہ وہ اپنے حق میں ڈالے جانے والے دو یقینی ووٹوں سے ضرور محروم ہو گئے۔ ایک ووٹ پروفیسر ڈاکٹر ناصر کا اور دوسرا ان کے اکلوتے صاحب زادے طلحہ کا جو صدارتی ریفرنڈم سے صرف چند یوم قبل اٹھارہ برس کا ہوا تھا اور استصواب رائے سے ایک دن پہلے شام کے وقت صدر صاحب کے حق میں اپنے گھر کی چھت پر ایک بینر آویزاں کرتے ہوئے پیر پھسل جانے کے نتیجہ میں جاں بحق ہو گیا۔ اگلے دن قوم کا ایک قلیل حصہ صدر صاحب کے حق میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ دھڑا دھڑ اور کھٹا کھٹ ایک کی جگہ دس دس مہریں لگا رہا تھا تو اس وقت ایک ادھیڑ عمر باپ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے زمین کی گود میں سلا رہا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر میرے استاد تھے دوست اور پیشہ وارانہ ساتھی بھی وہ اسلامیہ کالج کراچی میں اس وقت اردو کے لیکچرار بن کر آئے جب میں وہاں بی اے (سال آخر) کا طالب علم تھا میری عمر اس وقت کوئی بیس برس کی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب بھی تازہ تازہ ایم اے کر کے فارغ ہوئے تھے اور ان کا سن بھی بائیس تیئس برس سے زائد کا نہ تھا چہرے مہرے سے تو وہ کچھ اور بھی کم کے دکھائی دیتے تھے مگر منصب معلمی نے انہیں وقت سے پہلے اور ان کی عمر سے زیادہ سنجیدہ اور بردبار بنا دیا تھا ستر کی دہائی میں کالجوں اور جامعات کے کچھ طلبہ وطالبات نئے آنے والے معلمین سے بھی عمر میں کچھ زیادہ بڑے ہوا کرتے تھے یعنی چوبیس سے اٹھائیس برس تک تاہم ناصر صاحب اپنے تمام شاگردوں کو خواہ ان سے عمر میں کم ہوں یا زیادہ بیٹا یا بیٹی کہا کرتے ان بیٹوں میں یہ خاکسار بھی شامل تھا ان سے صرف دو تین برس چھوٹا۔

ڈاکٹر ناصر اردو کے کوئی ایسے استاد نہ تھے جنہوں نے ملازمت برائے ملازمت کے تحت یہ پیشہ اختیار کیا تھا انہوں نے بی ایس سی (آنرز) کرنے کے بعد ایم اے اردو کو ایم ایس سی پر ترجیح دی اور اب تدریسی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ بھی تحریر کر رہے تھے۔ وہ فنا فی الاردو تھے اور کسی کو غلط اردو بولتے لکھتے یا پڑھتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی مادری زبان سرائیکی تھی مگر ان کے لب ولہجہ سے اس بات کا گمان بھی نہ ہوتا کہ وہ اردو کے سوا کوئی اور زبان بولنے والے ہوں گے۔ اردو سے ان کے عشق اور لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ اگر اعلیٰ درجات کے کسی طالب علم سے بھی اردو لکھنے یا بولنے میں کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ بہت ناراض ہوتے اور اس کی ''اصلاح'' کرتے ہوئے متعلقہ لفظ کی دس دس مرتبہ تحریری یا زبانی مشق کراتے۔ وہ لڑکوں کو تو ایک آدھ تھپڑ بھی رسید کر دیا کرتے وہ زمانہ ہی کچھ اور تھا ہم تو بی اے کے طالب علم ہو کر بھی ان سے پٹ لیا کرتے

جبکہ آج تو اگر چھٹی یا ساتویں کے بچے پر کسی استاد کی ڈانٹ بھی پڑ جائے تو وہ اپنے روحانی باپ کو خونی نظروں سے گھورنے لگتا ہے۔

بی۔اے کرنے کے بعد میں جامعہ کراچی میں ایم۔اے (سیاسیات) میں داخلہ لیا۔ ادھر ناصر صاحب نے ایک آدھ برس بعد پی۔ایچ۔ڈی کر کے بیرون ملک کا رخ کیا۔ وہ تین برس تک ترکی میں رہے اور پھر پاکستان واپس دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اس بار وہ رحیم یار خان شہر کے ایک بڑے کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ میرا ان سے ہمیشہ خط یا فون کے ذریعہ رابطہ قائم رہا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ میں اسلامیہ کالج کی بزم ادب کا صدر اور وہ اس کے نگران تھے لہٰذا اس ناطے استادی شاگردی کا رشتہ دوستی اور بے تکلفی میں بدل گیا۔ تاہم رفاقت کے باوجود ناصر صاحب مجھے نہ صرف بیٹا کہتے بلکہ سمجھتے بھی۔ وہ جب بھی کراچی آتے تو مجھ سے ملنا فرض عین سمجھتے۔

میں نے ایم۔اے (سیاسیات) کی تکمیل کے بعد بوجوہ دوسرا ایم۔اے اردو میں کیا اور پھر ناصر صاحب کی تقلید کرتے ہوئے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ 29 برس کی عمر میں میری تو شادی ہو گئی اور اس کے ڈیڑھ برس بعد میں ایک فرزند ارجمند کا والد گرامی بھی بن گیا مگر ناصر صاحب طویل عرصہ تک کنوارے رہے مگر میرے بیٹے اویس کے ناطے وہ ''دادا'' بھی بن چکے تھے۔ وہ اسے ایسا ہی پیار دیتے جیسا کہ ایک دادا کی طرف سے پوتے کو ملتا ہے۔ وہ جب بھی کراچی آتے' تو اویس کیلئے

4

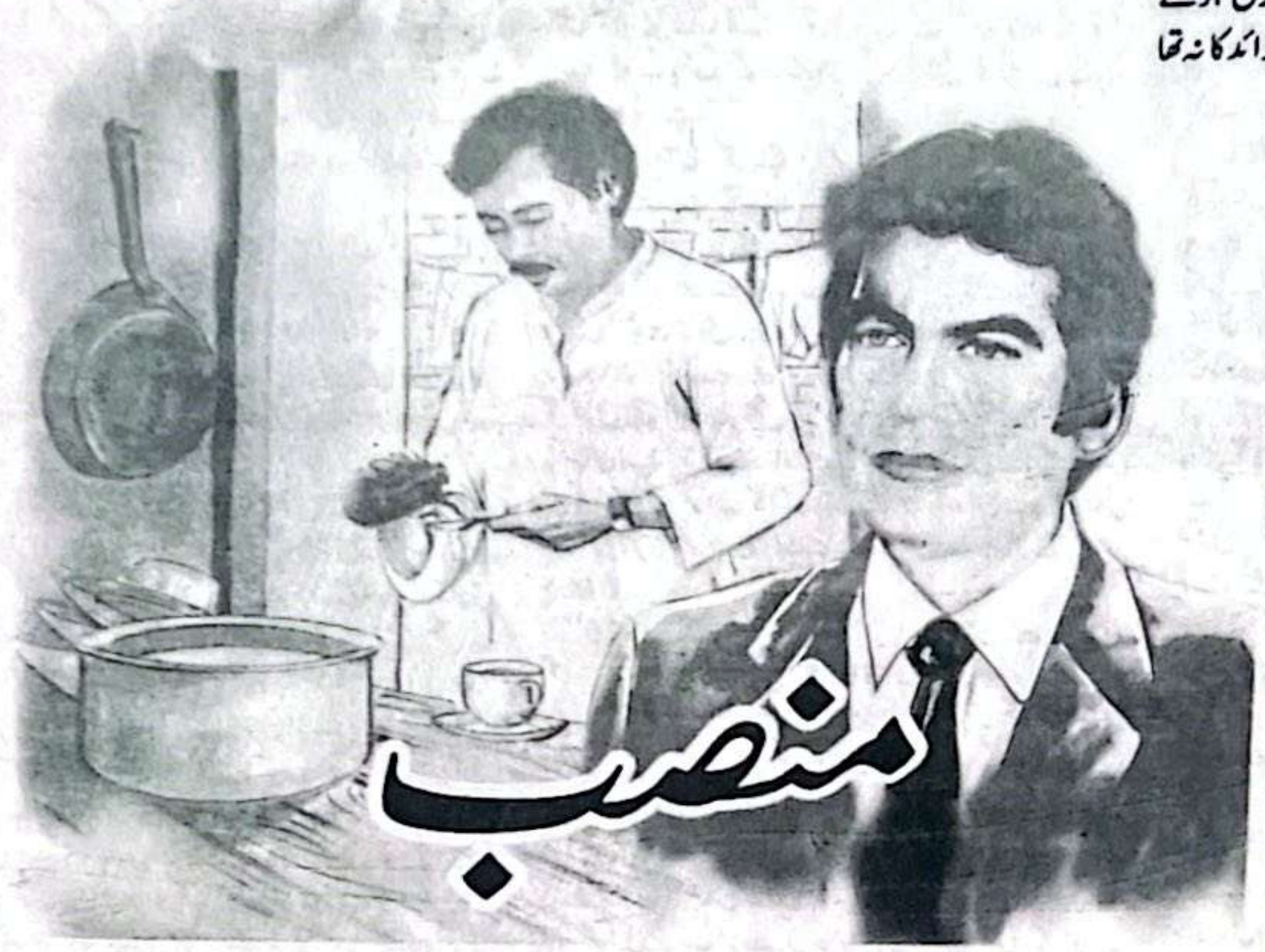

ڈھیر سارے کھلونے اور تحائف لانا کبھی نہ بھولتے۔ اور پھر 39 برس کی عمر میں ناصر صاحب بھی "گھر والے" ہو گئے۔ میں نے انکی شادی کی تقریب میں بڑی مسرت کے ساتھ شرکت کی۔ انہوں نے اس دن اپنے پوتے اویس کو اپنے ساتھ رکھا۔ اویس کوئی پانچ چھ برس کا تھا۔ جب وہ کسی کو بتاتا کہ اس کے "دادا" کی شادی ہوئی ہے تو سننے والا خوب ہنستا۔ شادی کے ڈیڑھ برس بعد جب ناصر صاحب کراچی آئے تو تین مہینے کا گول مٹول سا طلحہ انکی گود میں تھا۔ انہوں نے جب اسے اویس کی گود میں دیتے ہوئے کہا کہ "یہ تمہارے چچا ہیں" تو اویس تو کجا' ہم سب گھر کے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ تین مہینے کا چچا' سات برس کے بھتیجے کی گود میں بڑا پیارا لگ رہا تھا۔

گزرتے ہوئے وقت نے اگرچہ میرے اور ڈاکٹر صاحب کے مابین ملاقات میں کچھ دوریاں پیدا کر دی تھیں مگر ان کا تعلق کسی قسم کی ناراضگی یا کدورت سے نہ تھا۔ ناصر صاحب صدر شعبہ اردو ہونے کے بعد بہت عدیم الفرصت ہو چکے تھے۔ ادھر ملازمت کے ساتھ ساتھ میری تصنیفی و تالیفی مصروفیات نے مجھے بھی کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ اب خط و کتابت یا ٹیلیفون پر رابطہ بھی کم ہی ہوا کرتا۔ صدارتی استصواب رائے کے اگلے روز ایک قومی اخبار میں جب میں نے یہ خبر پڑھی کہ ناصر صاحب کا اکلوتا بیٹا جاں بحق ہو گیا تو غم کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس خبر سے ہمارے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ میرے علاوہ اویس' دونوں بیٹیوں' امی جان اور میری شریک حیات ریحانہ کا رو رو کر برا حال ہو گیا۔ میں نے فوری طور پر ناصر صاحب سے فون پر رابطہ قائم کیا مگر جب کئی مرتبہ کی کوشش کے باوجود سلسلہ نہ مل سکا تو انہیں کالج کے فیکس نمبر پر اس مضمون کا تعزیت نامہ ارسال کیا۔

استاد محترم' ڈاکٹر صاحب' السلام وعلیکم!

اس وقت میں کیوں کر لکھوں "امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا" اب مزاج بخیر کیسے ہو؟ آپ کا دایاں بازو نہ رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے کن روایتی الفاظ میں تعزیت کی جائے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ برخوردار طلحہ کی وفات حسرت آیات میرا ذاتی نقصان ہے۔ میری امی اور مجھ سمیت دیگر اہلخانہ کیلئے طلحہ کی رحلت ایک ایسا دکھ ہے جو باقیماندہ تمام عمر کیلئے ایک خلش' ایک چبھن اور ایک تڑپ رہے گی۔ پروردگار آپ کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا شریک غم

تابعدار

ظریف

اور پھر اسی شام کو مجھے ڈاکٹر صاحب کی جانب سے اس مضمون کا فیکس موصول ہوا۔

عزیزم ظریف میاں' دعائیں

تم نے مجھ سے جو اظہار تعزیت کیا ہے اس نے میرے زخمی دل پر مرہم کا سا کام کیا ہے۔ میرے لئے یہ صدمہ واقعی ناقابل برداشت ہے مگر برخوردار! یاد رکھو' اہل زبان کے نزدیک صدمہ برداشت کیلئے "توفیق" نہیں بلکہ "حوصلہ" درکار ہوتا ہے اور لفظ "تابعدار" نہیں بلکہ تابع فرمان ہے۔ امید ہے کہ آئندہ ان الفاظ کو استعمال کرنے میں احتیاط برتو گے۔

میری جانب سے اپنی والدہ کو سلام اور بہو اور بچوں کو دعا کہنا۔

خیر اندیش

ناصر

واہ رے استاد! شدت غم کے باوجود بھی اصلاح دینے کے فرض سے غافل نہ رہ سکا۔ ایسے تو قدرت نے استاد کو دلوں میں زندہ رہنے والے منصب پر فائز نہیں کر دیا۔

بقیہ: قدیر کہانی

بولے۔ اگر تم میرا ساتھ نہ دیتی ہینی تو آج میں سرخرو نہ ہوتا۔ ڈاکٹر خاں ہینی کے ساتھ گھر میں داخل ہو گئے۔

"پاپا...... مبارک ہو" ڈاکٹر خاں کی بیٹیاں اپنے عظیم باپ کو مبارک دے رہی تھیں۔ ماما...... کب سے انتظار میں تھیں۔ بیٹوں نے اس خاتون کی طرف اشارہ کیا تو ڈاکٹر خان ہنستے ہوئے بولے۔ ہینی نے بہت انتظار کیا ہے میرا۔ میری جان تم سب نے بھی تو میرا انتظار کیا ہے لو آج میں آ گیا ہوں۔ شاید ہمیشہ کیلئے اب تمہیں بہت وقت دوں گا"

گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے مجھے شرم آ رہی تھی۔ "ڈاکٹر خاں تو میرے وجود سے غافل نہیں ہوں گے۔" یہ سوچ کر میں دہلیز کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ شاید کتنا وقت گزرا ہو گا۔ مجھے نہ اونگھ آ رہی تھی نہ بے قراری ہو رہی تھی۔ میرا من شاد تھا اور یوں احساس ہو رہا تھا جیسے میں یہاں برسوں بیٹھا رہوں تو اک لمحہ کیلئے بھی نہ اکتاؤں۔ شاید یہی میری منزل مراد تھی۔

یہ رات کا آخری پہر تھا۔ میرے کانوں میں تلاوت کلام پاک کی آواز آئی۔ وہ جو تھا بڑے خضوع و خشوع سے سورہ رحمٰن کی تلاوت کر رہا تھا۔ جذب و مستی سے سرشار رات کا آخری پہر کلام ربی کی صدا سے روشن ہو رہا تھا۔ میری روح بے کل ہو گئی اور میں اس کمرے تک جا پہنچا جہاں سے کلام ربی کی صدا آ رہی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ محسن پاکستان ایک دیوار گیر غلاف کعبہ کے پاس کھڑے ہیں' آنکھیں اشکوں سے بھری ہیں اور تلاوت فرما رہے ہیں۔ ماحول کی نورانیت نے مجھ پر وجد طاری کر دیا۔ "اے رب ذوالجلال! تو ہر شے پر قادر ہے۔ تو نے اپنے قدیر کو جس نعمت سے سرفراز کیا ہے' اسے اپنا عہد پورا کرنے کی توفیق اور ہمت دی ہے' اے قادر و قدیر میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں" ایٹم کے ذرے سے پہاڑوں کو رائی بنا دینے کا ہنر جاننے والا ایک عظیم انسان پر رقت طاری تھی۔ وہ جائے نماز پر پہنچے اور جبیں مالک کائنات کے حضور جھکا دی "اے مالک! اے محافظ کائنات! میرے وطن کی حفاظت فرما۔ میں دیکھ رہا ہوں بہت سے طوفان میرے وطن کی بہاروں کو برباد کرنے کیلئے آ رہے ہیں لیکن میرے مالک...... تو ہی سب سے افضل محافظ ہے تو ہی اپنے محبوب پاکؐ کے جانثاروں کی سرزمین کو دشمنوں کے شر سے بچا سکتا ہے۔"

محسن پاکستان کسی بچے کی طرح اپنے رب سے بلک بلک کر دعائیں کر رہے تھے۔ میرے ہاتھ بھی دعا کیلئے اٹھے۔ مجھ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ میں بھی زار و قطار رویا۔ لیکن یہ نہیں جان سکا کہ میرے اعصاب کیوں جھنجھنا رہے ہیں۔ مجھ پر کیوں خشیت طاری ہے۔ شاید اسلئے کہ مہدی پاکستان اللہ سے راز و نیاز کر رہے تھے اور نیازمندی اطاعت و وفا کے طور آنکھوں کے جھرنے پیش کر رہے تھے۔ نماز فجر کے بعد محسن پاکستان اپنے بستر پر نیم دراز ہوئے اور سائیڈ ٹیبل سے ایک نفیس سی ڈائری اٹھا کر اس کا ایک ورق پلٹا اور قلمدان سے قلم نکال کر اس میں کچھ درج کرنے لگے۔ میں نے جسارت کی اور پڑھنے لگا۔

"28 مئی 1998ء...... آج میں اپنے فرض سے سرخرو ہو گیا۔ یہ خوشیاں 16 اپریل 1998ء کے روز سعید سے زیادہ خوش افزاء ہیں۔ پچھلے مہینے غوری میزائل کا تجربہ کیا تو یہ ایٹمی دھماکوں کیلئے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اب بھارت آنکھ اٹھا کر پاکستان کی سرحدوں کی طرف نظر نہیں اٹھائے گا۔ کھوٹہ آج امر ہو گیا ہے" ڈاکٹر خان کے چہرے پر اب اطمینان طاری تھا۔ ڈائری سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک نظر اپنی شریک حیات کی جانب دیکھنے لگے جس کے چہرے پر پریوں جیسی مسکان تھی اور نہایت پرسکون نیند سو رہی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے بیگم کو ہلایا اور جگا کر بولے "ہینی! اٹھو۔ میں کافی لا رہا ہوں" یہ کہہ کر ڈاکٹر خان کچن میں گئے اور کافی کے دو مگ بنا کر لائے۔ اس دوران ہینی خان فریش ہو چکی تھیں" اوہ تھینک یو خان' ہینی خان نے اپنے شوہر کی طرف والہانہ انداز میں دیکھتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر خان نے کافی کی چسکی لی اور کپ ٹیبل پر رکھ کر ڈائری سے کھیلنے لگے اور پھر عالم محویت میں ماضی کی یادیں کریدنے لگے۔ ہینی.... یاد کرو۔ یاد کرو 1971 کا وہ دن جب میرے وطن کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور خود کو میں کمرے میں بند کر کے بہت رویا تھا اور یاد کرو وہ دن جب بھارت نے پوکھران میں ایٹمی دھماکے کر کے باقی ماندہ پاکستان پر قبضہ کرنے کا الٹی میٹم دیدیا تھا۔ تمہیں یاد ہے اس روز میں نے کیا عہد کیا تھا؟ ڈاکٹر خان اپنی شریک حیات کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے "میں کب بھولی ہوں تمہاری باتیں۔ مجھے سب یاد ہے تم نے کہا تھا" "ہینی...... میں بھارت کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے یاد ہے تمہارا عزم و استقلال سے بھرا ہوا چہرہ۔ تم بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے رہے تھے اور اپنے وطن کے ان لوگوں پر بھی برہم تھے جو ہالینڈ میں پاکستان کے ایک اہم مشن پر آئے تھے مگر ان کا سارا وقت گھوڑوں کی اقسام دریافت کرتے کرتے گزر گیا۔ تم نے ان سے کہا تھا کہ یہ صرف تم ہی ہو جو پاکستان کیلئے سستا اور دنیا کا جدید ترین ایٹمی پراجیکٹ تیار کر سکتا ہے۔ میرے گریٹ خان۔ مجھے پاکستان میں گزارے پچھلے 25 برسوں کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ اور تمہاری رفاقت میں گزرے 31 برسوں کا پورا پورا حساب یاد ہے۔ ہینی خان اپنے شوہر کی کیفیات بھانپتے ہوئے دھیرے دھیرے سے مسکرانے لگیں تو محسن پاکستان کی زندگی کے ان کہے راز ورق ورق کھلتے چلے گئے۔ (جاری ہے)

ایک نئی ندا

عالیہ شیر واحد۔ کراچی

آج پھر وہ اپنی چھت کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی اسکا سر اسکے گھٹنوں میں چھپا ہوا تھا وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی شائد رو رہی تھی میں کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر اپنی کتابیں سمیٹ کر نیچے آ گئی۔ پچھلے تین دنوں سے یہی ہو رہا تھا میں جب بھی شام کو پڑھنے چھت پہ جاتی مجھے وہ نو سالہ بچی اسی حالت میں ملتی اور اسے دیکھ کر مجھ سے پھر پڑھا ہی نہیں جاتا تھا میں کتابیں سمیٹ کر نیچے آ جاتی۔ آج بھی یہی ہوا تھا اور آج نیچے اترتے ہوئے میرے دل میں آیا کہ اسکے گھر جا کر معلوم کرنا چاہئے آخر ایسی کیا وجہ ہے جو یہ ہر وقت اسی حالت میں بیٹھی روتی رہتی ہے۔ لیکن مجھے گھر نہیں معلوم تھا پتہ نہیں ہماری گلی میں تھا یا پچھلی گلی میں۔ چھت سے تو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کونسا گھر کس کا ہے۔ لہٰذا میں یہ خیال ترک کر کے کچن میں چلی گئی۔ شام کو حمزہ کرکٹ کے میدان سے واپس آیا تو بیٹ رکھتے ہوئے کہنے لگا ''حمنہ کچھ لوگ کتنے پرسکون لگتے ہیں لیکن انکے دلوں میں طوفان برپا ہوتا ہے نہ جانے کیسے اتنی زور آور موجیں انکی دلوں میں سما جائیں میرے ساتھ ایسا ہو تو میں تو بکھر جاؤں فنا ہو جاؤں نہ جانے ان میں اتنا عزم کہاں سے آ جاتا ہے''

حمزہ بولتا جا رہا تھا اور میں چائے کی پیالی لئے اسکو تک رہی تھی میرا شوخ و چنچل بھائی ایسی باتیں بھی کرتا ہے مجھے آج اندازہ ہوا تھا وہ کہہ رہا تھا'' کامی اتنا زندہ دل لڑکا ہے کہ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں بھی ایسا ہی ہو جاؤں یا اسے ہی اپنے ساتھ رکھوں لیکن آج اس نے اپنے حالات بتائے تو میں حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اسکے چہرے اور دل کا اتنا تضاد حمنہ میں برداشت نہ کر سکا میں اسکی پوری باتیں سنے بغیر چلا آیا۔ میرا دل رو رہا تھا۔ اللہ میاں اتنے پیارے بندوں کو اتنے دکھ کیوں دے دیتا ہے۔ جنہیں چھپاتے چھپاتے وہ خود فنا ہو جاتے ہیں۔'' آخر میں حمزہ خود رو پڑا اور مجھے وہ معصوم بچی یاد آ گئی جو سر گھٹنوں میں چھپائے رو رہی تھی شائد اسکے پاس بھی کوئی دکھ ہے جسے وہ سب سے چھپانے کیلئے سب سے چھپ کر روتی ہے۔ اور پھر میں نے معلوم کروالیا اور یہ بات میرے اور حمزہ کیلئے حیرت کا باعث تھی کہ وہ بچی ندا کامی کی بہن ہے۔ یعنی دونوں کا دکھ ایک ہی ہے اور دکھ بھی وہ جو انہیں اپنے والدین سے ملا تھا ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے چاروں ایک دوسرے کیلئے اجنبی تھے۔ والد کا کام صرف کمانا تھا اور والدہ کا پکا کر کھلانا اسکے علاوہ بھی کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں جنکا تعلق مادی چیزوں سے نہیں ہوتا بلکہ وہ احساسات و جذبات ہوتے ہیں جو مختلف صورتوں میں کبھی پیار' کبھی ڈانٹ' کبھی مار کبھی نصیحتوں کی شکل میں بچوں کی ضرورت ہوتی ہیں۔ دونوں بچے ایک بے سائباں گھر کے اور محرومیوں میں گھرے ہوئے لگتے تھے لیکن یہ محرومی پیار کی تھی۔

اگر چھٹی ہوتی تو ہم دونوں بہن بھائی میں سے کوئی جلد نہ اٹھتا لیکن میری آنکھ غیر معمولی شور سے کھلی اور باہر آ کر دیکھا تو میری آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں حمزہ کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑا کانپ رہا تھا امی برآمدے میں رکھی کھانے کی میز کے پاس کھڑی تھی انہوں نے ایک ہاتھ اپنے رخسار پہ رکھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ابو ذرا فاصلے پر کھڑے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے فرش پر ٹوٹے برتن پڑے تھے۔ شائد ابو نے غصے میں برتن توڑے تھے اور امی کو مارا بھی تھا۔ مگر ایسا کیوں ہوا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔ میں سوچتے ہوئے حمزہ کی طرف بڑھی جو ایک ہاتھ منہ پہ رکھے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہا تھا اور میرے قریب پہنچنے پر میرے گلے لگ کر رونے لگا وہ کوئی بہت معصوم تو نہیں تھا فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا اور آج پہلی دفعہ گھر میں ایسا ہوا تھا وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا اور پھر تو یہ روز کا معمول بن گیا نہ جانے ابو میں یہ غصہ کہاں سے آ گیا جو روزانہ کی لڑائیاں اور وہ بھی ذرا ذرا سی باتوں پہ۔ اب تو ان دونوں کی بات چیت ہم سے بھی بند ہو گئی ہمیں کیا چاہئے' ہماری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ کس کی طبعیت کو کیا ہوا؟ حمزہ باہر کیوں رہنے لگا کسی کو پروا نہ تھی نہ امی کو نہ ابو کو۔ بس اپنے اپنے کام نبھا رہے تھے اور بس۔ میں نے حمزہ کا پھول چہرہ مرجھاتے دیکھا تھا۔ گھر کے دروازے سے اندر آتے ہی جیسے سانس بند ہو جاتی تھی حمزہ لڑکا تھا باہر رہنے لگا اور کسی نے منع بھی نہیں کیا لیکن میں لڑکی تھی اور گھٹن میں رہنے پر آمادہ۔ حمزہ کو میں نے گھر میں کبھی بات کرتے نہیں دیکھا نہ مسکراتے ہوئے۔ امی ابو تو جیسے تھے ہی نہیں۔ گھر نہیں ایک آفس تھا جہاں سب کو اپنے کاموں سے غرض ہو اور بس۔ اس دن میں گھر کی بور فضا سے گھبرا کر اپنی دوست سے ملنے چلی گئی واپسی میں جب وہ مجھے میری گلی تک چھوڑنے آ رہی تھی تو میدان میں بیٹھے لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی ''دیکھو اس گروپ میں میرا بھائی بھی ہے۔'' میں نے بھی اس گروپ کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان لڑکوں میں حمزہ بھی تھا لیکن گلاب چہرے کے ساتھ مسکراتا ہوا کسی بات پہ قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی نظر مجھ پہ پڑ گئی اور اسکا چہرہ مرجھا گیا اور میں نم آنکھوں کے ساتھ اپنے گھر کی طرف مڑی۔

نہ جانے والدین کو آپس میں لڑ کر کیا سکون ملتا ہے کیا انہیں یہ احساس تک نہیں ہوتا انکی ان باتوں سے انکے بچوں پر کیا اثرات پڑتے ہیں۔ حمزہ اور میں ہم دونوں کی بہت دوستی تھی لیکن والدین کے رویے نے ہمارا یہ رشتہ بھی اپنی ناچاقیوں کی لہروں میں بہا دیا۔ اور آج وہی چہرہ مجھے دیکھ کر مرجھا گیا تھا میں اپنے بستر پر لیٹی یہ باتیں سوچتی ہوئی روتی جا رہی تھی کہ مجھے اپنے کندھوں پہ دباؤ محسوس ہوا میں نے دیکھا حمزہ سرخ' سوجی اور نم آنکھوں سے میرے سامنے کھڑا تھا اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور میں انکے سینے سے لگ کر رونے لگی وہ کہہ رہا تھا ''حمنہ میں بھی اب کامی بننے کی کوشش کر رہا ہوں بڑے سے بڑے طوفان کو اپنے سینے میں چھپانے کی کوشش طوفانی لہروں کو دبانے کی کوشش'' اور میں سوچنے لگی کیا اب میں بھی ندا بنوں گی چھت پہ جا کر سب سے چھپ کر آنسو بہاؤں گی اور کسی کو نہیں بتاؤں گی مجھے کیا غم ہے۔

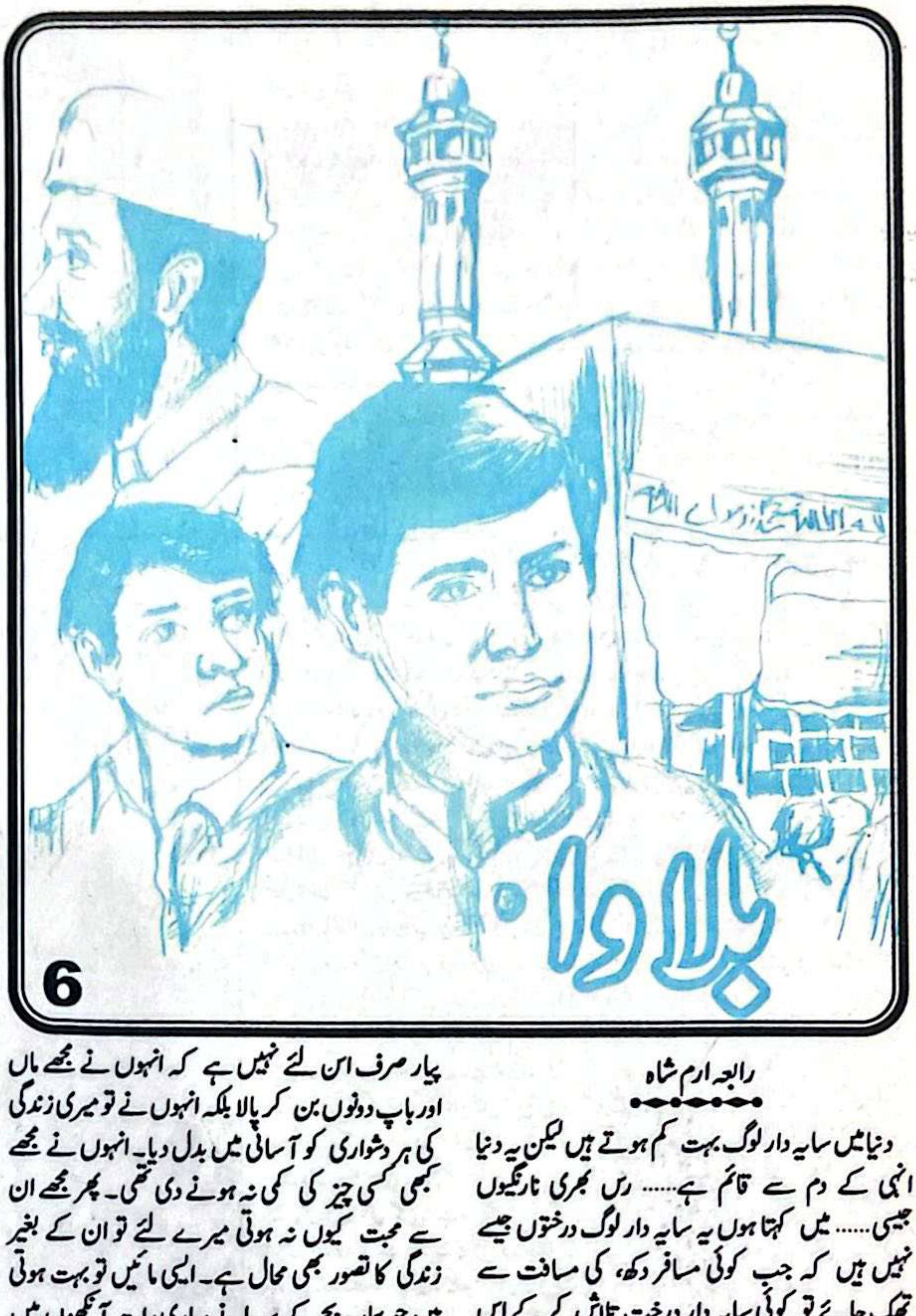

رابعہ ارم شاہ

دنیا میں سایہ دار لوگ بہت کم ہوتے ہیں لیکن یہ دنیا انہی کے دم سے قائم ہے...... رس بھری نارنگیوں جیسی...... میں کہتا ہوں یہ سایہ دار لوگ درختوں جیسے نہیں ہیں کہ جب کوئی مسافر دکھ، کی مسافت سے تھک جائے تو کوئی سایہ دار درخت تلاش کر کے اس کے تلے بیٹھ جائے بلکہ یہ سایہ دار لوگ تو بادلوں جیسے ہوتے ہیں جہاں کسی کو دکھ کے سورج تلے چلتے دیکھا فوراً بڑھ کر اسے اپنی چھاؤں میں لے لیا۔ یہ بادل صفت لوگ عام کہاں ملتے ہیں۔ مگر ایسے دو لوگوں کو میں بھی جانتا ہوں ایک میاں جی اور دوسرے میرے رضی بھائی...... میاں جی سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ مگر وہ مجھے رضی بھائی ہی طرح عزیز ہیں وہ میرے لئے بزرگ کم اور دوست زیادہ ہیں۔ میں ان سے دل کی ہر بات کہہ لیتا ہوں اور رضی بھائی...... ان سے مجھے پیار صرف اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے مجھے ماں اور باپ دونوں بن کر پالا بلکہ انہوں نے تو میری زندگی کی ہر دشواری کو آسانی میں بدل دیا۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی تھی۔ پھر مجھے ان سے محبت کیوں نہ ہوتی میرے لئے تو ان کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال ہے۔ ایسی مائیں تو بہت ہوتی ہیں جو بیمار بچے کے سرہانے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیں مگر میرے رضی بھیا تو مجھے بخار کی حالت میں رات رات بھر کندھے سے لگائے ٹہلتے رہتے اور سلانے کی کوشش کرتے۔ مجھے تائی اماں کے ہاتھ کی روٹی پسند نہیں تھی۔ بھیا میرے لئے خود روٹی بناتے اور اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر مجھے کھلاتے۔ انہوں نے میرے سب لاڈ اٹھائے، نخرے سہے، انہی سے میں نے زندگی کو سہل بنانا اور آسانیاں بانٹنا سیکھا۔ پر کبھی کسی سایہ دار درخت کو خود بھی سائے کی ضرورت پڑتی ہے؟ معاملہ کچھ ایسا ہی ٹیڑھا تھا۔ جبھی تو میں میاں جی سے یہ مسئلہ زور و شور کے ساتھ ڈسکس کر رہا تھا۔

”میاں جی...... دیکھیں تو بھائی نہ وقت پر گھر آتے ہیں اور نہ وقت پر کھانا کھاتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑتے جا رہے ہیں۔ صحت گر رہی ہے۔ اگر وہ میرے لئے اتنی محنت کر رہے ہیں تو مجھے وہ پیسہ نہیں چاہئے مجھے تو اپنے رضی بھیا پہلے کی طرح ہنستے مسکراتے چاہئیں...... کیا کریں گے اس پیسے کو جب صحت نہ ہو خوشیاں نہ ہوں۔ آپ ہی انہیں سمجھائیں۔ وہ اپنے لئے نہ سہی میری خاطر ہی اپنا خیال رکھیں۔ اسی کام نے انہیں مجھ سے دور کر دیا ہے۔ وہ بدلتے جا رہے ہیں۔ میں ان کے لئے بہت فکر مند ہوں آخر وہ ایسے کیوں ہوتے جا رہے ہیں......؟“

میاں جی مجھے یوں جھنجلاتے دیکھ کر پہلے تو ہولے ہولے مسکراتے رہے پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولے ”او پتر...... تو کیوں پریشان ہوتا ہے...... سارے تالے کنجیوں سے ہی کھلتے ہیں نا، ہر سوال کا کوئی نہ کوئی جواب اور ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔ شاید کام کی ٹینشن زیادہ ہو گی اس لئے وہ گھر پر توجہ نہیں دے پاتا۔“ ”ہاں نا...... میں بھی یہی تو میں کہہ رہا ہوں انہیں اتنا کام نہیں کرنا چاہئے...... رفتار وہی بھلی جس سے سانس نہ پھولے...... وہ دوسروں کیلئے اتنا کچھ کرتے ہیں اور اپنا خیال نہیں رکھتے، خود سوچیں جو شخص مہینے کے ہزاروں روپے کماتا ہو اور اس کی کلائی پر ڈیڑھ سو کی گھڑی بھی نہ ہو۔ اس کے جوتوں کی سلائی ادھڑ چکی ہو...... تلوے اتنے گھس گئے ہوں کہ کیچڑ میں اس کی جرابیں تر ہو جاتی ہوں۔ اس کے پاس گنتی کی چند شرٹس ہوں اور پھر بھی کسی نے ان کو کبھی کوئی گلہ، شکوہ، شکایت کرتے نہ دیکھا ہو، وہ کبھی کسی سے بدگمان نہ ہو...... جو کتنا ہی بیمار کیوں نہ ہو کسی کو کچھ نہیں بتائے گا کہ دوسرے پریشان ہوں گے...... جو اپنے کھانے سے پہلے یہ اطمینان کرے کہ سب گھر والوں نے پیٹ بھر کر کھا لیا ہے یا نہیں اور اگر کھانا کم یا ختم ہو گیا ہو تو خالی پیٹ ہونے کے باوجود اتنی بشاشت سے مسکرا کر کہے کہ میں تو باہر سے کھا کر آیا ہوں۔ بھلا بتائیں جو بندہ اتنا کماتا ہو اور اپنے پر خرچ نہ کرے اس کمائی کا کیا فائدہ......؟ میں مسلسل بولے جا رہا تھا اور میاں جی کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی جیسے وہ بھیا کے واقف حال ہوں

یا ان سب باتوں کی وجہ جانتے ہوں۔

''میاں جی..... آپ کچھ بولتے کیوں نہیں..... لگتا تو ایسا ہے کہ میرے بھیا کے سینے میں بھی HAPPY PRINCE کا دل فٹ ہے۔ رشتے دار بیمار ہوں تو سارا خرچ ان کے ذمے..... پڑوسیوں کو کوئی تکلیف ہو تو انہیں ان کی فکر..... وہ کہتے ہیں کہ پیسہ خرچ کر کے کسی کو کوئی خوشی دے سکتے ہو تو پیسے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ پیسہ تو آنی جانی شے ہے۔ بس کسی کو کوئی دکھ نہ پہنچے''۔ ''ہاں بیٹا وہ ٹھیک کہتے ہیں نا..... اچھے اعمال اور صدقہ رزق کو بڑھاتے ہیں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا تو ثواب کا کام ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی تو فرمایا ہے کہ ''فراخی رزق اور درازی عمر کے لئے صلہ رحمی کرو'' یعنی رشتے داروں اور دوسرے لوگوں سے اچھا سلوک کرو انکا خیال رکھو اور اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں کے لئے سورہ بقرہ میں فرماتا ہے کہ ''جو لوگ اپنا مال شب و روز کھلے یا ڈھکے چھپے اللہ کے لئے خرچ کر رہے ہیں تو ان کا اجر انکے رب کے پاس ہے اور انہیں کوئی غم ہو گا نہ کوئی خوف''..... پر بیٹا جی..... تمہارے بھیا تو ہمیشہ سے ہی ایسا کرتے آئے ہیں..... اب کیا ہوا ہے..... کیا پریشانی ہے.....؟'' اب..... جی..... سارا مسئلہ تو یہی ہے کہ اب وہ بدلتے جا رہے ہیں۔ وہ جیسے پہلے تھے مجھے اس پر کوئی شکایت نہیں تھی۔ پر اب وہ میرے ساتھ دوسروں کے حصے کا ٹائم بھی کام کو دینے لگ گئے ہیں۔ میں کتنے کتنے دن ان سے بات کرنے کو ترس جاتا ہوں..... صبح بھاگم بھاگ آفس چلے جاتے ہیں۔ بنا ناشتہ کئے، تو رات گئے لوٹتے ہیں۔ کام کے پیچھے وہ ہم سب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ کام کی زیادتی اور ٹینشن کی وجہ سے ان کے مزاج اور رویے میں تبدیلی آتی جا رہی ہے۔ یا تو وہ پہلے بھی ایسے ہوتے تو کوئی اچنبھے یا فکر کی بات نہیں تھی۔ انہی سے تو میں نے پوزیٹو سوچنا سیکھا ہے میں انہی جیسا بننا اور سوچنا چاہتا تھا مگر اب جب انہیں عام لوگوں کی سوچتے پاتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں..... اور تو اور اب تو وہ کام کی دھن میں نماز بھی قضا کر بیٹھتے ہیں..... کتنی غلط بات ہے نا..... انہیں بدلنا نہیں چاہئے..... میاں جی خاموشی سے میری بات سن رہے تھے۔ جانے کب سے غبار میرے اندر جمع تھا جسے میں گرد آلود ٹاٹ کی طرح جھاڑے جا رہا تھا اور میاں جی شاید جانتے تھے کہ توجہ اور پیار سمندر کے پانی کی طرح ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے کچھ لمحوں کے لئے پیچھے ہٹ جائے تو ریت پر سلوٹیں اور نشان ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ ''میاں جی یہ میں صرف اپنے لئے نہیں کہہ رہا ہوں میرے بھیا تو بادل صفت بندے ہیں۔ ہر ایک کے لئے دل و جان سے حاضر..... آسانیاں بانٹنے والے دوسروں کے دکھوں کو اپنی جھولی میں سمیٹ کر خوشیاں دینے والے..... میں انہیں مشکل میں نہیں دیکھ سکتا جانے کیوں میرے لئے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔ کہ وہ عام لوگوں کی صف میں کھڑے ہوں اور عام لوگوں کی طرح سوچیں..... کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ عام نہیں ہیں۔ ایسے بندے کم ہی ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگی دوسروں کیلئے لگا دیں میں بھیا جی کو Idealize کرتا ہوں اور اپنے اندر بھی وہی خوبیاں پیدا کرنا چاہتا ہوں جو ان کے اندر ہیں..... میاں جی..... میں انہیں دیکھ دیکھ کر رشک کیا کرتا تھا کہ نعمتوں والے مہربان رب کے ہاں اس بندے کی کتنی تعریف کی جاتی ہوں گی اللہ پاک کو رہ رہ کر اس بندے پر پیار آتا ہو گا جو اپنی خوشی اور کامیابی کو دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خوش ہوتا ہو۔ میں کہتا ہوں ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر دنیا میں امن اور آسانیاں پھیلانے کے لئے پیدا کرتا ہے تا کہ کائنات میں اچھائی اور برائی کا توازن برقرار رہے پر جب یہ خود راستہ بدلنے لگیں گے تو دوسروں کو کیا راستہ دکھائیں گے..... بھلا دو راستوں کا مسافر بھی کبھی منزل پر پہنچتا ہے.....؟

میں اپنا سارا غبار جھٹک کر خاموش ہوا تو میاں جی میرا چہرہ غور سے تک رہے تھے پھر وہ دھیرے سے بولے'' جو تم نے ابھی کہا ہے..... اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ بات درست ہے تو اس بات پر بھی یقین رکھو کہ خالق کائنات جب کسی کو ایک راستے پر ڈال دیتا ہے تو پھر اس کیلئے راہ خود ہی ہموار کرتا جاتا ہے۔ اس کیلئے ایسے اسباب پیدا کرتا ہے کہ وہ خود بخود اللہ کے قریب ہوتا جائے..... یاد رکھو اللہ اپنے بندے کی خود بخود حفاظت کرتا ہے ہمیں تمہیں اس کیلئے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یاد کرو پرسوں کیا ہوا تھا جب میں نماز پڑھ کر اٹھا تو پتا چلا کہ تم کتنی ہی دیر سے چپکے چپکے مجھے آبزرو کر رہے ہو میرے پوچھنے پر تم نے کہا تھا..... میاں جی! آپ مجھے نماز پڑھتے اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ میں سوچ رہا تھا جس رب کے لئے آپ اتنی عاجزی سے، پیار سے نماز پڑھ رہے ہیں اسے کتنا اچھا لگ رہا ہو گا اور بیٹا جی اللہ کب اپنے بندوں کو اپنی راہ سے ہٹتا دیکھ سکتا ہے۔ اسے ہم سے زیادہ اپنے بندوں کی فکر ہے۔ بس اب اپنی ساری فکریں مٹا دو۔ پاک رب سے دعا کرو اور اس پر یقین رکھو کہ وہ اپنے بندے کی واپسی کے انتظامات خود کرے گا۔ وہ منتظر ہو گا اس کا اور وہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا اور وہی سب سے بہتر کرنے والا ہے'' میں جب میاں جی کے پاس سے اٹھا تو اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ پھر بہت سے دن یونہی دبے پاؤں گزرتے چلے گئے۔ ایک دن میں عصر کے بعد میاں جی سے ملنے گیا تو میاں جی اپنے صافے میں منہ چھپائے رو رہے تھے۔ میں پریشان ہو گیا مگر انہیں

پڑوسی کے حقوق

حضرت معاویہ بن حیدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمسائے کا حق ہے کہ وہ بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کی جائے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ اگر وہ ادھار مانگے تو اس کو قرض دے اگر اس کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں تو اسے کپڑے پہنائے۔ اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دے۔ اسے مصیبت میں تسلی دے اپنے مکان کو اس کے مکان سے اونچا نہ کرے تا کہ وہ ہوا سے محروم نہ ہو اور نہ اپنے چولہے کے دھوئیں سے اس کو ایذا پہنچائے۔ (طبرانی)

حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے ہمسائے کے لئے وہی بھلائی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے (صحیح مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا باہم تحائف دیتے رہو اس سے دلوں میں صفائی ہوتی ہے اور محبت بڑھتی ہے۔ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کے پائے کا ٹکڑا بھی بھیجنے کو حقیر خیال نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ تھوڑی چیز ہے کیا بھیجیں جو کچھ ہو بے تکلف دو اور لو۔

چپ کروانے یا دلاسا دینے کی میری ہمت نہ پڑی میں خاموشی سے ان کے پلنگ کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر میاں جی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے مگر آنسو تھے کہ بھل بھل امڈتے چلے آ رہے تھے۔ پھر آخر میں جھجکتے جھجکتے پوچھ ہی بیٹھا۔ جل تھل آنکھوں والے میاں جی نے جواب دینے کی بجائے سرہانے سے ایک رسالہ اٹھایا اور کھول کر میرے ہاتھ میں تھما دیا میں بجائے رسالہ پڑھنے کے منہ کھولے حیرانی سے میاں جی کو تکنے لگا۔ میاں جی رسالے وغیرہ نہیں پڑھتے تھے۔ جانے کون انہیں یہ دے گیا تھا۔ ''اسے پڑھو......'' میاں جی رندھی ہوئی آواز میں بولے اور میں پڑھنے بیٹھ گیا۔

جب ساری کہانی پڑھ چکا تو میرا بھی دل کرنے لگا کہ میں بھی میاں جی کی طرح رو پڑوں۔ یہ سچی سرگزشت ایک ایسے شخص کی تھی جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ فسق و فجور میں گزارا تھا۔ بہت برا آدمی تھا مگر تمام برائیوں کے باوجود اس میں ایک خوبی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے غضب کی آواز دی تھی۔ لوگ اس سے فرمائش کر کے نعتیں اور عارفانہ کلام سنا کرتے تھے۔ جب وہ اپنی دلکش اور پرسوز آواز میں نعت پڑھتا تو جیسے لوگوں کے سانس تھم جاتے لیکن اس خوبی کے قطع نظر وہ برائی کے دلدل میں دھنستا چلا جا رہا تھا پھر یوں ہوا ایک دن ایک مسجد سے اسے ہفتہ وار محفل شبینہ کی آفر ہوئی۔ اس نے قبول کر لی۔ اس کی آواز کا چرچا ہوا تو ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری مسجد میں بھی اس نے میلاد اور شبینوں میں بلایا جانے لگا۔ پھر اسے مؤذن بننے کی دعوت دی گئی۔ وہ حیران تھا کہ کہاں میں اتنا برا بندہ اور کہاں یہ سعادت خطیر معاوضے کی وجہ سے اس نے مؤذن بننا تو قبول کر لیا، داڑھی بھی رکھ لی مگر ابھی برے کاموں سے دور نہ ہوا۔ پھر اسے شہر کی جامع مسجد میں امام بننے کی پیشکش ہوئی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟ کچھ تذبذب کے بعد معاوضے ہی کی خاطر اس نے اس پیشکش کو بھی قبول کر لیا مجبوراً پانچ وقت کی نماز پڑھواتے اور پڑھتے اس کی زندگی بدلنے لگ۔ رفتہ رفتہ ساری بری عادتیں چھوٹ گئیں۔ پھر اچانک اسے دیار حبیب ﷺ سے بلاوا آ گیا اور اس کی قسمت دیکھیں اس نے اپنی باقی تمام زندگی روضہ رسول ﷺ پر نعتیں پڑھتے گزار دی۔ جب اسے موت آئی تب بھی وہ سنہری جالیوں کے سامنے نعت پڑھ رہا تھا'' میں کہانی ختم کر کے میاں جی، کی طرف متوجہ ہو گیا وہ روتے روتے بڑبڑا رہے تھے ''دیکھو تو حبیب کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس کی تعریف کرنے والا ادھر ادھر بھٹکتا پھرے واہ...... سبحان اللہ...... اسے در پر بلانے اور راہ راست پر چلانے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔...... اللہ اکبر بلاوا کیسے کیسے آتا ہے اور کیسے کیسے لوگوں کو آتا ہے۔ یا الٰہی زندگی کی سانسیں بہت گزر گئیں تھوڑی رہ گئیں اب تو ہماری فائل پر بھی دستخط کر دے...... ہمیں بھی گنبد خضریٰ کا دیدار نصیب فرما دے'' پھر میاں جی روتے روتے گنگنانے لگے اور گنگنا گنگنا کر روتے رہے

یہ مدینے چلا وہ مدینے چلا
میرا کچھ نہ بنا میں یہیں رہ گیا
وہ بلاتے رہے سب ہی جاتے رہے
اک میرے سوا میں یہیں رہ گیا

میں بھرے دل سے انہیں یونہی روتا چھوڑ آیا۔ گھر گھر کرتے بادل جب برسنے پر آ جائیں تو نہ دھوپ چھاؤں کی پرواہ کرتے ہیں نہ دن رات کی۔ میں میاں جی کو ویسے بھی کیا تسلی دیتا گھر آ کر سجدے میں گر کر خود کتنی دیر روتا رہا۔ دعائیں مانگتا رہا، التجائیں کرتا رہا۔ کتنے ہی دن میری کیفیت چھلکتے ہوئے کٹورے جیسی رہی تبھی میں جاوا کا کورس کرنے تین ماہ کیلئے لاہور آ گیا آ کیا گیا تھا بھائی نے زبردستی بھیجا تھا میں پہلی بار ان سے اتنے دنوں کیلئے دور ہوا تھا۔ ہمارے درمیان اگر فون کا رابطہ نہ ہوتا تو میرے لئے ایک دن بھی گزارنا مشکل تھا۔ ابھی پورا مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک دن اچانک میاں جی مٹھائی کا ڈبہ ہاتھ میں لئے پہنچ گئے۔ ''خوشخبری لایا ہوں تمہارے لئے''...... ''کیسی خوشخبری میاں جی......؟'' میں حیران تو ہوا مگر رضی بھیا کے لئے اتنا بے چین تھا کہ کچھ دیر کو یہ خوشخبری نظر انداز کر سکتا تھا۔ ''میاں جی...... پہلے مجھے بھیا کے بارے میں بتایئے۔ وہ کیسے ہیں......؟ ان کی صحت وغیرہ ٹھیک ہے نا؟ کھانا تو......'' ہاں بھئی...... وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ بڑے مزے میں ہیں...... پر پہلے مجھے بیٹھنے تو دو، سانس تو لینے دو......'' میں نے جلدی سے کرسی آگے کر دی۔ میاں جی نے مٹھائی کا ڈبہ میز پر رکھا اور آرام سے کرسی میں دھنسنے کے بعد بولے ''ارے بھئی...... تمہارے بھائی ہی کی اجازت سے تو میں یہاں آیا ہوں کہ سب سے پہلے تم کو یہ خوشخبری میں یہ سناؤں

☆...... بندہ جس وقت گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر چار احسان فرماتا ہے، نہیں بلند کرتا رزق کو نہیں موقوف کرتا تندرستی کو نہیں ظاہر کرتا گناہ کو نہیں عذاب کرتا فی الحال۔ ایک گناہ گار پر اللہ کے اتنے احسان ہیں تو نیکوکاروں پر کتنے ہوں گے؟ (محمد یاسین بٹ سیالکوٹ)

•••••••••••••••

☆...... علم کا بوجھ بہت زیادہ اٹھانے کے باوجود انسان کو خود اپنا آپ ہلکا محسوس ہوتا ہے۔ (نجم السحر لاہور)

گا...... جانتے ہو بلاوا آ گیا ہے......'' ''بلاوا......؟'' پہلے تو میں کچھ سمجھ نہ سکا پھر خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا ''ارے میاں جی آپ حج یا عمرے پر جا رہے ہیں؟'' بیٹا...... اپنی ایسی قسمت کہاں؟ ابھی اپنی فائل کہاں اوپر تک پہنچی ہے...... بوجھو تو بھلا کس کا بلاوا آیا ہے......؟''

وہ تجسس دلانے والے لہجے میں بولے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ ''میاں جی دعا تو آپ نے مانگی تھی...... یا پھر میں نے...... آپ کا نام نہیں لکھا گیا تو...... میرا......

لیکن میرا بلاوا کیسے آ سکتا ہے...... رہ گئے بھیا...... کیا ...... کیا بھیا کا بلاوا تو نہیں آیا؟'' میں خوشی سے ایک پیر پر گھوم گیا۔ ''ہاں...... تمہارے بھیا کمپنی کی طرف سے عمرے کیلئے جا رہے ہیں''۔ میاں جی نے ڈبے ایک رس گلہ نکال کر میرے منہ میں ٹھونس دیا۔ ''میں نے تمہیں کہا تھا نا...... کہ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رب اپنے راستے پر چلنے والے کی خود حفاظت کرتا ہے۔ خود اسکی راہ ہموار کرتا ہے...... اور تمہارے بھیا اب باقی کام وام سب بھول گئے ہیں۔ جب سے خبر ملی ہے لگے ہوئے ہیں۔ زور و شور سے نمازیں پڑھنے اور شکرانے کے سجدے ادا کرنے میں...... بھئی بلاوا جو آ گیا ہے......'' بولتے بولتے میاں جی کی آواز رندھ گئی'' بلاوا بھی قسمت والوں کو ہی آتا ہے''

اشک گرنے لگے عرض کرنے لگا
اذن دے دو شہا میں یہیں رہ گیا
یہ مدینے چلا وہ مدینے چلا
میرا کچھ نہ بنا میں یہیں رہ گیا

کچھ

یہ ''کچھ'' کی فرمائش ہے تو بڑی سادی اور معصوم لیکن ایک بار اس نے بڑا فساد برپا کیا ایک صاحب کی موٹر سائیکل سرِ راہ بلکہ یوں کہئے لب سڑک پنکچر ہو گئی۔ پرانی ہو گئی اوزار ان کے پاس تھے نہیں، گزرتے ہوئے شہ سواروں سے ملتجی ہوئے کہ کوئی رک جائے کچھ دیر کے لئے انہیں پانا ادھار دے کہ وہ یہ پہیہ اتاریں اور کہیں سے پنکچر لگوالیں لیکن شاید شہر کراچی ہو گا، ہر کوئی ہوا کے گھوڑے پر سوار کہ کسی نے نہ سنی۔ بالآخر ایک صاحب رکے، فریاد سن کر بولے ''مجھے کیا دو گے؟'' بھئی ''کچھ'' دے دیں گے۔ ''تم پانا تو دو''۔ ان صاحب نے پانا دے دیا۔ پہیہ کھلا، پنکچر لگا ادائیگی کی باری آئی تو 5 روپے عنایت ہوئے وہ صاحب بگڑ گئے کہ صرف 5 روپے میرا اتنا وقت ضائع ہوا ہے پیسے بڑھایئے تماشائیوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ رقم دس پندرہ روپے سے بڑھتی ہوئی بیس پچیس تک جا پہنچی۔ لیکن صاحب پانا مطمئن نہ ہوئے۔

بالآخر مفلوک الحال شخص کو ایک ترکیب سوجھی اس نے سڑک کے کنارے سے سگریٹ کی ایک خالی ڈبیا اٹھالی۔ صاحب ''پانا'' کی طرف پیٹھ کر کے اس میں چند سکے، مٹی اور کنکر ڈالے اور ڈبیا اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا ''دیکھنا کیا یہ ڈبیا خالی ہے؟''

اس نے ڈبیا کو ہلایا اور بولا ''نہیں اس میں کچھ ہے''۔

رکھو اسے اپنے پاس، تم سے یہی وعدہ تھا کہ ''کچھ'' دے دیں گے۔

اس نے کک لگائی اور یہ جا وہ جا۔

(اشفاق حسین کی کتاب جنٹلمین، سبحان اللہ سے اقتباس)

عالیہ ظفر ملک، سوہاوہ

باتیں کچھ کتابوں سے

''آپ ہمارے کاپل ہیں......؟

انہوں نے لرزتی آواز میں بتایا کہ نہیں، تمہارے ہمارے سب کے کاپل سر فاروق ہیں۔ انہیں تلاش کر کے ان سے ملو۔ اب تک سر کا تصور ہمارے ذہن میں یہی تھا کہ انگریز کچھ لوگوں کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں ''سر'' کا خطاب بخشتا رہا ہے۔ اسی حوالے سے سر سید، سر عبدالقادر اور سر ڈاکٹر محمد اقبال وغیرہ کی شخصیتیں ذہن میں ابھریں بڑا سر مارا لیکن یہ سر فاروق نام کی کوئی شخصیت یاد نہ آسکی۔ یہی سوچتے سوچتے کوریڈور میں چلے جا رہے تھے کہ ایک گونج سنائی دی...... ''ٹھہرو'' اور دوسرے لمحے خوبصورت فریم کی عینک کے پیچھے سے دو موٹی موٹی آنکھیں ہمیں گھور رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ سر فاروق کے رو برو کھڑے ہیں اور تھوڑی دیر بعد یہ بھی ہمارے علم میں لائی گئی کہ اکیڈمی ''سروں'' سے بھری پڑی ہے۔ ہر سینئر کے نام کے ساتھ یہ خطاب چسپاں ہے اور کاپل، کارپورل کا اچٹتا سا نام ہے۔ حکم ملا کہ ابھی کوارٹر ماسٹر کے ہاں جا کر کٹ ایشو کرا لاؤ۔ ''یس سر'' کہہ کر قدم آگے بڑھ گئے۔ اب تلاش تھی کوارٹر ماسٹر کی۔ ''یہ کوارٹر ماسٹر کیا ہوا بھئی؟'' اول اکیڈمی میں ماسٹر کا وجود ہوتا ہی نہ چاہئے۔ پروفیسر یا کم از کم لیکچرار ہونے چاہئیں اور اگر ہوں بھی تو کوارٹر ماسٹر کیوں، فل ماسٹر کیوں نہ ہوں۔

اس سارے تجزیے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ گیٹ سے کمرے تک پہنچنے کے لئے جن غیر معمولی مراحل سے گزرنا پڑا ہے' ان کی وجہ سے توازن کچھ بگڑ گیا ہے شاید اس لئے سر فاروق کا حکم الٹا سنا گیا۔ انہوں نے کہا ہو گا کہ ماسٹر کے کوارٹر سے جا کر کٹ وغیرہ لے آؤ۔

''ہاں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہوئی ماسٹر کا کوارٹر۔ بھلا کوارٹر ماسٹر کا کیا مطلب ہوا؟...... ایک پاؤ ماسٹر؟'' لیکن یہ ماسٹر صاحب کونسے ہیں اور ان کا کوارٹر کہاں واقع ہے۔ یہ بھی معلوم نہ تھا اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ ایک سینئر قریب سے گزرے۔ ''السلام علیکم سر'' کا نعرہ لگا کر ان سے معذرت کرتے ہوئے پوچھا ''سر! یہ ماسٹر صاحب کا کوارٹر کونسا ہے سر؟''

''وہاٹ......؟'' پوری عمارت ایک دھاڑ سے لرز اٹھی۔ ہم نے سوال دہرایا۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ کون سے ماسٹر صاحب! ہم نے کہا وہ جن کے پاس کٹیں وغیرہ ہوتی ہیں۔ تب انہوں نے ہمیں تو ہینڈز ڈاؤن یعنی ڈنٹر پوزیشن میں جانے کا حکم صادر فرمایا اور خود ہنسی کا گول گپا بن گئے اور ہر آنے جانے والے سینئر کو کو بتانے لگے کہ دیکھو یہ کٹ ایشو کرانے کیلئے ماسٹروں کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔

بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ اپنے حصے کا سبق پڑھا کہ ہماری جان بخشی کر گئے۔ معلوم ہوا کہ فوج کے اس عہدے دار کا انگریزی کی عام لغت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ کوارٹر ہونے کے باوجود ایک بھرپور شخصیت کا مالک ہے۔ راشن وردی وغیرہ کا ٹھیکیدار ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے جغادری اس کے سامنے چلمیں بھرتے ہیں اور ماسٹر ہونے کے باوجود یہ پڑھانے لکھانے کے جھنجھٹ سے آزاد ہے۔

قصہ مختصر کوارٹر ماسٹر کو تلاش کیا اور عرض مدعا کے بعد چاہا کہ کٹ عطا ہو۔ اب جو سٹور 'کھول' ایک فہرست ہمارے ہاتھ میں تھما' انہوں نے ہمیں چیزیں دینی شروع کیں تو انگریزی دانی کا رہا سہا اعتماد رخصت ہوتا نظر آیا۔ کے آئی ٹی کٹ کے معنی وردی کی گردان ہمیں ابھی تک یاد تھی لیکن یہاں تو کمبلوں، چادروں اور تکیوں کی سمجھ میں آنے والی اشیاء سے لے کر بگ پیک، سال پیک، سٹریپ، فیلڈ ڈریسنگ جیسی ناقابل فہم اشیا (یہ نام ہمیں بعد میں معلوم ہوئے) شامل تھیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ الابلا تم اپنے پاس ہی رکھو۔ فی الحال ہمیں ضروری چیزیں دے دو، باقی پھر لیتے رہیں گے۔ اس نے بتایا ''جناب' یہی تو ضروری چیزیں ہیں جس کی ضرورت آپ کو روزانہ پڑتی رہے گی''۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یہ سارا سامان اٹھوائے ہم کمرے میں آگئے۔

ماریہ عنبر رحمٰن شورکوٹ کا (کرنل اشفاق حسین کی کتاب ''جنٹلمین الحمدللہ'' سے انتخاب)

محمد حمزہ — محمد خالد جاوید — ذیشان اقبال — مظہر مقدس — وکی کمار — عامر اقبال — عمر حیات — اللہ دتہ

یہ محفل تو سجی ہی آپ کے لئے ہے

محمد نوید جان میو

مدثر جاوید چیمہ۔ حافظ آباد۔ 1-6-1985 مدثر بھائی میٹرک کے سٹوڈنٹ ہیں پڑھتے صرف دو گھنٹے ہیں باقی کا وقت اچھا ''انسان'' بننے میں صرف کرتے ہیں کیونکہ آجکل کے دور میں انسان بننا ہی بڑی بات ہے تو اچھا انسان بننے کیلئے تو اس سے بھی زیادہ محنت کرنی پڑے گی ناں اور اگر تعلیم پر زیادہ وقت دیں تو اچھا انسان بننے میں بھی مدد ملے گی۔

ایاز حسین زرگر۔ ترنڈہ محمد پناہ۔ 1-6-1984 یہ ICS II ائر کے سٹوڈنٹ ہیں اور آگے چل کر کمپیوٹر ماسٹر بننا چاہتے ہیں ویسے ہم نے ٹیلر ماسٹر، ہیڈ ماسٹر اور سکول ماسٹر تو سنا تھا آج کمپیوٹر ماسٹر بھی سن لیا۔ ویسے ایاز بھائی اگر آپ کمپیوٹر انجینئر بن جائیں تو کیسا رہے گا؟

شاہد اختر شاد۔ ملتان۔ 2-6-1983 کیوں جناب یہ کیا بات کی آپ نے کہ آپکو کسی بیڈ ٹائم سٹوری کا نام ہی یاد نہیں آپ پھول واقعی پڑھتے ہیں ناں! اور ہاں جب تک آپ خود جج بننے کی کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک کام نہیں چلے گا۔

وکی کمار۔ چمن۔ 2-6-1982 انہیں بھی ہماری طرح میوزک سننا پسند ہے اور یہ بھی ہماری طرح آرمی جوائن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ جی ہمارے بلکہ سب کے خوابوں کو پورا کریں۔ وکی کمار بھائی ابھی 9th کلاس کے سٹوڈنٹ ہیں اور آٹھ گھنٹے پڑھتے ہیں۔

ملک آصف علی دل جان۔ کالکی منڈی۔ 3-6-1983 واہ جی واہ آصف بھائی آپ دل اور جان تو بن ہی گئے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ گردے پھیپھڑے پسلیاں وغیرہ کب تک بن پاتے ہیں۔

عمر حیات پرنس۔ جھنگ۔ 3-6-1989 آپ کا نام بھی خوب ہے ''عمر'' کا مطلب بھی زندگی اور ''حیات'' کا مطلب بھی زندگی بہرحال عمر حیات یعنی زندہ زندگی بھائی نے مجاہد بننا ہے تو ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ مجاہد بن کر نہ صرف دشمنوں کے دانت کھٹے کرو گے بلکہ ان کے دانتوں کو توڑ ڈالیں گے تاکہ سیاپا ہی ختم ہو۔

محمد فضل باغ۔ بچیکی۔ 4-6-1990 انہیں بیڈ ٹائم سٹوریز میں سے ''آ لنے سے گری'' ''بابیہ'' اور ''آ پانگو'' بہت پسند آئیں اب یہ پتا نہیں کہ ان کہانیوں کو پڑھ کر ان کی زندگی میں بھی کچھ تبدیلی آئی یا نہیں۔ یہ ہشتم کے طالب علم ہیں اور پائلٹ بننا چاہتے ہیں۔

محمد اعجاز خان۔ بورے والا۔ 4-6-1983 وقار یونس کے شہر سے تعلق رکھنے والے یہ بھائی بی اے کے طالب علم ہیں اور مستقبل میں استاد بننا چاہتے ہیں ویسے اگر آپ بی اے کے بعد بی ایڈ کر لیں تو آپ کو جاب آسانی سے مل جائے گی۔

عامر اقبال۔ حافظ آباد۔ 5-6-1984 انہوں نے ڈاکٹر بننا ہے اور دن میں چھ گھنٹے پڑھتے بھی ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ تکیوں کو انجکشن لگا کر پریکٹس ابھی سے شروع کر دیں کیا خیال ہے جناب!

مظہر مقدس ٹوری۔ ننکانہ صاحب۔ 5-6-1985 ان کا کہنا ہے کہ پھول ہر طالب علم کی ضرورت ہے یقیناً یہ اپنے طالب علم ساتھیوں کی اس ضرورت کا خیال بھی بخوبی رکھتے ہوں گے (عقلمندوں کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے)

محمد اکرام شہزاد۔ پاک پتن شریف۔ 6-6-1982 ویسے اب تک آپ کو میٹرک کر لینا چاہئے تھا کیونکہ آپ کی مونچھیں ماشاءاللہ کافی بڑی ہو گئی ہیں اور اگر آپ بزنس مین بننا چاہتے ہیں تو اس کیلئے بھی تو پڑھائی ضروری ہے۔

حافظ زاہد نواز وٹو۔ منچن آباد۔ 6-6-1985 یہ D.com پارٹ ون کے سٹوڈنٹ ہیں اور مستقبل میں سیدھے سیدھے بینک منیجر بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ بھئی خوابوں پر پابندی تو نہیں ناں اور ضروری نہیں کہ خواب' خواب ہی رہے حقیقت ہمیشہ خواب کے قریب ہی کہیں موجود ہوتی ہے بس کھوجنا پڑتا ہے۔

نسرین فاطمہ۔ دنیاپور۔ 6 جون نسرین آپی نے صحافی بننا ہے اور ان کو بلیک اینڈ وائٹ پھول اچھا نہیں لگتا تو بھئی آپ ذرا تخلیق کا رنگ آزمائیں۔ رنگین عینک پہن کر پھول پڑھا کریں اور ہاں دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کیلئے دعائیں بہت کام آتی ہیں خصوصاً ماں باپ کی دعائیں لیا کریں۔

سدرہ رشید۔ میلسی۔ 8 جون انہوں نے پاکستان میں ڈاکٹروں کی کمی کو پورا کرنا ہے ویسے پاکستان میں ڈاکٹروں کی کمی نہیں ہے ہاں البتہ اچھے ڈاکٹر بہت کم ہیں اور اگر آپ چاہیں تو مادر ملت فاطمہ جناح کی طرح ڈینٹل سرجن بن سکتی ہیں۔

محمد افضل۔ میلسی۔ 8-6-1986 افضل بھائی نے پائلٹ بننا ہے ویسے اگر آپ PAF پاک ائرفورس جوائن کرنا چاہتے ہو تو FSc میں 60% سے اوپر نمبر لینا ہوں گے جو اتنا مشکل کام بالکل نہیں ہے اور ساتھ میں جسمانی فٹنس بھی ضروری ہے۔

کامران رفیق۔ غریب آباد۔ 8-6-1986 انہوں نے بقول ان کے ''استاد ٹیچر'' بننا ہے یعنی استادوں کا استاد بننا چاہتے ہیں اور ان کو پھول ان کے دوست سے تحفہ میں ملا اب یہ پتا نہیں کہ انہوں نے دوست کا شکریہ ادا کیا یا نہیں۔

نازیہ لطیف۔ گوجرانوالہ۔ 10 جون یہ قوم کے معماروں میں نام لکھوانے کا ارادہ رکھتی ہیں مطلب یہ کہ پروفیسر نہیں تو ٹیچر تو ضرور بن جائیں گی اور جب مستقبل کے معماروں سے پوچھا کہ خود کتنا پڑھتی ہیں تو جواب آیا کہ ''یہ مت پوچھیں'' یہ تو وہی بات ہوئی کہ ''کچھ نہ بولے پر داستاں سنا گئے''

غلام محمد — محمد اعجاز خان — محمد افضل — کامران — سید غلام زکریا — بشیر حسین — مدثر جاوید — سلیم حسن

زین العابدین — محمد فرقان اشرف — حافظ قیصر شاہ — شاہد اختر شاد — عرفان قمر — عمران حبیب — احمد نواز — نور احمد طاہر

زین العابدین ساغر۔ بصیر پور۔ 1988-6-10 یہ بڑے ہو کر فوج میں بھی جانا چاہتے ہیں اور ماں باپ کی خدمت بھی کرنا چاہتے ہیں تو بھائی اتنے بڑے تو آپ ہو گئے ہو کہ ماں باپ کی خدمت کر سکو اور اگر والدین اجازت دیں تو پھر فوج میں بھی چلے جانا۔

علیزہ فاطمہ۔ میلسی۔ 1997-6-10 یہ چھوٹی سی ساتھی ڈاکٹر بنا چاہتی ہیں ابھی تو یہ نرسری میں پڑھتی ہیں بڑے ہو کر ممکن ہے کہ اپنا فیصلہ تبدیل کر لیں۔

عمران حبیب سلطان بھٹہ لودھراں۔ 1986-6-11 یہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیاستدان بنا چاہتے ہیں ویسے کبھی کبھی میں جاگتے میں خواب دیکھتا ہوں کہ ایک راہنما ایسا آیا ہے جس نے پاکستان کی تقدیر سنوار دی ہے خدا کرے کہ اس خواب کی تعبیر بھی میں دیکھ سکوں۔

غلام محمد۔ میلسی۔ 1991-6-11 بھائی جی! ڈاکٹر بنا کوئی آسان کام نہیں ہے کہہ دینے سے کوئی ڈاکٹر نہیں بن جاتا محنت کرنا پڑتی ہے گھر آ کر بھی پڑھائی کو ٹائم دیا کرو ورنہ دیکھتے رہ جاؤ گے۔ کیا سمجھے۔

وقاص احمد۔ لاہور۔ 1988-6-12 وقاص بھائی مانا کہ میری مونچھیں آ گئی ہیں لیکن اب اتنی بڑی بھی نہیں ہیں کہ آپ مجھے انکل کہنے لگو ہاں بھائی جان ٹھیک ہے۔ شکر کرو کہ میٹرک کر لیا ہے ورنہ کئی لوگ ہوتے ہیں جو باقی سارے کام کر لیتے ہیں بس میٹرک نہیں کر پاتے۔

شاہد اقبال۔ بھائی پھیرو۔ 1986-6-12 انہیں ہاکی کھیلنے کا بہت شوق ہے ویسے اگر سچ پوچھیں تو مجھے اس بات کی سمجھ آج تک نہیں آئی کہ ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے لیکن قوم کو اس کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ شاہد نہم کے سٹوڈنٹ ہیں۔

فتح محمد۔ لاہور۔ 1968-6-12 فتح محمد بھائی پھول ٹیم کے ایک اچھے ساتھی رہ چکے ہیں۔ آجکل نہ جانے کہاں غائب ہیں۔ MCS کے سٹوڈنٹ ہیں اور مستقبل میں آئی ٹی پروفیشنل بنا چاہتے ہیں۔

ذیشان اقبال۔ فیصل آباد۔ 1986-6-12 شکر ہے کہ کسی کو سائنسدان بننے کا خیال آیا ذیشان بھائی آپ اگر واقعی سائنس دان بنا چاہتے ہیں تو اپنا مشاہدہ اور مطالعہ وسیع کیجئے اور کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟ جیسے سوالات ہمیشہ سوچتے رہا کریں۔ اللہ جی آپ کو کامیاب کریں۔ آمین!

آپ ذرا تخلیق کا رنگ آزمائیں۔ رنگین عینک پہن کر پھول پڑھا کریں

ان کو پھول ان کے دوست سے تحفہ میں ملا اب یہ پتا نہیں کہ انہوں نے دوست کا شکریہ ادا کیا یا نہیں

میں جاگتے میں خواب دیکھتا ہوں کہ ایک راہنما ایسا آیا ہے جس نے پاکستان کی تقدیر سنوار دی ہے

نور احمد طاہر۔ منچن آباد۔ 1985-6-12 یہ D. com کے سٹوڈنٹ ہیں اور اکاؤنٹ آفیسر بنا چاہتے ہیں ابھی پچھلے دنوں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی کہنے لگے۔ B.com کرتے ہیں ساتھ میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ماشااللہ بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔

سید غلام زکریا۔ چشتیاں۔ 87-6-13 انہوں نے پھول وقت گزاری کیلئے خریدا اور پھر پھول کے ہی ہو کر رہ گئے۔ پائلٹ آفیسر بننے کیلئے دن میں پڑھائی کو ایک گھنٹہ دیتے ہیں ہاں البتہ رات میں اڑھائی گھنٹے پڑھتے ہیں۔

عدنان طفیل۔ گوجرانوالہ۔ 91-6-13 یہ ماہنامہ پھول سے سکول میں متعارف ہوئے اور پھول نے ان کی زندگی پر اچھے اثرات مرتب کئے ہیں مزہ تو تب ہے ناں کہ جب آپ ان سے اثر لیتے ہوئے ایک اچھے انسان بن جاؤ۔

محمد آصف بہاولپور۔ 91-6-14 ان کے مشاغل میں کرکٹ کھیلنا شامل ہے ویسے پاکستانی قوم جتنا سر آنکھوں پر کرکٹرز کو بٹھاتی ہے تو اس کے نتیجے میں ہر گلی میں کوئی نہ کوئی بچہ تو ضرور کرکٹر بننے کے خواب دیکھے گا۔

عائشہ انیس۔ لاہور۔ 14 جون عائشہ آپی پھول ٹیم کی بہت اچھی ساتھی ہیں۔ اچھا سوچتی ہی نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرتی ہیں۔ "ایم بی بی ایس" کر کے اب خیر سے ڈاکٹر بن گئی ہیں۔ اور ان کے اس مقام پر پہنچنے میں جتنی محنت ان کی ہے اتنی ہی ان کی والدہ کی بھی ہے۔

محمد عاصم انصاری۔ لیاقت پور۔ 85-6-15 عاصم بھائی ابھی فرسٹ ائر کے سٹوڈنٹ ہیں اور انہوں نے مستقبل میں لیکچرار بننے کی ٹھان رکھی ہے اگر آپ یہ بھی ابھی سے سوچ لیں کہ کونسے مضمون کا لیکچرار بنیں گے تو یقیناً آسانی رہے گی آپ کیلئے بھی اور آپ کے سٹوڈنٹس کیلئے بھی۔

حافظ عنایت اللہ۔ حافظ آباد۔ 84-6-15 انہوں نے پائلٹ بننے کا ارادہ کر رکھا ہے ہماری دعا ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

شبیر حسین۔ منچن آباد۔ 76-6-15 انہوں نے اپنی کلاس فسٹ ائر بتائی ہے لیکن کلاس لیول نہیں بتایا ویسے اگر عمر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ کو ایم اے کے فسٹ ائر میں ہونا چاہئے بہرحال یہ ٹیچر بنا چاہتے ہیں۔

سید رمیض بخاری — حافظ عنایت اللہ — اکرام شہزاد — محمود الرحمٰن — حافظ زاہد نواز ڈوٹو — قاضی شہزاد علی خرم — محمد آصف — شاہد اقبال

سدرہ رشید — عائشہ انیس — محمد فضل — آصف علی — منج محمد — محمد وقاص اشرف — عاصم انصاری — ذیشان زاہد

سعدیہ فدا۔ گھوٹکی۔ سندھ۔ 15 جونآپی جی اگر آپ نے تین گھنٹے پڑھ کر انجینئر بننا ہے تو آپ یہ نسخہ انہیں بھی بتائیں جو بیچارے انجینئر بننے کیلئے 16 گھنٹے روزانہ پڑھتے ہیں۔

محمد خالد جاوید۔ جہانیاں۔ 15-6-85 ان کے دوست نے ان کو پھول کے بارے میں بتایا اب یہ پتا نہیں کہ انہوں نے اپنے اس دوست کو شکریہ بھی کہا کہ نہیں کیونکہ سیانے کا کہنا ہے کہ کسی کا شکریہ ادا کرنا بھی نیکی ہے۔

عاصم ربانی ڈوگر۔ بورے والا۔ 16-6-82 ان کے مشاغل میں مطالعہ، بیڈمنٹن کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ کا استعمال بھی شامل ہے امید ہے کہ انٹرنیٹ کو مثبت انداز سے ہی استعمال کرتے ہوں گے۔ ورنہ آنکھیں بند کرنے، قدم بہکنے اور کسی کا اعتماد توڑتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

صائمہ غفار۔ بھائی پھیرو۔ 16 جون انہوں نے ڈاکٹر بننا ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں ناں کہ کونسا والا ڈاکٹر بننا ہے۔ ایک ڈاکٹر جسمانی امراض کے ہوتے ہیں اور دوسرے فلسفے کے جنہیں معاشرے کا ڈاکٹر کہنا زیادہ مناسب لگے گا۔

محمد فرقان اشرف۔ لاہور۔ 17-6-97 یہ چھوٹے سے پھول ساتھی پائلٹ بننا چاہتے ہیں ویسے اگر سچ پوچھیں تو اس عمر میں ہم بھی پائلٹ بننے کا خواب دیکھا کرتے تھے لیکن ہم دعا کرتے ہیں کہ فرقان کا یہ خواب ضرور پورا ہو (آمین)

یحیٰ یوسف۔ بھکر۔ 19 جون آپی جب اگر آپ کا ارادہ کمپیوٹر سائنس میں مہارت حاصل کرنے کا ہے تو آپ کو چاہیے تھا کہ آپ ICS کرنے کے بعد BCS اور پھر MCS کرتیں جبکہ آپ پہلے بی اے کی طالبہ ہیں تو ایسے تو کچھ گڑبڑ ہو جائے گی۔

صفیہ کنول شمس۔ لاہور۔ 20 جون ان کے مشاغل میں اچھی اور معلوماتی کتابوں کا مطالعہ کرنا شامل ہے لہٰذا یہ عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن مجید بھی ترجمے کے ساتھ پڑھتی ہیں اس کے علاوہ شاعری کرنے کا شوق رکھتی ہیں ممکن ہے کہ پڑھنے کا ذوق بھی رکھتی ہوں گی۔

تنظیم اختر۔ کالیکی منڈی۔ 20-6-84 نام تو آپ کا بڑا منظم مگر سوچ اور عمل میں نظم پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ آپ FSC پارٹ ٹو کے سٹوڈنٹ ہیں اور ابھی تک سوچا ہی نہیں کہ سفر کا اختتام کس منزل پر ہو گا بھائی میرے نامعلوم منزل کے راہی کا مقدر اندھیرا ہی ہوتا ہے۔

نعیمہ نورین۔ نارووال۔ 21 جون ان کو ٹیچر بننے کا شوق تھا لیکن اب قاریہ یعنی معلمہ بننا چاہتی ہیں ممکن ہے کہ حافظہ بھی بن جائیں لیکن ان کو اس بات کی سمجھ شاید ہی آ پائے کہ ایک معلمہ اور ایک ٹیچر میں کیا فرق ہوتا ہے۔

سلیم حسن۔ مچین آباد۔ 22-6-90 یہ بھی بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتے ہیں تو آپ اڑتے ہوئے جہازوں کو دیکھ کر دعا مانگا کریں اللہ جی آپ کا مقصد ضرور پورا کرے گا۔

قاضی شہزاد علی خرم۔ مظفر گڑھ۔ 22-6-70 یہ سیاست دان بننے کا عزم کئے بیٹھے ہیں اور ان کے جوابات پڑھ کر مجھے محسوس ہوا ہے کہ یہ ایک اچھے اور راست گو سیاست دان بن سکتے ہیں۔ یہ اللہ جی

فائزہ بی بی — نمرہ ملک — سعدیہ فدا — علیزہ فاطمہ

کے احکامات کو بہت اہمیت دیتے ہیں امید ہے کہ ان احکامات پر عمل پیرا بھی ہوں گے۔

حافظ محمد قیصر شاہ۔ لاہور۔ 24-6-1885 بھئی مجھ کو تو یقین نہیں آ رہا کہ آپ 1885ء میں پیدا ہوئے ہونگے لیکن جب آپ نے ممبر شپ فارم پر یہی تاریخ پیدائش لکھی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں آپ کو جھٹلانے والے ابھی تو آپ FSC کے فرسٹ ائر میں ہو تب یہ حال ہے۔

محمد وقاص اشرف۔ بھائی پھیرو۔ 25-6-87 بھئی یہ تو سنا تھا کہ لڑکیاں گھریلو کھیلیں کھیلتی ہیں مثلاً شٹاپو، لکن میٹی، گڑیا کی شادی وغیرہ لیکن آپ لڑکے ہو کر کونسی گھریلو کھیلیں کھیلتے ہو کم از کم خط لکھ کر مجھ کو ضرور بتا دینا۔

احمد نواز۔ میلسی۔ 26-6-89 ان کا کہنا ہے کہ پھول ایک اچھا، معیاری اور معلوماتی رسالہ ہے تو بھائی یہ باتیں تو سب کو پتا ہیں آپ کوئی نئی بات بتاؤ تو ہم مانیں۔

ذیشان زاہد۔ چشتیاں۔ 26-6-81 انہوں نے آرمی آفیسر بننا ہے اور یہ ان کیلئے کوئی اتنا مشکل بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے والد بھی آرمی آفیسر ہیں۔ بی ایس سی کے طالب علم ہیں اور دن میں تقریباً چھ گھنٹے پڑھتے بھی ہیں۔

فلزہ بی بی۔ میلسی۔ 26-6-1996 ابھی یہ اول جماعت کی طالبہ ہیں لیکن یہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بننا چاہیں گی تاکہ غریبوں کا علاج مفت کر سکیں اور ان کی دعائیں لے سکیں۔ کیوں فلزہ میں نے صحیح کہا ناں۔

نمرہ ملک۔ لاہور۔ 26 جون انہوں نے بڑے ہو کر ٹیچر بننا ہے ان کی زندگی میں سب سے زیادہ ویلیو والدین اور اساتذہ کے احترام کی ہے کسی سیانے کا کہنا ہے کہ اگر عزت کروانا چاہتے ہو تو دوسروں کی عزت کرنا شروع کر دو۔

فوزیہ لیاقت۔ نارنگ منڈی۔ 27 جون یہ مستقبل میں انجینئر بننے کا ارادہ رکھتی ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اپنے ارادے کے کھولتے ہوئے پانی میں کب دودھ اور پتی شامل کرتی ہیں اور کب ارادے کی چائے کی پیالی میں طوفان آتا ہے۔

غضنفر علی۔ لاہور۔ 27-6-80 جی ہاں یہ وہی غضنفر بھائی ہیں جو پھول کوئز کی دنیا کے انچارج ہوا کرتے تھے۔ آجکل MBE کرنے کے بعد نہ جانے کہاں مصروف ہیں۔ بہت محبت کرنے والے انسان ہیں چونکہ غضنفر بھائی شاعر بھی ہیں اس لئے محبتوں پر کچھ زیادہ ہی زور رہتا ہے۔

محمد حمزہ۔ لاہور۔ 28-6-1986 حمزہ بھائی انجینئرنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بہت محنت کرنا پڑتی ہے جبکہ آپ صرف تین گھنٹے پڑھتے ہو ابھی سے محنت کی عادت ڈال لو گے تو آسانی رہے گی۔ یہ بھی سوچ لیجئے گا کہ انجینئرنگ کی کونسی فیلڈ میں جانا ہے۔

حمودالرحمن۔ چشتیاں۔ 30-6-86

آخری اطلاعات آنے تک ان کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا تھا آگے خدا جانے کیونکہ کچھ عرصہ پہلے تک یہ حضرت انجینئر بننا چاہتے تھے بہرحال پھول 1992 سے پڑھ رہے ہیں لیکن آج تک خط لکھ کر بتایا نہیں کہ زندگی میں کیا تبدیلی آئی۔

سید رمیض بخاری۔ مظفر گڑھ۔ 30-6-82 رمیض بھائی ایک اچھا انسان بننے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ مولانا حالی فرماتے ہیں کہ

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

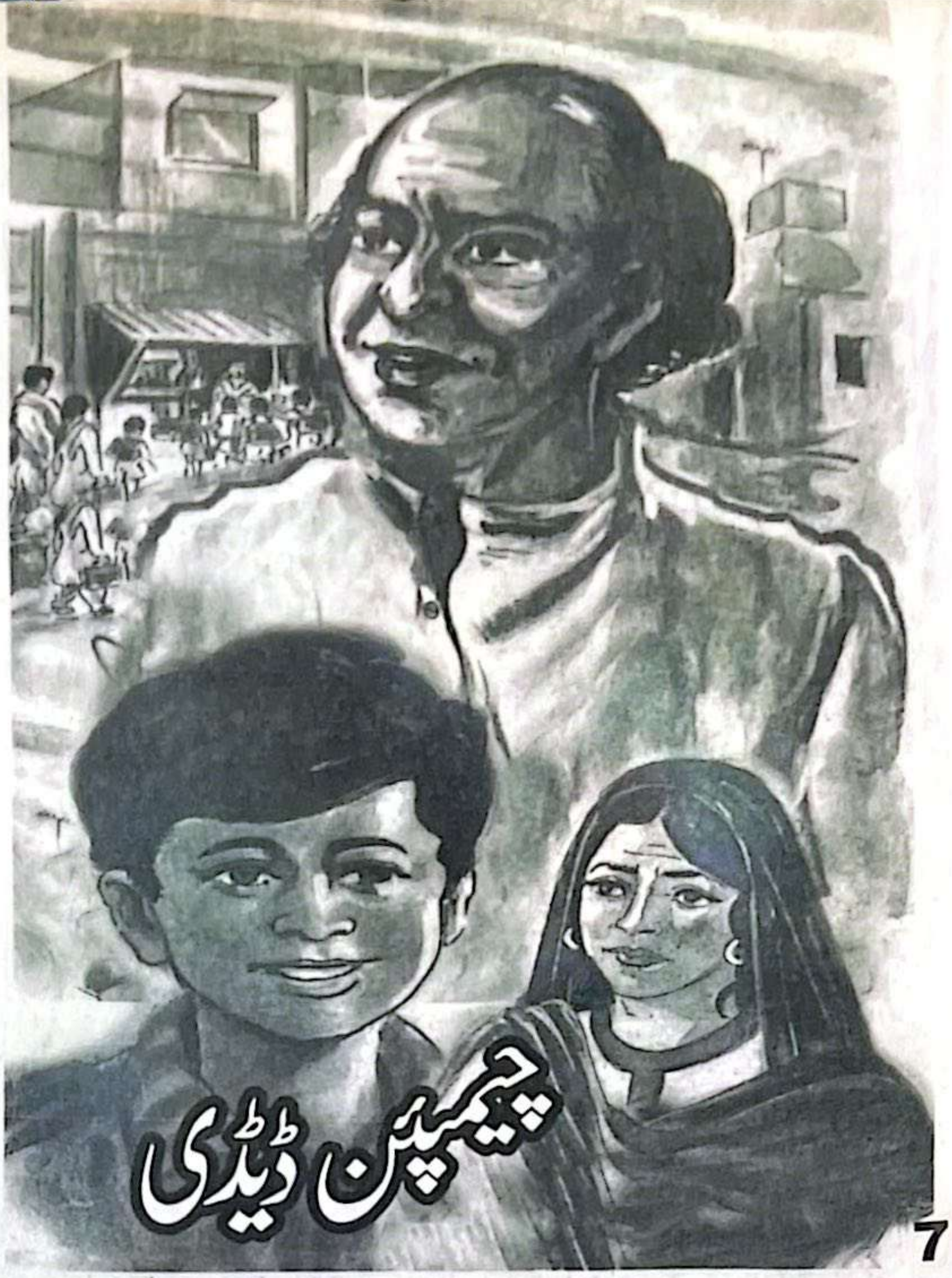

ایک ماہر وکیل کی داستان۔ ایک روز اس کے بیٹے نے اسی کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا

صائمہ اکرم چودھری۔ صادق آباد

''ڈیڈی کیا بش کو نہیں پتہ کہ تیل کی پائپ لائن اور انسانوں کی شہ رگ میں ایک بنیادی فرق ہے کہ تیل کی پائپ لائن میں نبض نہیں ہوتی...... '' بلیو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے سلیقے سے بال بنائے آج پھر وہ میرے آفس تھا۔ میں جو تازہ ترین کیس کی جزئیات میں الجھا ہوا تھا ایک دم چونک گیا۔

''کیوں بھئی جگنو آج کیا مسئلہ ہے......؟'' میں نے ہاتھ میں پکڑا قلم اور ٹیبل پر کھلی فائل کو بند کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ جگنو کی موجودگی میں دوسرا کوئی کام ممکن نہیں...... لیکن ذرا ٹھہریئے پہلے میں اپنا تعارف کروادوں......

میرا نام ایڈووکیٹ ''ابوبکر گیلانی'' ہے۔ میرا شمار ہائی کورٹس کے ان سینئر وکلاء میں ہوتا ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مردہ کیسز میں بھی جان ڈالنے میں ماہر ہیں۔ میرے کریڈٹ پر کامیاب کیسز کی ایک طویل فہرست ہے جس بنا پر میرا اکلوتا بیٹا مجھے ''چیمپئن ڈیڈی'' کہتا ہے۔ میرے بارے میں عام تاثر ہے کہ میری خاموشی بھی بہت سارے لوگوں کے دلائل پر بھاری ہے میں اپنے لفظوں کے طلسم میں لوگوں کو اس طرح جکڑتا ہوں کہ وہ باہر جانے کے سارے رستے بھول جاتے ہیں۔

جبکہ ''جگنو'' میرا پندرہ سالہ بیٹا شاذل ہے جسے پیار سے ہم دونوں میاں بیوی ''جگنو'' کہتے ہیں۔ شاذل ماشاء اللہ ہے کونفیڈنٹ...... ذہین و فطین بحث و مباحثے کا شوقین

شاندار تعلیمی بیک گراؤنڈ کرکٹ کا بہترین کھلاڑی

اور سب سے بڑھ کر میرا سب سے پیارا ''دوست''......

جی ہاں آپ کو حیرت ہو رہی ہے ناں دنیا میں میرا سب سے پیارا اور عزیز ترین دوست میرا پندرہ سالہ بیٹا شاذل ہے میری روزانہ کی روٹین میں صبح اسے سکول چھوڑ کر آفس جانا' دوپہر میں اکٹھے کھانا کھانا' شام کو کلب میں سوئمنگ کرنا اور رات کو میں اسے خود پڑھاتا ہوں اسلئے کہ وہ میرا خوبصورت مستقبل ہے......

''ہاں جنٹل مین کیا کہہ رہے ہو کہ بش کو کیا نہیں پتہ......؟'' ''یار ڈیڈی لڑائی میں پہلی گولی سچائی کے سینے میں کیوں لگتی ہے......؟'' وہ پہلا سوال بھول کر اب نئی فکر میں تھا۔ میں نے سامنے کھڑے جگنو کو دیکھا جس کے چہرے پر بہت نرم اور چاند جیسی مہربان روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت پریشانی صاف اس کے چہرے سے عیاں تھی اور جب وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہوتا تو بار بار اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو لاپرواظاہر کرنے کی کوشش کرتا تو مجھے اس کی یہ معصوم ادا بہت بھاتی تھی۔

میرا خیال ہے کہ میرے برخوردار یقیناً ''جیو چینل'' پر عراق کی تازہ ترین صورتحال دیکھ کر آرہے ہوں گے۔ میں ایک لمحے میں معاملے کی تہہ میں پہنچ گیا جبکہ میرے چہرے کا سکون اور ہلکی سی شرارت میں ڈوبا لہجہ اسے تپانے کو کافی تھا۔ ''چیمپئن ڈیڈی میں سیریس ہوں......'' اس نے احتجاج کیا۔

''یار یہ تمہارے بش انکل عراقی تیل پر قابض ہو کر دنیا کو اپنے اقتدار سے مضبوط کرنا چاہتا ہے اور پوری دنیا کا خدا بننا چاہتا ہے اور اس جنون میں ان کے نزدیک تمام حربے جائز ہیں'' ''پلیز ڈیڈی اسے میرا انکل مت کہیں...... انسانیت کا قاتل اور فرعون صفت شخص کا کسی کے ساتھ بھی کوئی رشتہ بڑھائے پھر ایک لمحہ کو رکا...... واپس پلٹا اور تیزی سے میرے ماتھے پر اپنے پیار کی مہر ثبت کرکے رکا نہیں جبکہ میں اس کے انداز پر اندر تک سرشار ہو گیا۔

جگنو پچھلے چند دنوں سے کچھ بے چین اور اکتایا ہوا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بری طرح چڑ جاتا ہے حالانکہ وہ کبھی بھی شارٹ ٹیمپر نہیں رہا اور پھر ہفتے سے اس کا زیادہ ٹائم بھی ٹی وی کے آگے گزرتا ہے'' جگنو کی ماما نے اس کی تازہ ترین مصروفیات سے مجھے آگاہ کیا تو یہ بات میرے لئے کسی تشویش سے کم نہ تھی۔

''اس کا صاف حل یہ ہے کہ کیبل والوں سے کہہ کر اپنے گھر میں ''جیو'' اور دوسرے نیوز کے چینل بند کروادو اور صرف تفریحی چینل رہنے دینا۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کل عراق کی تازہ صورتحال اس کی پریشانی کی اصل وجہ ہے اور میرے نزدیک فی الحال اس کا بہترین حل یہی ہے۔''

''لیکن یہ کوئی مستقل حل تو نہیں......'' جگنو کی ماما نے جواب دیا۔ ''میرے خیال میں تو اتنا نامناسب بھی نہیں اس کا زیادہ وقت گھر میں گزرتا ہے۔ فرینڈشپ اس کی باہر کوئی خاص نہیں چونکہ ذرا حساس بچہ ہے بس چند دنوں تک بھول بھال جائے گا'' میں اپنے اس اقدام پر مکمل مطمئن تھا۔ ''صبح جوگنگ ٹریک پر میرے ساتھ دوڑتے ہوئے وہ بالکل خاموش تھا ناشتے کی ٹیبل پر بھی اس نے خاص کوئی نکتہ نہیں اٹھایا تھا گھر سے سکول کے درمیانی عرصے میں اس نے میرے تازہ ترین کیس کی ڈسکشن میں بھی کوئی خاص حصہ نہیں لیا تھا اور سب سے بڑی بات سکول گیٹ پر اپنا بیگ اٹھا کر وہ آج مجھ سے پیار کروانا بھی بھول گیا تھا۔ ''جگنو......'' اسے ڈھیلے قدموں سے اندر جاتے دیکھ کر میں نے پکارا۔

''جی ڈیڈی'' ...... وہ مڑا۔ ''ادھر آئیں میرے پاس'' میں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر اداسی کے سائے نمایاں تھے۔ ہر وقت مسکراتے ہونٹ سختی سے بند جبکہ آنکھوں کی روشنی زیرو واٹ کے بلب کی طرح تھی۔ میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرایا۔ ''چیمپئن ڈیڈی آپ کا ریکارڈ ہے کہ آج تک آپ نے کوئی مقدمہ نہیں ہارا اسلئے میں آپ کو چیمپئن ڈیڈی کہتا ہوں لیکن مجھے صرف

یہ بتائیں کہ کیا اگر کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لے تو خطرہ ٹل جاتا ہے ..... ؟ جگنو نے عام سے لہجے میں بڑی گہری بات کہی تھی مجھے یوں لگا کہ جیسے اس نے چینل بند کروانے پر مجھے ان ڈائریکٹ جتایا ہو اب اس کی خاموشی کے سارے راز مجھ پر کھل گئے تھے۔ ایک دم سے میرے اندر غصے کے نحز جل اٹھے۔

''شاذل گیلانی آپ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ آپ رف اپنی تعلیم پر توجہ دیں باقی تمام چیزیں ثانوی ہیں۔ اس رح جلنے اور کڑھنے سے حالات تبدیل نہیں ہو جائیں گے در..... آئندہ آپ اس قسم کے لہجے میں مجھ سے بات نہیں کریں گے۔ میں نہ جانے کیوں تپ گیا تھا حالانکہ وہ میرا بیٹا ہی نہیں دوست بھی تھا اپنی ہر بات اور ہر سوچ میرے ساتھ شیئر کرنے والا ..... میں اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں اور گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا جبکہ اس کے چہرے پر پھیلے بے یقینی دکھ اور حیرت کے رنگ بار بار میری چلتی گاڑی کے آگے سپیڈ بریکر بن کر مجھے روکتے رہے کہ میں گاڑی واپس موڑ لوں اور جا کر کہوں.....

''جگنو..... میں تو تمہارا چیمپین ڈیڈی یار ہوں..... سوری یار'' لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میں گاڑی چاہتے ہوئے بھی واپس نہ موڑ سکا اور چھٹی ہونے پر بھی میں نے دانستہ ڈرائیور کو بھجوا دیا اسے پک کرنے کو..... آج زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا سامنا کرنے میں اتنی جھجک محسوس ہوئی کہ میرا دل گھر واپسی پر گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ میں گھر آ کر کمرے میں ہی بند رہا ماحول میں ایک دم سے سنجیدگی طاری ہو گئی۔ شام کو ڈرتے ڈرتے میں نے کمرے سے باہر قدم رکھا اور پوری امید تھی کہ زبردست ناراضگی اور خفگی کا سامنا ہو گا۔ ٹی وی لاؤنج میں کارپٹ پر نیم دراز جگنو ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول پکڑے ٹی وی دیکھنے میں محو تھا اس کے چہرے پر سنجیدگی کے گہرے سائے تھے مجھے آتے دیکھ کر اس نے تیزی سے چینل تبدیل کیا جہاں اب کوئی نہیں ہوتا یہ جدید دنیا کے چنگیز خان اور ہلاکو خان ہیں..... '' جگنو بری طرح تپ گیا تھا۔ ''بیٹا زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں آرام سے جا کر سو جائیں۔ میرے ذہن میں اس کیس کی کڑیاں گھوم رہی تھیں جس پر آج کل میں کام کر رہا تھا۔''

''ڈیڈی آپ کا قصور نہیں جس شعبے میں آپ ہیں وہاں انسانی حقوق کی پامالی اور ناانصافی کی اتنی شکلیں دن رات نظر آتی ہیں کہ آپ بھی بے بس ہوتے جا رہے ہیں.....'' وہ عجیب انداز میں مسکرایا اور اگلے ہی لمحے غصے سے کمرے سے واک آؤٹ کر گیا.....

''میں اس کے انداز پر ایک دم ہکا بکا رہ گیا وہ بہت کم اس طرح ری ایکٹ کرتا تھا اور بہت ٹھنڈے مزاج کا حامل تھا۔ میں نے اور اس کی ماما نے اس کی تربیت میں بہت ساری چیزوں کو مدنظر رکھا تھا..... میں نے تھک کر کرسی کی پشت پر ٹیک لگائی تو سامنے دیوار پر لگے پوسٹر پر لکھے الفاظ ''BE HAPPY'' پر میری نظر پڑی جو کہ جگنو کی خصوصی فرمائش پر میں نے اپنے سٹڈی روم میں لگایا تھا۔ ٹیبل پر پڑی خوبصورت فریم میں لگی جگنو کی تصویر جس پر بے ساختہ قہقہہ لگاتے ہوئے پوز کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کر لیا تھا۔ اسے غور سے دیکھا وہ شاید ٹھیک کہہ رہا تھا۔ جذباتیت اور حساس پن سب جذبے میرے لئے بے کار تھے شاید اسلئے کہ میرے شعبے میں لوٹ کھسوٹ بدعنوانی اور کمزور طبقے کا استحصال کا ہر روز نت نیا منظر سامنے آتا تھا..... میں تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر اس فائل کی طرف متوجہ ہو گیا جو میرے سامنے میز پر دھری تھی اور مجھے کل عدالت میں دھواں دھار دلائل دینے تھے۔ کافی دن سخت مصروفیت کے بعد مجھے ہوش آیا کہ میری روٹین لائف خاصی ڈسٹرب ہو چکی ہے۔ کافی دن سے جگنو کو چاہتے ہوئے بھی ٹائم نہ دے سکا لیکن خدا کا شکر ہے کہ میری وائف شاہینہ ایسے حالات میں بھرپور ساتھ دیتی ہے۔ میں نے تھک کر آنکھیں بند کیں تو شاذل کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اس کا مسکرانا اپنائیت سے فرمائش کرنا اور بہت کچھ یاد آنے لگا تو میں فوراً کمرے سے باہر ٹیرس پر آ گیا..... شام پوری خوبصورتی کے ساتھ وسیع لان میں اتری ہوئی تھی اور چمپا کے درختوں کے قریب بچھائی گئی ٹیبل کے گرد وہ اپنی ماما کے ساتھ شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا میں نے ٹیرس سے جھانک کر اس میٹنگ کا سبب جاننا چاہا۔

''بڑے زبردست فرنچ فرائز بنائے ہیں آپ بھی آ جائیں'' جگنو کی ماما نے اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

''ابھی آتا ہوں.....'' میں فوراً ٹیرس سے واپس اندر مڑ گیا۔ ''او کے ماما میں اب چلتا ہوں۔ کلب میں جنید میرا انتظار کر رہا ہو گا..... ''میری لان میں آمد پر وہ فوراً جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا اس کی مسکراتی آنکھوں کی چمک ماند تھی۔ اب مجھے احساس ہوا کہ وہ کافی دنوں سے روٹھا روٹھا سا نظر آتا تھا گھر میں ہوتے ہوئے بھی الگ تھلگ.....

''جگنو یار کدھر کے ارادے ہیں.....'' میں نے بغور جائزہ لیا۔ ''والدہ چیمپین ڈیڈی سے کہہ دیں کہ میں کلب جا رہا ہوں سوئمنگ کرنے جنید کے ساتھ.....'' اس کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا وہ میرے اوپر گیا تھا۔ ہر بات بلا جھجک کہہ دینے والا..... اس کے پراعتماد سٹائل پر بے ساختہ میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''یار تھوڑا سا ٹائم مل جائے گا.....'' میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے شرارت سے جھک کر پوچھا۔

''سوری سر آپ میری والدہ سے بات کریں جس طرح پچھلے ایک ہفتے سے میں کر رہا ہوں'' اس نے میرے پچھلے ایک ہفتے کی مصروفیات کو جتایا۔

''بری بات بیٹا کیا بے کار کی بحث شروع کر دی ہے۔ آپ تو بہت کمپرومائزنگ ہو اور یہ تو پچھلے کئی سالوں کی روٹین ہے کہ تمہارے ڈیڈی کسی اہم کیس میں مصروف ہو کر سب کچھ بھلا بیٹھتے ہیں'' جگنو کی ماما نے امن کا پرچم لہرانے میں پہل کی۔ ''ٹھیک ہے رات کو کھانے پر مذاکرات ہوں گے پھر ہم سوچیں گے کہ ہم اپنی خارجہ پالیسی میں کس قسم کی تبدیلی کر کے آپ کے ساتھ تعلقات بہتر کر سکتے ہیں'' جگنو نے شاہانہ انداز میں اپنی بات مکمل کی اور مسکراتے ہوئے گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیے

ڈاکومنٹری فلم صحرا کے بارے میں دکھائی جا رہی تھی۔

''ہیلو جگنو بیٹا .....'' میں نے مخاطب کرنے میں پہل کی۔ ''ہیلو.....'' اس کے لب و لہجے میں سرد تاثر صاف محسوس ہو رہا تھا۔ میں پہلو بدل کر رہ گیا اور میرے خیال میں اس کا رویہ محض وقتی جذبات کے کچھ نہ تھا۔

''کیا کر رہے ہو .....؟'' میں نے ویسے ہی پوچھا۔

''کچھ نہیں ڈیڈی کیا کوئی کام تھا'' وہ مؤدب ہوا توجہ اب بھی ساری ٹی وی کی طرف تھی یا پھر پوز کر رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس پڑی فروٹ ٹرے کھسکائی اور پستے چھیل کر کھانے لگا جبکہ وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اپنی ماما کے بلانے پر کچن میں تھا۔ رات کھانے پر بھی اس کی خاموشی برقرار تھی۔ میں اپنے سٹڈی روم میں آیا تو ٹیبل پر پڑا ہوا ایک کاغذ میری توجہ کا منتظر تھا..... میں چونک گیا..... فوراً اٹھایا تو اس کے اوپر تحریر تھا۔

ڈیئر چیمپین ڈیڈی! السلام علیکم:

آپ کو حیرت ہو رہی ہو گی کہ آج جگنو کو کیا ہوا کہ وہ زبان کی بجائے قلم کا استعمال کر رہا ہے تو اس کے تمام تر ذمہ دار آپ ہیں نہ جانے کیوں کل مجھے محسوس ہوا کہ میرا ایک بہت اچھا دوست مجھ سے کھو گیا ہے حالانکہ ڈیڈی میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں بلکہ مجھے تو محبت کرنا ہی آپ نے سکھایا۔ آپ میرے دوست ہیں اور دوستوں کو آزمانا دانشمندی نہیں بلکہ انہیں ان کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کر لینا ہی سب سے بڑی حقیقت اور عقلمندی ہے لیکن ڈیڈی بعض اوقات آپ کے رویے کی بے حسی بہت ساری خوبصورت چیزوں کو ڈھانپ کر بہت بدنما بنا دیتی ہے جیسا کہ آج کل ساری مسلم دنیا کر رہی ہے..... جنہیں ہمارا محافظ بننا تھا انہیں یہ ڈر اور خوف ہے کہ کہیں امریکہ کا اگلا نشانہ ہمارا ملک نہ ہو جائے۔ ان کے کانوں میں بس ''کروز'' اور ''کلسٹر'' بموں کی گھن گرج پہنچ کر انہیں ڈٹ جانے کا حوصلہ نہیں بلکہ مزید بزدل بنا دیتی ہے۔ بصرہ ام القصر اور بغداد کی سڑکوں کا لہو اور خاموش سہمی نظروں کا ہمارے بے حس دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا حالانکہ یہ سارے مناظر پورا عالم دیکھ رہا ہے۔ ٹی وی پر یہ مناظر بند کروا دینے سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ ڈیڈی! آپ تو چیمپین ڈیڈی ہیں اور ہمیشہ جیتتے ہیں۔ آج ایک مقدمہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپکو منہ مانگی فیس بھی دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ میرے چیمپین ڈیڈی لڑیں میں جارج بش کو عدالت کے کٹہرے میں پیش کر کے عراق کے دو کروڑ مسلمانوں کا حساب لینا چاہتا ہوں جو قتل و خون کی داستان کا مرکزی کردار ہے۔ میں یو این او کے خلاف مقدمہ کرنا چاہتا ہوں جو بے دریغ موت بانٹنے کا پرمٹ جاری کرتا ہے۔ تمام قتل و غارت کی خونی داستانیں اسی عالمی ادارے کی قراردادوں کا نتیجہ ہیں..... ڈیڈی کیا آپ یہ مقدمہ لڑیں گے یا پھر دوسرے تمام اسلامی ممالک کی طرح بے حسی کی چادر لپیٹ کر سو جائیں گے۔ کیا ان مسلمانوں کو نہیں معلوم کہ تاریخ ان کی بے بسی کے آنسوؤں سے نہیں بلکہ شہداء کے مقدس لہو سے لکھی جاتی ہے..... ڈیڈی کیا آپ یہ مقدمہ لڑیں گے.....؟ ''شاذل'' (جگنو)

شاذل کے خط نے مجھے شرمندگی کے گہرے سمندر میں غرق کر دیا ہے..... میں عجیب الجھن میں پڑ گیا ہوں..... میرا کوئی مقدمہ میرے لئے پریشانی کا باعث نہیں بنا..... لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میں آئندہ جگنو کا ''ڈیڈی'' رہوں گا یا ''چیمپین ڈیڈی'' .....؟ آپ کا کیا خیال ہے.....؟

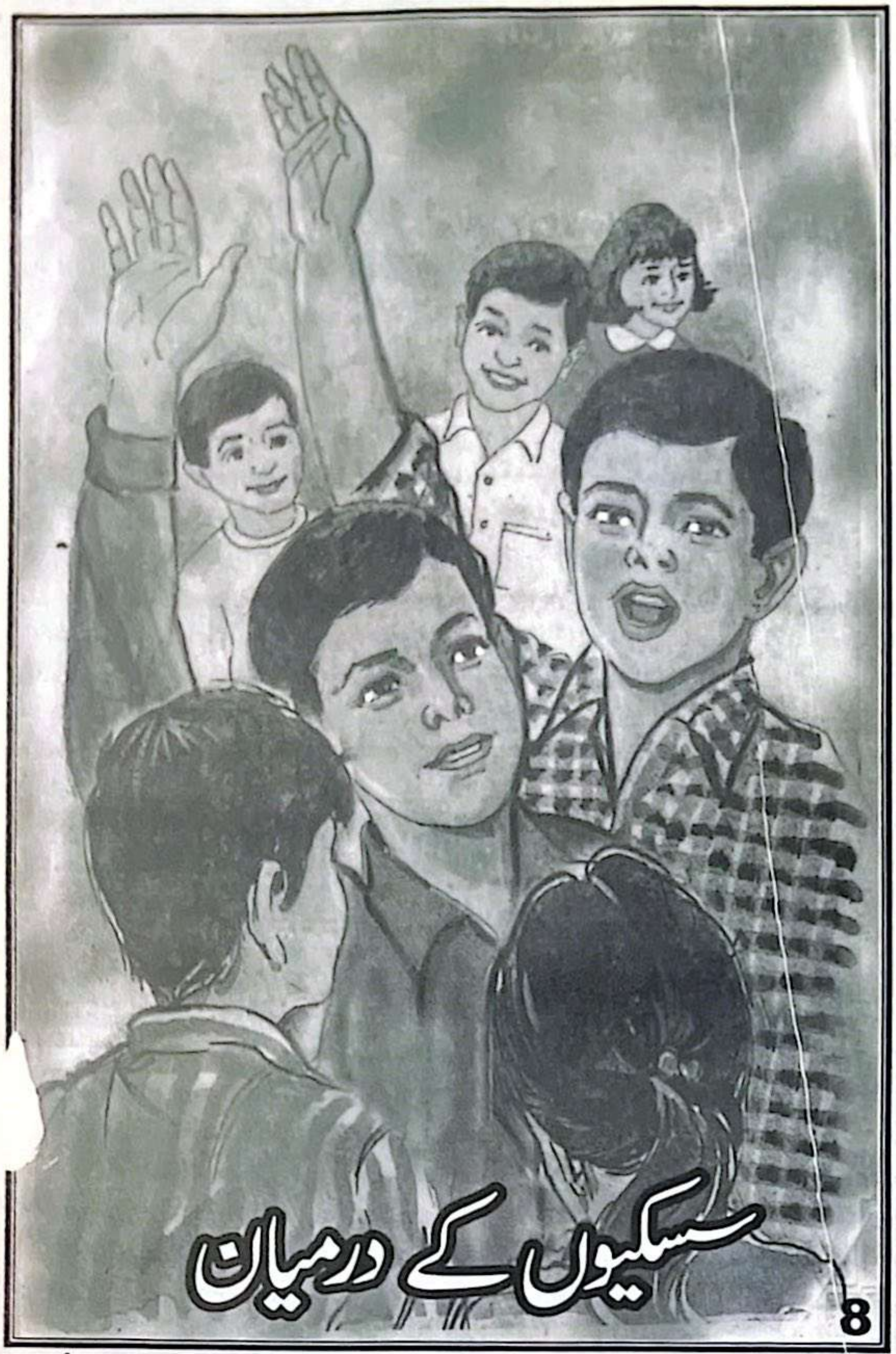

سسکیوں کے درمیان

8

ایک دعا کا ماجرا مانگنے والوں نے کامیابی کا بڑا آسان راستہ چنا تھا

چاند سلطانہ

سالانہ امتحان میں صرف ایک ماہ رہ گیا تھا۔ مگر میں اور دانش پڑھائی میں بالکل کورے تھے۔ کبھی بھولے سے کتاب تو اٹھا کر دیکھی نہ تھی۔ اب امتحان جو اک دم سر پر آ گیا تو جان ہی تو خشک ہوگئی۔ سکول میں گئے تو تمام اساتذہ نے کہا کہ "خود پڑھو اور مشکل چیز ہم سے پوچھ لو!" وہاں ہم تو سرے سے کچھ جانتے ہی نہ تھے مشکل آسان کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا تھا۔ یونہی کتاب کھول کر آگے رکھ لی۔

ثمرہ، ثمرہ، پچھلے ڈیسک سے عظمیٰ نے آہستہ آواز دی۔

کیوں کیا ہے؟ میں نے پیچھے مڑ کر کہا۔

یہاں آجاؤ نا اکٹھے بیٹھ کر پڑھیں گے!

میں اور دانش پچھلے ڈیسک پر بیٹھ گئے۔ امتحان کا بھوت سر پر سوار تھا بس دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ امتحان میں پاس ہونا بھی نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ ابو جان نے اچھے نمبروں پر پاس ہونے والے کو ایک خوبصورت کیمرہ انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کیونکہ انعام کا لالچ تھا اس لئے دل بھی چاہتا تھا کہ اچھے نمبروں پر پاس ہو جائیں۔

ثمرہ! تم نے سارا کورس ختم کر لیا ہے۔ عظمیٰ نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

ہم کہاں اتنے لائق ہوئے تھے کہ کورس ختم کر لیتے۔ کیا تم نے ختم کر لیا ہے؟ نہیں بھئی یہ امتحان تو اچانک ہی دیو کی طرح منہ پھاڑے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔

تو پھر ہم پاس کس طرح ہو سکیں گے؟ دانش نے اداس لہجے میں کہا۔ مجھے ایک ترکیب تو یاد ہے مگر ذرا مشکل ہے کیونکہ اب پڑھائی تو ہو نہیں سکتی اس لئے یہی ترکیب کر لیتے ہیں۔ کیا ترکیب ہے دانش نے بے قراری سے پوچھا۔

میں نے ایک دفعہ دادی اماں سے سنا تھا کہ دن رات میں ایک گھڑی ایسی بھی آتی ہے کہ گنہگار سے گنہگار بندے کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ مگر یہ پتہ نہیں کہ وہ وقت دن رات کے کس حصے میں ہے۔ لہٰذا ہمیں پورا ایک دن اور رات دعا مانگنی پڑے گی۔

تو مانگ لیں گے یہ کون سا مشکل کام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسطرح تو اگر ہم اول آنے کی بھی دعا مانگیں گے تو فرسٹ بھی آ سکتے ہیں۔ بس اس طرح کریں گے کہ امتحان سے ایک دو دن پہلے چھٹی لے کر سارا دن بیٹھے دعا مانگتے رہا کریں گے۔ دانش نے کتاب بند کر کے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

ہم دونوں نے بھی مطمئن ہو کر کتابیں بند کر دیں اور اطمینان سے بیٹھ کر سارا دن گپوں میں گزار دیا۔ جس کسی کو پڑھتے دیکھا' خوب مذاق اڑایا۔ اور دل ہی دل میں اپنی تجویز پر خوش ہوتے رہے اور فیصلہ کیا کہ اپنی تجویز کسی کو نہ بتائیں گے۔ میڈم نے جو ہم تینوں کو اس قدر خوش دیکھا تو پوچھا کہ بھئی تم لوگوں نے کورس ختم کر لیا ہے۔ جی میڈم! اس دفعہ میں آپ کو اول آ کر دکھاؤں گا۔ دانش نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

بہت اچھا! میڈم نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ کیونکہ دانش کی نالائقی کا کسے علم نہیں تھا۔ کہ فرسٹ تو درکنار پاس ہی رو دھو کر ہوتے تھے۔ ان کے خیال میں دانش نے خوب محنت کی تھی۔

چھٹی ہوئی ہم گھر آ گئے۔ بستے الماری میں رکھ کر سارا دن کھیلتے رہے۔ اگر امی نے پڑھنے کیلئے کہا تو دانش نے وہی سکول والا فقرہ دہرا کر امی کی تسلی کر، اتنی خوشی خوشی کھیلتے رہے۔ گویا کسی ہو کہ ہم پاس ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم اس میں ہی کچھ پڑھ لیتے تو میرا خیال ہے کہ پاس تو ہو جاتے۔

دانش! میرا خیال ہے کہ ہمیں دعا مانگنی شروع کر دینی چاہئے۔ اوں ہوں۔ اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔ امتحان سے ایک دن پہلے مانگ لیں گے۔ ابھی تو ایک ماہ پڑا ہے۔ ہاں بھئی! ثمرہ ابوجان جو کیمرہ دیں گے وہ ہم لے کر سامنے نہر پر چلے جائیں گے اور پھولوں کی جھاڑیوں کے پاس بیٹھ کر تصویریں اتاریں گے۔

ہاں! مگر دانش میں تو سامنے والے کچنار کے درخت کے نیچے تصویر اترواؤں گی غرض سارا دن انہی پروگراموں میں گزر گیا۔ رات ہوئی تو ہم دونوں نے کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کیلئے نکالیں۔ اور یہ تسلی کرنے کیلئے کہیں آپی نہ دیکھ رہی ہوں ان کے کمرے میں جھانکا۔ جو کتابیں آگے کھولے بڑی توجہ سے پڑھ رہی تھیں۔

بیوقوف! دانش نے آہستہ سے کہا میرے خیال میں انہیں اس بات کا پتہ نہیں ہے۔ چلو یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔ نہیں تو شاید انہیں کیمرہ مل جاتا اور ہم دونوں تسلی سے اپنے اپنے پلنگ پر لیٹ کر کتابیں پڑھنے میں کافی مدت تک مشغول رہے۔

صبح اٹھے تو آپی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ ہم مسکراتے ہوئے گویا انہیں بیوقوف سمجھتے ہوئے غسل خانے میں گھس گئے اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر کے سکول روانہ ہو گئے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ امتحان میں صرف ایک دن رہ گیا۔ باجی کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے خوب محنت کی ہے۔ رات کو ابو جان کھانے پر کہنے لگے کہ بھئی مجھے یقین ہے کہ تم تینوں نے خوب محنت کی ہوگی۔ غالباً تمہیں یاد ہوگا کہ میں تم میں سے سب سے اچھے نمبروں پر پاس ہونے والے کو کیمرہ انعام دوں گا۔ کیوں بھئی! تم لوگوں نے خوب محنت کی ہے یا یونہی کھیل کود میں وقت گزار دیا۔ ہم دونوں کے چہروں کا رنگ فق ہو گیا اور جلدی سے اٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے دن چھٹی لے کر ہم باغیچے میں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور دعا مانگتے رہے۔ اتنے میں ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ ہم دونوں دعا بھول کر اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ماموں جان مسکراتے ہوئے اترے اور ہم چیختے ہوئے ان کی طرف بھاگ گئے۔ اس کے بعد دعا کا خیال ہی نہ رہا۔ رات کو سوتے وقت دانش کو یاد کرایا تو اس نے کہا کہ دن کو تو مانگ ہی چکے ہیں۔ شاید قبول ہو گئی ہو۔ اب تھکے ہوئے ہیں سو جائیں صبح پیپر بھی دینا ہے۔ میں بھی تھکی ہوئی تھی اس لئے دونوں پڑ کر سو رہے۔

اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پیپر کیسے ہوئے ہوں گے۔ نتیجہ کے دن میں، دانش اور عظمیٰ تینوں ہی منہ لٹکائے گھروں کو واپس گئے۔ جیسے ہی ہم اندر داخل ہوئے آپی بھاگی ہوئی ہماری طرف آئیں۔ خوشی سے ان کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ ہمیں جو منہ لٹکائے ہوئے دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ دانش آپی سے لپٹ گیا اور سسکیاں لینے لگا۔ میری آنکھوں سے بھی زار و قطار آنسو رواں ہو گئے۔ امی نے کہا کہ بھئی، یہ کیا معاملہ ہے۔ تم تو اول آنے کا کہہ رہے تھے اور پاس بھی نہ ہوئے۔ تب دانش نے سسکیوں کے درمیان ساری رام کہانی کہہ سنائی۔ جسے سنتے ہی امی اور آپی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ امی نے ہمارے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

غالباً تم یہ بات ساتھ یاد رکھنا بھول گئے کہ اللہ میاں نے کہا ہے کہ خود بھی ہاتھ پاؤں ہلاؤ اور دعا بھی مانگو۔ تو پھر تمہیں کئی گنا زیادہ شاندار کامیابی حاصل ہوگی۔ تم نے سنا نہیں کہ "خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔" تمہیں اس بات پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ میں نے اور دانش نے وعدہ کیا کہ ہم امی کی یہ نصیحت کبھی نہ بھولیں گے۔

طالب بھائی نہیں رہے

اناللہ وانا علیہ راجعون

ایڈیٹر بھیا کے برادر نسبتی جنہیں سبھی احباب اور پھول ساتھی طالب بھائی کے نام سے جانتے اور پہچانتے تھے۔ اچانک 21-5-03 کو اللہ جی کو پیارے ہو گئے۔ وہ ایک سعید روح تھے۔ میٹھی زبان اور میٹھی مسکان والے انہیں دنیا میں مالک نے 38 سال بسر کرنے کے بعد واپسی کا حکم فرمایا اور وہ لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر ہارٹ اٹیک کا بہانہ بنا کر چل دیئے۔ ان کو بہت محبت سے یاد کرنے والوں میں 8 سالہ حینا، 6 سالہ حمنہ اور 4 سالہ فزا کے علاوہ اللہ جی کے فیصلے پہ صبر کرنے والی اور زبان پہ شکوے کا ایک لفظ نہ لانے والی اہلیہ نوید انور شامل ہیں۔ ان کی میت کو لیکر بھیا جی چشتیاں ـے جہاں سیکڑوں سوگواروں کی موجودگی اور دعاؤں میں اللہ کی امانت کو ان کی خواہش پہ اپنی والدہ کے قریب زمین کے سپرد کر دیا گیا۔ ان کے قل 28 گجیانی میں ہوـے جہاں ان کے دو بھائی اور ایک بہن اپنے بھائی ـلـ. والی باتوں کی بارشوں میں بھیگے ہوئے

ماؤن چشتیاں میں بھیا جی کے ابو چودھری حمد انورـ ـںؔ بھائی ڈاکٹر اظہر عباس، برادر نسبتی محمد اسلم چودھری اور ہمشیرہ ناہید اسلم باقی عزیزوں، دوستوں کے ساتھ اللہ کی رضا پہ راضی، رخصت ہونے والے کے درجات کی بلندی اور پسماندگان کی حفاظت، صبر اور بہتری کے لئے دعائیں کرتے اور مرحوم کی باتوں کو یاد کرتے رہے۔ طالب بھائی بھیا جی کے اصرار پہ پھول میں ایک عرصہ تک کرنیں لکھتے رہے۔ ایک کالم مکمل کرنے کیلئے وہ کئی کئی روز کتابیں پڑھتے اور پھر کالم مکمل کرتے۔ وہ پھول پیرنٹس کونسل کے سرگرم رکن بھی رہے۔ پرائیڈ سکول۔ عظمت شیخ صاحب کے ہاں اور کلر کہار ہونے والے تمام پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔ پھول ٹیم کے بچوں اور بڑوں سے وہ ہمیشہ خصوصی شفقت کرتے۔ ان کا محبت بھرا لہجہ اور مددگار رویہ اور نیک نیتی ہمیشہ ان کے درجات کی بلندی کی دعاؤں کا باعث بنتی رہے گی...... جب تک مولا نے چاہا طالب بھائی ہنستے مسکراتے ہمارے ساتھ تھے۔ یاد رہے اب وہ نہیں رہے...... کہ انسانوں کو بطور امانت دنیا میں بھیجنے والے رب نے ان کی مہلت عمل واپس لے لی اور وہ شائستہ، نفیس طبع اور شریف النفس بھائی ہماری آنکھوں سے اوجھل اور ہماری نشستوں سے رخصت ہو گئے۔ اللہ جی انہیں وہاں اپنی رضا، خوشنودی اور بڑے درجوں سے نوازیں۔ کمیوں کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں...... کہ وہ اس کی طرف سے آئے تھے اور اسی کی طرف لوٹ گئے...... اناللہ وانا علیہ راجعون......

"سب کچھ دیا خدا نے"

بلبل کے پیارے گانے! یہ اچھے اچھے کھانے!
کس نے بنائے ہیں! موسم جو ہیں سہانے
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے
یہ ریل، کار، لاری! تم نے بنائیں ساری!
لیکن بتاؤ کس نے لوہا دیا ہے بھاری!
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے!
تم نے مکاں بنائے! اور خوب ہی سجائے!
لیکن یہ سارے ساماں کس نے دیئے، دلائے
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے!
بنتے ہو تم ہی کپڑے جن کو ہو تم پہنتے!!
کس نے دیئے ہیں لیکن یہ روئی، اون، دھاگے!
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے!
رکھتے ہو چیز ایسی؟ اس نے نہ ہو بنائی!
سوچو، جواب دو پھر کس نے ہر ایک شے دی؟
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے!
ہے پھول اب یہ کہتا! میں ہوں خدا کا بندہ!
تعریف اس کی لکھ دی اس نے مجھے سکھایا!
سب کچھ دیا خدا نے!
سب کچھ دیا خدا نے! (تنویر پھول)

رشتہ

9

علی سفیان آفاقی

دوسری قسط

شادی کو نو دس سال گزر جانے کے باوجود وہ ابھی تک اولاد سے محروم تھے' فریدہ خانم کی گود خالی تھی اس لئے ان کا دل اور گھر بھی خالی پڑا ہوا تھا۔ ہر چیز میسر ہونے کے باوجود وہ بچوں کیلئے ترستے تھے۔

یہ دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھے لیکن مجبوری انسان سے کیا نہیں کراتی۔ ان پڑھ اور جاہل عورتوں کے مشورے پر فریدہ خانم پیر فقیر کے پاس بھی خاضری دے چکی تھیں اور گنڈے تعویذ بھی کر چکی تھیں۔ لیکن ان کی امید کا غنچہ نہیں کھل سکا تھا۔ چند کمزور عقیدہ عورتوں نے تو فریدہ خانم کو کالے جادو کا علم جاننے والوں کے پاس جانے کا بھی مشورہ دیا تھا لیکن ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے وہ اس گناہ سے نفرت کرتی تھیں۔

کچھ دیر بعد شوکت علی اور فریدہ خانم مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تو جیسے ساری محفل میں چکا چوند پیدا ہو گئی۔ شوکت علی ایک دراز قد' گورے چٹے اور خوبصورت انسان تھے۔ ہر لباس ان کے جسم پر جچ جاتا تھا۔ اس وقت وہ ایک قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھے جو کہ ان کی شخصیت کو مزید اجاگر کر رہا تھا۔ ان کی بیگم فریدہ ایک زرق برق قیمتی ساڑھی میں ملبوس تھیں۔

بالوں کا جوڑا بنا کر اس میں پھول لگائے تھے۔ قیمتی مگر بہت ہی نفیس اور خوبصورت زیورات نے ان کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ شیخ عالمگیر نے سچ ہی کہا تھا کہ شوکت اور بھابھی کے بغیر محفل سونی سونی سی اور بے رنگ لگتی ہے۔ ان دونوں کی آمد کے بعد ان کا یہ قول بالکل درست نکلا۔ دیکھنے والے ٹھیک ہی کہتے تھے کہ اس جوڑے کو فرشتوں نے فرصت میں بڑے پیار سے بنایا ہے۔

فریدہ خانم نے ننھے زیبی کو گود میں اٹھا کر پیار کیا اور بیس ہزار روپے ایک بند لفافے میں اسکے ننھے سے ہاتھوں میں تھما دیئے۔ نفیسہ اور شیخ عالمگیر کہتے ہی رہ گئے کہ یہ تو بہت زیادہ رقم ہے لیکن فریدہ خانم نے یہ کہہ کر ان کا منہ بند کر دیا کہ زیبی کے مقابلے میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے تو ساری دنیا کی دولت بھی تحفے میں دیدی جائے تو کم ہے۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔ اس فقرے میں حسد یا جلن کا نام ونشان تک نہ تھا لیکن خود اپنی گود خالی رہنے کے احساس نے انہیں اچانک غمزدہ کر دیا تھا۔ شوکت علی بھی اس کیفیت کو سمجھتے تھے۔ شیخ عالمگیر نے فوراً باتوں میں لگا کر ان دونوں کو زیبی کے پاس سے ہٹا دیا اور دوسرے مہمانوں سے ملانے لگے۔

سالگرہ کا کیک ایک میز کے برابر اور پانچ منزلہ تھا۔ کیک کے علاوہ کھانے پینے کا دوسرا سامان بھی موجود تھا۔ مگر شیخ عالمگیر نے اس حساب سے یہ کیک بنوایا تھا کہ ایک ایک ٹکڑا ان کے بے شمار مہمانوں کے حصے میں ضرور آ جائے۔ زیبی نے چمکدار اور رنگین ٹوپی پہن کر ماں باپ کی مدد سے کیک کاٹا۔ تو ساری محفل "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ زیبی" کے نغمے سے گونج اٹھی۔ سبھی بچوں کو رنگین چمکدار ٹوپیاں تحفے میں دی گئیں تھیں جن کو پہن کر وہ سب چھوٹے چھوٹے کلاون لگ رہے تھے۔

کیک کاٹنے کے بعد بہت شاندار کھانے سے مہمانوں کی خاطر تواضع کی گئی۔ مشروبات کے علاوہ چائے' کافی اور کشمیری چائے بھی موجود تھی۔ قسم قسم کے کھانے اور کئی قسم کی میٹھی چیزیں' آئس کریم اور قلفہ بھی تھا۔ ہر ایک نے دل بھر کر اور خوش ہو کر اس دعوت سے مزہ لیا اور پھر رفتہ رفتہ مہمان رات گئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونے لگے۔ ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے۔ مگر شوکت علی اور فریدہ خانم کو میزبانوں نے روک لیا۔ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں گھرانوں میں قریب ترین رشتہ داروں سے زیادہ محبت' پیار اور یگانگت تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بہترین دوست اور ہمدرد تھے۔ اس لئے دکھ سکھ کے ساتھی بھی تھے۔

شیخ عالمگیر نے نفیسہ بیگم سے خاص طور پر کہا تھا کہ شوکت اور بھابھی کو روک لیا جائے۔ انہیں علم تھا کہ گھر جا کر وہ "بچے کی کمی" کا اور شدت سے احساس کریں گے اور ان کے بے چینی اور اداسی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ ان دونوں کو روک لیا جائے اور ادھر ادھر کی باتوں سے ان کا دل بہلایا جائے۔

سب مہمانوں کے جانے کے بعد یہ چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر گرم گرم کافی پینے لگے۔ شیخ عالمگیر اور نفیسہ بیگم نے لطیفہ بازی شروع کر دی اور بچپن اور لڑکپن کے ایسے قصے چھیڑ دیئے جن میں وہ دونوں الجھ کر رہ گئے۔

عورتوں کو دوسری عورتوں کے ملبوسات' زیورات اور عادتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے چھوڑ کر شوکت علی اور عالمگیر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیخ عالمگیر نے کہا "بھئی اب آپ دونوں جی بھر کر دوسری عورتوں کی غیبت کر لیں ورنہ آپ دونوں کے پیٹ میں درد ہو جائے گا"۔

دوسرے کمرے میں پہنچ کر شیخ عالمگیر نے قیمتی سگار سلگایا اور دونوں دوست پرانے دوستوں کی طرح ذاتی معاملات اور کاروبار کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

یکایک شیخ عالمگیر نے اپنے دوست سے پوچھا "شوکت۔ اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو یار۔ میں بھلا تمہاری کسی بات کا برا مان سکتا ہوں؟"

"یار مجھے تمہارے اور بھابھی کے دکھ کا بہت زیادہ احساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایک بیٹے سے نواز دیا ہے۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بھی ہماری خوشیوں میں برابر کے شریک ہو"۔

"سٹوپڈ" یہ کون سی بات ہے جس پر میں برا مان جاؤں گا" شوکت علی نے ہنس کر بے تکلفی سے کہا

''بات کچھ اور ہے۔ دیکھو شوکت۔ ہم دونوں پرانے یار ہیں بلکہ بھائیوں سے زیادہ ہیں۔ تمہارے گھر میں بھی ایک بچے کی معصوم آوازیں سنائی دیں یہ میری سب سے بڑی تمنا ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر اللہ کے کاموں میں کسی انسان کو دخل نہیں ہوتا''

''اچھا۔ ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے بھابھی کا ٹیسٹ کرایا ہے؟'' شیخ عالمگیر نے دھیمی آواز میں پوچھا''۔

شوکت علی ہنسنے لگے ''بھائی۔ اس بات کو بھی کئی سال ہو گئے''

''اور کیا......'' شیخ عالمگیر نے کہا مگر شوکت نے درمیان ہی میں بات کاٹ دی۔

''میں تنگدل مردوں کی طرح نہیں ہوں۔ میں نے اپنے بھی سارے ٹیسٹ کرائے ہیں۔ پاکستان میں بھی اور امریکہ کے بڑے بڑے ماہرین سے بھی''۔

''تو پھر کیا کہا انہوں نے؟'' عالمگیر نے بے تابی سے پوچھا

شوکت بولے ''انہوں نے بتایا کہ میں بالکل نارمل انسان ہوں'' یہ کہہ کر وہ پراسرار انداز میں رک گئے۔

شیخ عالمگیر نے بے تابی سے پوچھا ''اور...... اور بھابھی......؟''

شوکت علی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تو عالمگیر انہیں حیران ہو کر دیکھنے لگے۔

''بھائی۔ تمہارا سوال بھی بالکل ٹھیک ہے۔ اسکا جواب بھی سن لو۔ میری طرح فریدہ کو بھی ڈاکٹروں نے ہر قسم کے عیب اور خرابی سے پاک قرار دیا ہے''

''کمال ہے' یعنی تم دونوں ماں باپ بن سکتے ہو؟''

''ہاں سو فیصد بن سکتے ہیں''

''تو پھر کیا وجہ ہے کہ''

''وجہ یہ ہے کہ اللہ میاں کو منظور نہیں ہے۔ اسکے حکم کے بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہلتا۔ اگر اسکی رضا ہی نہیں ہے تو ہم کیسے صاحب اولاد ہو سکتے ہیں''

''یہ تو بہت عجیب بات بتائی ہے تم نے'' عالمگیر نے کہا ''دراصل میں اور نفیسہ بہت عرصے سے یہ بات پوچھنا چاہ رہے تھے مگر پھر یہ سوچ کر چپ ہو جاتے تھے کہ اگر کوئی ناخوشگوار بات نکلی تو ہم کیا مشورہ دیں گے''۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر فریدہ میں کمی ہوتی تو تم دونوں مجھے دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیتے؟''

شیخ عالمگیر سٹپٹا کر رہ گئے۔ ''یار' دیکھو نا' دراصل...... بات یہ ہے کہ''

''خیر' اب زیادہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر یہ مشورہ دیتے تو ہم دونوں کی بھلائی کیلئے ہی دیتے۔ مگر اب تو بات ہی کچھ اور ہے۔ تم بہت عقلمند آدمی ہو۔ اب بولو۔ کیا مشورہ ہے تمہارا؟''

شیخ عالمگیر جیسے لاجواب سے ہو کر رہ گئے۔ کچھ دیر سوچتے رہے اور سگار کے کش لگاتے رہے۔ پھر کہنے لگے ''دیکھو شوکت! اگر میرا صحیح مشورہ مانگتے ہو تو سنو۔ تمہاری شادی کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق تم دونوں ماں باپ بن سکتے ہو۔ اس کے باوجود اگر بھابھی کی گود خالی ہے تو کسی کو کیا دوش دیا جا سکتا ہے''۔

''سوائے اللہ میاں کے'' شوکت نے بے ساختہ کہا اور ہنس پڑے پھر بولے ''توبہ توبہ اللہ معاف کرے۔ میں نے تو یہ بات مذاق میں کہہ دی ہے ورنہ اللہ میاں سے کون لڑ سکتا ہے۔ ہم تو اسکی رضا میں ہر طرح راضی ہیں''۔

''اب ذرا غور سے میری بات سنو۔ تمہیں اللہ نے بہت بڑا کاروبار اور انتہا سے زیادہ دولت دی ہے۔ اول تو تمہارے گھر میں سناٹا اچھا نہیں لگتا دوسرے یہ تو سوچو کہ یار تمہارے بعد یہ سب کچھ کس کو ملے گا''۔

''ہمارے رشتے داروں کو''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ ان کا بھی حق ہے لیکن پہلا حق تو تمہارے بچے کا ہے''

''مگر بچہ میں کہاں سے لاؤں؟ بچہ ہوگا تو اسکا پہلا حق ہوگا نا؟''

''تم نے دیکھا۔ سنا اور پڑھا ہوگا کہ یورپ اور امریکہ میں بہت سے لوگ بچے گود لے لیا کرتے ہیں۔ وہ باقاعدہ قانونی طور پر لکھت پڑھت کرنے کے بعد بچہ لیتے ہیں اور پھر ہمیشہ کیلئے قانونی اور مذہبی اعتبار سے وہ ان ہی کی اولاد تصور کیا جاتا ہے۔ اسی سے ان کا خاندان آگے چلتا ہے''۔

شوکت خاموش سنتے رہے۔

''ہمارے ملک میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بے اولاد لوگوں نے کوئی بچہ لیکر پال لیا اور وہ ان ہی کا بچہ کہلایا۔ وقت بھی ہنسی خوشی گزر گیا اور بڑھاپے کا سہارا بھی مل گیا۔ وہی بچہ بعد میں جائیداد اور کاروبار سنبھال لیتا ہے۔ اس طرح انکا نام چلتا رہتا ہے۔ وہ بچہ کیونکہ ان ہی کا کہلاتا ہے اس لئے ان کی نسل بھی اسکے حوالے سے چلتی رہتی ہے''۔

''ہوں؟'' شوکت نے سوچتے ہوئے کہا

''میری مانو تو تم بھی کوئی بچہ گود لے لو۔ تمہاری اور بھابھی کی تنہائی اور اداسی بھی ختم ہو جائے گی اور تمہیں ایک وارث بھی مل جائے گا۔ ایک لحاظ سے اس میں فائدہ بھی ہے''

''وہ کیا؟''

''لڑکا یا لڑکی دینا تو اللہ میاں کے اختیار میں ہے۔ بعض لوگوں کی صرف لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کاروبار نہیں سنبھال سکتیں۔ نہ ہی ماں باپ کا سہارا بن سکتی ہیں۔ اگر تم خود گود لو گے تو ظاہر ہے کہ لڑکا ہی لو گے۔ اس طرح تمہیں ایک سچا سہارا اور وارث مل جائے گا''۔

شوکت علی مسکرائے ''یار تم کبھی غلطی سے اچھی بات بھی کر دیتے ہو۔ تمہاری بات کسی حد تک تو درست ہے مگر سوال یہ ہے کہ اچھا بچہ کہاں سے تلاش کیا جائے اور کوئی اپنا بچہ ہمیں کیوں دے گا؟ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ بچہ واقعی ذہین' شریف النفس اور بااخلاق ہو۔ ہمارا اپنا بچہ ہی لگے۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہ لگے''۔

شیخ عالمگیر مسکرائے۔ بولے ''شکر ہے تم کو یہ تجویز پسند تو آئی۔ دیکھو۔ اگر انسان ارادہ کر لے۔ اسکی نیت نیک ہو اور وہ اپنے مقصد میں پرخلوص ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی مدد کرتا ہے۔ جہاں تک بچے کے خراب نکل جانیکا ڈر ہے تو بھائی اسکی گارنٹی تو کوئی نہیں دے سکتا۔ بڑے بڑے خاندانوں کے نجیب الطرفین بچے بھی خراب نکل جاتے ہیں اور اپنے ماں باپ اور خاندان کا نام بدنام کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ ایسے کئی لوگ ہمارے اور تمہارے جاننے والے ہیں۔ جو اپنی اولاد کی نالائقی اور نافرمانی کی وجہ سے تنگ ہیں۔ ان کی اولاد نے خوشیوں کی بجائے انہیں غم اور صدمات ہی دیئے ہیں۔ یہ تو بھائی اللہ میاں پر منحصر ہے۔ جب اپنی سگی اولاد کے بارے میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا تو پھر لے پالک اور گود لیکر پالے جانے والے بچے کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے!''

شوکت نے ہنس کر کہا ''یار آج تو تم بہت عقلمندی کی باتیں کر رہے ہو' حیرت کی بات ہے کہ تم اور عقل۔ خیر۔ کبھی کبھی غلطی سے بھی انسان عقلمندی کی باتیں کر بیٹھتا ہے''۔

''تو پھر اب کیا کرنا چاہئے؟'' شیخ عالمگیر نے پوچھا

''سب سے پہلے تو فریدہ سے مشورہ کرنا چاہئے' اسکی رضامندی کے بغیر تو میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا''۔

''ظاہر ہے' بھابھی کی رضامندی کے بغیر تو یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ دیکھو نا۔ بچوں کو تو مائیں ہی پالتی ہیں۔ ہم مرد تو بس ان پر رعب ڈالنے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کیلئے ہوتے ہیں''۔

اسی وقت فریدہ اور نفیسہ انہیں تلاش کرتی ہوئی آ گئیں۔

''ارے۔ آپ لوگ یہاں بیٹھے ہیں اور ہم نے ساری دنیا میں تلاش کر لیا''۔

''اخبار میں اشتہار دیدیا ہوتا'' عالمگیر نے کہا

''نہیں' ٹیلی ویژن پر کمرشل چلوا دیتیں تو زیادہ اچھا ہوتا'' شوکت نے ہنس کر کہا پھر پوچھا ''آپ دونوں کی غیبت کا پروگرام پورا ہو گیا؟'' ''جی۔ ہم عورتیں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتے۔ مردوں نے خواہ مخواہ ہمیں بدنام کر رکھا ہے۔ آپ بتایئے کہ ہم سے چھپ کر کیا باتیں ہو رہی تھیں'' فریدہ نے کہا

''ایک بہت اہم مسئلے کے متعلق ڈسکشن کر رہے تھے''۔

''ہاں۔ کوئی پیسے کمانے والا پراجیکٹ ہوگا''۔ نفیسہ بولی ''اللہ نے اتنا کچھ دے رکھا ہے مگر آپ لوگ پھر بھی دولت بڑھانے کے طریقے سوچتے رہتے ہیں''۔

کچھ دیر بعد شوکت اور نفیسہ نے رخصت طلب کی اور بہت رات گئے اپنے گھر روانہ ہو گئے۔

راستے میں فریدہ نے محسوس کیا کہ شوکت چپ اور سوچ میں گم ہیں۔ انہوں نے پوچھا ''خیر تو ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''کچھ نہیں'' وہ چونک کر بولے

''نہیں' ایسا تو نہیں ہے۔ کیا آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں؟'' (جاری ہے)

تم سلامت رہو

کوکب سلیم چوہان - راولپنڈی

کیک پر لگی موم بتی جل جل کر ختم ہو گئی مگر آنسو شدت سے رواں رہے۔ برداشت نہ ہو پایا تو باہر گیلری میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ سردی محسوس ہوئی تو واپس بے چینی سے اندر آ کر بیٹھ گیا۔ جہاں بہت سی یادوں کے بھٹکے کارواں در دل پر دستک دیتے رہے تو بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں دونوں ہاتھوں میں چہرے کو چھپالیا' من بھی درد سے بھر گیا۔ تھوڑی دیر پہلے خواب دیکھا کہ مجیب الرحمن پریشان سے حال میں میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے اور میری غیر موجودگی میں وہ واپس لوٹ گیا ہے۔ بس یہی لوٹنا قلب کو ریزہ ریزہ کر رہا ہے۔ یہ دوستی بھی عجیب شے ہے نا! زندگی کا احساس دلانے اور جینا سکھلانے والے دوست جن کے بن جیا نہیں جاتا' وقت نہیں کاٹا جاتا۔ ایک پل کی دوری صدیوں کی دوری پر محیط نہیں ہو جاتی ہے۔ مجیب بھی میرا ایسا ہی اچھا اور بے حد اچھا دوست ہے اور مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے۔ بس ذرا اظہار نہیں ہو پاتا کہ الفاظ نہیں ہوتے اور جب اظہار نہیں ہو پاتا تو میں اس کے چہرے کی طرف ٹکر ٹکر تکے جاتا ہوں' اپنی دوستی پہ ناز کئے جاتا ہوں۔ ڈھیرے سے خوشیاں لٹائے اور لوٹے جاتا ہوں...... مجیب الرحمن کہتا ہے یار راحت! تیرے سوا میرا کوئی اچھا دوست نہیں۔ ہاں نا! بھلا اس طویل ترین شاہراہ زیست پر کسی ساتھی بنا جیا جا سکتا ہے؟ وہ مجھے زندگی کے ہر مشکل مرحلے پر سہارا دیتا رہا ہے اور میں بھی اپنے غموں کی تپتی دھوپ میں چھاؤں لانے کیلئے اس کی گود میں سر رکھے جاتا رہا ہوں...... آج اس نے مجھے بہت ہی محبت سے بتایا ہے کہ اس نے اس زندگی سے ایک بہت ہی خوبصورت چیز میری دوستی کی صورت میں پائی ہے اور اس کی مجھے بے حد خوشی ہے کہ میں کسی کی دوستی کیلئے تو ضرور ہوں' میرا مطلب ہے دوستی کے لائق...... آج 4 دسمبر ہے...... میرا...... جنم...... دن...... اس نے مجھے ایک کارڈ بھیجا ہے' محبتوں اور دعاؤں سے تر خلوص و محبت کے اس اظہار پر درج ہے۔

"RAHAT YOU ARE VERY SPECIAL PERSON FOR ME"

ہاں بچی۔ یہ الفاظ میرے لئے بہت قیمتی اور میری زندگی کا حاصل ہیں اور بے اختیار میرے منہ سے دعا نکلی ہے۔ "مجی! تم سلامت رہو تا قیامت تک اور قیامت نہ ہو قیامت تک" ساتھ ہی اس نے ہمیشہ کی طرح ایک خط تحریر کیا ہے جس پر وعدہ ہے کہ میں اور وہ کبھی الگ نہیں ہوں گے اور ساتھ ہی لکھا ہے۔

پیارے راحت!

تیرے غم کو تیری چاہت کی طرح رکھا ہے
اس امانت کو امانت کی طرح رکھا ہے

اور درج ہے کہ "راحت! تم یہ خط اور یہ کارڈ (جس پر خوبصورت الفاظ میں درج تھا "FRIEND FOR EVER") پا کر میرے پیار اور خلوص کی گرماہٹ کو اپنے ارد گرد محسوس ضرور کرو گے" پھر ایک عجیب بات لکھی ہے جو اس کی اپنی چاکس ہے مگر اس کے باوجود درد سے بھری...... اس نے لکھا ہے...... راحت! میرے لئے دعا کرنا کہ من درد سے پھٹا جا رہا ہے' میں جلد لوٹ آنا چاہتا ہوں' تم سے ملنا چاہتا ہوں' بہت سی کہی ان کہی ہیں جو تم سے کرنا چاہتا ہوں...... والسلام دعا گو "مجیب الرحمن"

بس! یہی وہ الفاظ ہیں جو مجھ کو اندر باہر سے دھواں دھواں کر گئے ہیں۔ اس دفعہ اپنی برتھ ڈے کا کیک اکیلے کاٹنے سے پہلے یہ خط پڑھا اور ان الفاظ پر آنسو شدت سے رواں ہونے لگے۔ اس کی محبت کا ہر اظہار بے طرح یاد آنے لگا۔ من سے اس کی سلامتی اور خیر کی دعائیں نکلنے لگیں مجیب الرحمن سے کتنا کہا تھا کہ اپنا وطن اپنے لوگ اپنے ہیں مگر وہ نہ مانا اور بغیر اطلاع دیے وہاں چلا گیا۔ جہاں مصائب اور مشکلات کے کانٹے اس کے منتظر تھے اور محبتیں اور چاہتیں خاص اپنوں کی...... وہ تو بہت دور چھوڑ آیا تھا اور اب ایک سال بعد رابطہ بھی ہوا ہے دکھ اور کرب کے ملے جلے اثرات کے تحت جہاں یہ رنگ نمایاں ہے کہ واقعی اپنے اپنے ہوتے ہیں...... پھر دکھ کی شدت میں اضافہ ہوا تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے...... اس کی خیریت معلوم کرنے کیلئے اس کے گھر روانہ ہونے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی ڈور بیل بج اٹھی تو مزید غصہ آنے لگا غصے سے زور سے دروازہ کھولا تو ایک مسکراتا ہوا چہرہ اپنا منتظر پایا...... مجیب...... مجیب الرحمن' میں بے اختیار آنسوؤں سے تر چہرہ لئے چیخ اٹھا۔ ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر وہ مجھ سے لپٹ گیا اور صرف اتنا پوچھا کہ میری آسانی کیلئے دعا کی تھی...... مجھے یاد کیا تھا...... میری نادانی کو معاف بھی کیا یا یونہی...... بس اسی لمحے اس کی تمام بلکہ تمام تر باتوں کے جواب میں صرف اتنا کہا ہے۔ پیارے مجیب!

تیرے غم کو تیری چاہت کی طرح رکھا ہے
اس امانت کو امانت کی طرح رکھا ہے!

اور وہ بے اختیار مسکرا اٹھا ہے۔ اس کے درست فیصلے کے باعث اور اپنوں کی پہچان دوبارہ سے کر لینے کے باعث وہ مجھے بہت باظرف لگ رہا ہے۔ آج ایک اور دفعہ پھر وہ میرے لئے بے حد خاص ہو گیا جس کے بنا جیا نہیں جاتا' وقت نہیں کاٹا جاتا' پل کی دوری صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔ آج میں نے اسے بے اختیار یہ الفاظ واپس لوٹا ڈالے ہیں کہ من پر بوجھ جو بہت ہو گیا ہے۔

"MUJEEB YOU ARE VERY SPECIAL PERSON FOR ME"

اور پھر سے دعا دے ڈالی ہے کہ "تم سلامت رہو"

آنسوؤں کی لاج

ایک دکھی دل سے نکلی دعا کا ماجرا
اس پر عجیب وقت آن پڑا تھا
دکھ کپڑوں کی گمشدگی سے زیادہ ان کے ساتھ وابستہ
محبت اور یادوں کا تھا

تین چار سال پہلے کی بات ہے ہمارے گھر میں رنگ و روغن کا سلسلہ جاری تھا۔ ہمارا مین دروازہ کھلا رہتا تھا۔ میں اپنے بیڈ روم میں بیٹھی اپنے بچوں کو ہوم ورک کروا رہی تھی۔ شام ہونے کو تھی میں کمرے سے باہر نکلی جہاں ہمارا کوریڈور راستے میں آتا ہے۔ اس سے ملحقہ کمرے میں میں نے ضرورت کی اشیاء رکھی ہیں جن میں سب سے اہم میرا کپڑوں کا سٹینڈ ہے جہاں میں نے اپنے نئے اور اچھے کپڑے لٹکا رکھے ہیں کہ اچانک کہیں آنا جانا ہو تو جھٹ سے کپڑے لے لئے۔ کمرے سے باہر آنے پر میں نے دیکھا کہ میرا اسٹینڈ بالکل خالی پڑا ہے۔ گھر کے نوکر کو طلب کیا۔ باقی اہلخانہ کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ مزدوروں سے بھی سوال جواب ہوئے۔ گھنٹہ بھر کے شور شرابے کے بعد انکشاف ہوا کہ کوئی سر پھرا چور اچکا دن دیہاڑے میرے قیمتی کپڑے اٹھا کر چلتا بنا اور مجھے کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ ان کپڑوں میں زیادہ تر کپڑے قیمتی تھے جو میرے والدین کی طرف سے تھے جو انہوں نے موقع بہ موقع مجھے تحفتاً دیئے تھے۔ ایک ماہ اسی پریشانی و ملال میں گزر گیا۔ چور کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ اپنے طور پر بہت ہاتھ پاؤں مارے کوششیں کیں لیکن سب بے سود ثابت ہوئیں۔ تین چار ماہ گزر گئے لیکن اپنے افسردہ اور پریشان حال دل کو کسی طور پر مطمئن نہ کر سکی۔ اپنے میاں کو بھی کہا کہ تھانے میں رپٹ ہی درج کرا دیں چونکہ کپڑے استعمال شدہ تھے اسلئے میاں نے دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ ایک دن سوچتے سوچتے میں اللہ جی کے دربار چلی گئی۔ اللہ جی سے بات چیت ہوئی۔ مسئلہ پیش ہوا۔ سچویشن بے حد جذباتی ہو گئی۔ ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ چہرہ اور دامن بھگوتے چلے گئے۔ آنسوؤں کی جھڑی کے دوران اللہ جی سے دل کی باتیں ہوئیں اور یہ بھی کہ وہ سارے میرے اپنے خریدے ہوئے کپڑے نہ تھے۔ وہ تو تمام تر تحائف تھے جو میرے والدین نے بڑے چاؤ سے اپنی بیٹی کو دیئے تھے۔ یا اللہ جی سارے راستے بند ہی تو ہو چکے ہیں۔ اب تو صرف آپ کا ہی سہارا اور آسرا رہ گیا ہے۔ یقین جانئے ایک لمحہ کو مجھے یوں لگا جیسے اللہ جی نے میری التجا سن لی۔ جب آپ بچی لگن سچے جذبے اور سچے عزم کے ساتھ اللہ جی کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہیں تو دل میں یک گونہ طمانیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ وہ قیمتی اور عظیم ترین احساسات ہیں جنہیں آپ صرف محسوس کر سکتے ہیں۔ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے۔

کچھ ہی دنوں کے بعد میں دوپہر کے وقت بچوں کے ساتھ مصروف تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو ماسی کھڑی تھی جو پانچ چھ ماہ پہلے کام کرتی تھی اور پھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی۔ کہنے لگی کوئی کام ہو تو بتائیں۔ میں نے اسے پوچھا کہ اس دوپہر میں کہاں پھر رہی ہو۔ اس کے اچانک بے وقت آنے پر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے یہ جاننے کیلئے کہ وہ اس وقت کیوں اور کہاں آئی ہے۔ اس پر سوالات کے تابڑ توڑ حملے کر دیئے۔ کوئی آدھ گھنٹے کی تفتیش کے بعد مجھے اس پر شک سا ہونے لگا۔ میں ساری کڑیاں ملانے لگی کہ جب

چوری ہوئی تھی دروازے کھلے تھے۔ ٹائم یہی تھا۔ اس نے سوچا کہ شاید اب کی بار پھر ہاتھ لگ جائے۔ ابھی سوال جواب کا سلسلہ جاری تھا کہ میرے میاں آ گئے جو گاڑی ٹھیک کروانے ورکشاپ جا رہے تھے۔ تین چار روز سے دوپہر کو وہ کھانا بھی نہیں کھانے آئے۔ اس دن اچانک آ گئے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ اللہ میاں جی کے کام ہیں۔ انہوں نے چور کو دروازے تک پہنچا دیا کہ لو بھئی تم جانو اور تمہارا کام۔ میاں سے میں نے ماسی کا تذکرہ کیا۔ ہم اسے گاڑی میں بٹھا کر تھانے لے گئے۔ راستے میں میرے میاں نے بھی جرح کی۔ تھانے کے دروازے پر ہی ماسی نے سب کچھ اگل ڈالا۔ ہم اس کے گھر گئے۔ اس نے سوٹ کیس کھولا تو میرے سارے کپڑے ابل کر باہر گرنے لگے۔ مزے کی بات یہ کہ آدھے کپڑے اس ابھی درزن کو ٹھیک کرنے کو دیئے تھے۔ اس نے خود ہی بتایا اور وہ بھی جوں کے توں مل گئے۔

مجھے وہ شام کبھی نہیں بھولے گی جب میرا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ اس میں کپڑوں کی خوشی اتنی نہیں تھی۔ سچی خوشی اس بات کی تھی کہ اللہ جی نے میری التجا سن لی۔ میں نے سب کو فون کرکے آگاہ کیا۔ سب نے مبارکباد دی۔ خاص طور پر والدین نے۔ آج کے دور میں کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ کی کھوئی ہوئی چیز آپ کو اس طرح مل جائے تو آپ کیا کریں گے۔ یقیناً آپ کا دل چاہے گا کہ بقیہ تمام تر زندگی خدائے بزرگ و برتر کے آگے سجدۂ شکر بجالاتے رہیں۔ اس سجدۂ شکر کیلئے ایک زندگی نہیں بہت سی زندگیاں بھی کم ہی محسوس ہوں گی کہ یہ احساس ہی نہیں جاتا کہ مولا نے آپ کے کہنے پر آپ کے آنسوؤں کی لاج رکھتے ہوئے ایک خواہش اور آرزو کو یوں پورا کر دیا کہ بظاہر کوئی امکان ہی نہ تھا۔

زبردست پیپر

محمد عامر چیمہ ملتان

ایک طالب علم کے پیپر کا ماجرا۔ اسے زعم تھا کہ اردو اسے بہت آتی ہے

بچپن سے اب تک میں سنتا آیا تھا کہ میری اردو بہت اچھی ہے شاید بلکہ یقیناً اسی لئے میں نے اس دفعہ اردو کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا اور جب پرچہ میرے سامنے آیا تو میں نے اپنے آپ کو ماہر زبان سمجھتے ہوئے سارا پرچہ حل کر دیا اور تقریباً سب سے زیادہ صفحات بھرے اب میں بے چینی سے رزلٹ کا انتظار کرنے لگا۔ آخر کار کیم کو مجھے رزلٹ کارڈ ملا جس میں اردو کے سامنے لکھا ہوا "F" مجھے چڑا رہا تھا بس جی میں تو رونے لگا اور میں نے گھر سر پر اٹھا لیا کہ یہ بے ایمانی ہے میرا پرچہ بہت اچھا ہوا تھا اور میری ایک ہی ضد تھی کہ میرا پرچہ نکلوائیں تاکہ میں پیپر چیک کرنے والے کے خلاف پرچہ کٹوا سکوں۔ ابا جان نے میری ضد کو دیکھتے ہوئے جب پیپر نکلوا کر پڑھنا شروع کیا تو ان کے چہرے کا رنگ بدلتا چلا گیا بہر حال انہوں نے مجھے پرچہ دکھایا میں پڑھتا گیا اور پڑھنے کے بعد میں نے ابا جان سے کہا یہ ناانصافی ہے دیکھیں اتنا زبردست پیپر کیا ہے پھر بھی نمبر کم دیئے ہیں وہ مجھے گھر لے آئے اور مجھے تمام سوالات کے جوابات زبردستی کتاب سے پڑھائے اور پھر میرا پیپر میرے سامنے لے آئے اور بولے اب پڑھو۔ اب جو میں نے اشعار کی تشریح پڑھنی شروع کی تو شرمندگی سے میرا رنگ لال پیلا ہو گیا چلیں کیا یاد کریں گے آپ بھی پڑھ لیں۔

شعر: لب پہ آتی ہے دعا بن کر تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

تشریح: یہ شعر جس شاعر کا بھی ہے اس کی بیگم کا نام تمنا تھا اور اس شعر میں شاعر نے خواہش کی ہے کہ اے رب میری بیگم تمنا دعا بن کر آئے اور ساتھ ہی شاعر کسی شمع کا نام بھی لے رہا ہے۔ ان حالات میں گھر میں لڑائی کے کافی امکانات ہو سکتے ہیں۔

شعر: نا ہو نا امید نا امیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

تشریح: یہ شعر یقیناً مومن خان مومن کا ہے اور انہوں نے اسے طالب علمی کے زمانے میں تحریر کیا تھا۔ عرفان ان کی کلاس کا سب سے ہوشیار لڑکا تھا اور مومن خان مومن چاہتے تھے کہ پہلی پوزیشن ان کی آئے اسی لئے وہ ہر وقت نا امید رہنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ عرفان کے علم میں زوال آ جائے اور آپ پہلی پوزیشن کے امیدوار بن سکیں۔ گویا آپ نا امید ہو کر امید پیدا کرنے کا سبق دیتے ہیں۔

شعر:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تشریح: آپ نے یہ گانا تو ضرور سنا ہوگا کہ
"چل چلئے دنیا دے اوس نکرے"

بس شاعر نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ اول تو دنیا کا کوئی کونہ ہوتا ہی نہیں اگر کوئی بھی انسانوں سے آباد ہو چکا ہوگا لہٰذا شاعر کہتا ہے کہ ستاروں سے آگے اور بھی جہاں ہیں تم وہیں چلے جاؤ اور عشق کے باقی امتحان پورے کرو کیونکہ اصل مسئلہ اس جگہ کی تلاش کا ہے جتھے بندہ نہ بندے دی ذات ہوئے۔

شعر:

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

تشریح: یہ شعر میر درد کا ہے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ درد نے میرا برا حال کر دیا ہے اور اس کی شدت سے میرا دل بجھ گیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی محفلوں یعنی سنیما گھر اور تھیٹر وغیرہ سے میرا دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ کیونکہ ان کا دل بجھ چکا ہے اسی لئے ان کی پسندیدہ فنکارہ انجمن کی فلم دیکھنے کا بھی انہیں لطف نہیں آتا ہے اس لئے مایوسی کے عالم میں وہ دعا کرتے ہیں کہ ان کا دل پھر سے جل اٹھے شاعر پرانا ہے آج کا ہوتا جلنے بجھنے کے مسائل کا شکار نہ ہوتا۔

ایک خوبصورت سفر کی روداد

Hina Jheel

کیسٹر زہرا اعوان۔ از کراچی

آپ ایک دفعہ یہ جگہ دیکھیں تو سہی بے اختیار کہہ اٹھیں گے What a Beautiful Land Scap دوپہر 1-45 پر ہم حنا جھیل کی جانب روانہ ہوئے اپریل کا ایک سہانی صبح تھی کوئٹہ شہر جو پہاڑی علاقے کے نام سے (Papular) ہے (میرے خیال میں) واقعی ایک پر فضا۔ دلنشین، پرخطر دلکش مناظر سے سرشار بہت ہی خوبصورت پتھریلا، کھائیوں سے بھرپور خشک فروٹس کا مسکن علاقہ ہے۔ ہم چونکہ پہلی مرتبہ کوئٹہ سیر کو نکلے تھے (لیکن میں ایک مرتبہ پہلے بھی آئی تھی) لیکن ہم پہلے شاپنگ اور سٹیشن تک محدود رہے تھے کیوں کہ ابو کے کورس کی وجہ سے وقت ہی اتنا کم تھا لیکن میں اس کی خوبصورتی کا پہلے ہی تصور کر چکی تھی خیر ہم اپنا سفر جاری رکھے ہوئی ہیں راستے میں فوجی چھاؤنیاں جگہ جگہ تھیں بلکہ آپ اس علاقے کو فوجی علاقہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا لگتا یوں تھا کہ یہاں مارشل لاء لگا ہوا ہے۔ خیر اونچی نیچی پہاڑیوں سے بہتے تند و تیز پانیوں، ہواؤں کے تھپیڑوں، دھوپ کی تپش ٹھنڈی ہواؤں سے گزرتے ہوئے ہم بالآخر Round By Round پہاڑوں کو کراس کرتے ہوئے۔ تین گاڑیوں کے قافلے پر مشتمل بالآخر حنا جھیل پہنچ گئے۔ جہاں ہم ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔ ہم نے پہنچنا جھیل کے دوسرے کنارے تھا۔ ریسٹ ہاؤس میں جہاں ہمارے لئے لانچ کے ذریعے دوسرے کنارے پر ٹھہرنے کا ابو جی نے خصوصی آرڈر دے دیا تھا۔ اب میں چونکہ جھیل کی جانب دیکھ رہی ہوں اور میرے ہاتھ نوٹ بک بھی موجود ہے جس میں میں یہ تمام مناظر درج کر رہی ہوں۔ یہ ریسٹ ہاؤس سے جو کہ شیشے کی دیواروں پر مشتمل ہے جھیل سمیت اردگرد کا (Area) بہت دل فریب لگ رہا ہے واقعی پاکستان ایک جنت نظیر خطہ ہے۔ اللہ کی دین ہے پہاڑوں پر جابجا آرمی کے زیر کنٹرول پودے لگائے گئے ہیں جو اس کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں ایسا پر فضا اور نیچرل منظر میں نے پیر دے کھارے (کلر کہار) کے بعد یہاں کوئٹہ آ کر ہی دیکھا ہے۔ واقعی پاکستان قدرت کا شاہکار ہے ریسٹ ہاؤس میں ہم تقریباً آدھا گھنٹہ، ٹھہرے اس کے بعد لانچ کنارے پہنچ گئی اور ہم اس میں بیٹھ کر دوسرے کنارے پہنچے۔ راستے میں ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوئے حد نظر تک پہاڑ ہی پہاڑ نظر آئے۔ چند ایک پرندے بھی جھیل میں مچھلی کا شکار کرتے نظر آئے لانچ بہت بڑی تھی یہ جسے لانچ کا نام دیا گیا تھا۔ بلکہ ایک بہتا ہوا تختہ معلوم ہو رہا تھا جو بالکل سپاٹ تھا۔ جس کے ایک جانب لانچ جوڑ دی گئی تھی۔ جو اس کو چلائے ہوئے تھی۔ لانچ پر آگے پیچھے بنچ لگے ہوئے تھے 10/15 منٹ کے بعد ہم کنارے پہنچ گئے جہاں ہمارے لئے کینٹین ٹیریا پر کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا تھا کیوں کہ ہمارے آنے کی اطلاع ابو نے پہلے ہی دے دی تھی یہاں برگر، کباب چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم تین گاڑیوں پر مشتمل قافلہ واپسی کے سفر پر روانہ ہوا اس رواں دواں سفر میں واپسی پر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جو نسبتاً آسان تھا۔ راستے میں خوبانی، آلو بخارے، سیب کے جابجا درخت دیکھے۔ گاؤں، کھلیاں، کھائیاں دیکھے بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھا وہاں کا ہر حصہ تفریح کے قابل تھا غریب و مفلس، ہشاش بشاش چہرے دیکھے۔ گاؤں میں ایسے گھر بھی دیکھے جو باہر سے جدید انداز پر بنائے گئے تھے یہاں کی سب سے اہم بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہاں کا بہتا ہوا پانی تھا جگہ جگہ جو ہر دم رواں دواں تھا جس کی کوئی منزل نہ تھی شاید اس وجہ سے کہ کیوں کہ یہ ایک پتھریلا علاقہ ہے پہاڑوں سے آتا ہوا پانی نالیوں کی شکل میں بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا ہماری گاڑی چونکہ بھائی ڈرائیو کر رہے تھے جو پشتو انداز میں ہمیں ہنسا بھی رہے تھے اس وجہ سے اور بھی مزہ آیا پہاڑی سلسلے کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم کوئٹہ شہر میں داخل ہوئے اور ریسٹ ہاؤس آن پہنچے واہ کیا سفر تھا جو بھلائے نہ بھولے گا۔ جس کا ذکر ہم اب تک کرتے ہیں۔

ہماری گرمی بہت معیاری ہے

تنویر حسین

گرمی زوروں پر ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ اسے خوش آمدید کیسے کہا جائے گرمی اور پھر پاکستان کی گرمی توبہ توبہ ہمارے ہاں گرمی نے اپنا کچھ ایسا کریکٹر پیش کیا ہے کہ ہم اس سے نہ صرف دور دور رہتے ہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے ٹوپی، چھتری، درخت کا سایہ، سایہ دار دیوار ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ شدید دھوپ میں تو کھمبے، بانس اور بھینس کا سایہ بھی ایک طرح سے اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں جو بیبیاں پردے کی طرف دار اور اس پر کاربند ہیں۔ وہ زیادہ تر عام برقع، شٹل کاک برقع، فراک نما برقع، چادر نما برقع یا صرف چادر میں بند ہوتی ہیں۔ جبکہ گرمیوں میں ہمیں گلیوں، بازاروں اور شاہراؤں میں بڑے بڑے پردہ دار اور شرم وحیا کے پیکر مرد دکھائی دینے لگتے ہیں۔ بعض مردوں نے سفید ململ کے پرنے سے اس انداز سے گھونگھٹ نکالا ہوتا ہے بعض موٹر سائیکل سواروں نے اپنے سروں کو گیلے تولیوں سے ڈھانپا ہوتا ہے انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ صاحب صبح غسل خانے سے نہا کر نکلے ہوں گے تو انہوں نے تولیے سے کہا ہوگا کہ میں نے تمہیں سارے دن کے لئے اپنے سر، منہ، آنکھوں اور گردن کا ٹھیکہ دے دیا ہے تم نے سارا دن میرے ساتھ خوشی خوشی گزارنا ہے گھر اور باہر کی زندگی میں بہت فرق ہے۔ اے تولیے! تمہارے ساتھ میرا ایک نیا ٹھنڈا دن طلوع ہو رہا ہے تم تجربہ کار تولیے ہو وغیرہ وغیرہ

شدید گرمی میں آپ کو شاہراؤں پر ایسے حضرات بھی دیکھنے کو ملیں گے جنہوں نے اپنے سر اور چہروں کے گرد لٹھے یا ململ کا اچھا بھلا تھان لپیٹا ہوتا ہے آنکھوں کے گرد بھی سیاہ چشمہ ہوتا ہے ”گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے“ والی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

گرمیوں میں ایک صنعت بہت چلتی ہے وہ ہے پنکھوں کی پرانی کہانیوں میں عموماً جنوں کی جانیں طوطوں میں ہوتی تھیں اسی طرح آج کل ہماری جانیں پنکھوں میں ہوتی ہیں۔ کسی زمانے میں دیہات میں بجلی نہیں ہوتی تھی اس وقت آم، امرود، دھریک، شیشم اور بڑے درخت ہی پیڈسٹل اور سیلنگ فین تھے ان قدرتی پنکھوں کا یہ فائدہ تھا کہ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ساتھ کوئی خوش الحان پرندہ بھی اپنی آواز کا جادو جگا جاتا تھا ہماری زندگی سے درخت نکلے پھر خوش آواز پرندے بھی نکل گئے۔

اب ہماری زندگی میں درجنوں کے حساب سے بٹن اور پنکھے موجود ہیں اور ہم پرندوں کے پروں کی بجائے پنکھوں کے پروں کے اسیر ہو چکے ہیں ہم اگر فرش، دری یا قالین پر لیٹے ہوں تو ہماری نگاہیں چھت والے پنکھے کو مسلسل تاکتی رہتی ہیں۔

ہمیں آج تک اس فلسفے کی سمجھ نہ آ سکی کہ آخر ہم پنکھے کے پروں کو کیوں گھورتے رہتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ پنکھے کی شکل وصورت کو دیکھ کر دل میں کوئی آرزو یا امنگ بھی نہیں ابھرے گی بلکہ خدانخواستہ اگر کوئی آرزو یا امنگ بھولے سے ابھر بھی رہی ہوگی تو وہ بجلی کے بلوں کے ذریعے کہیں دبکی بیٹھی رہے گی چھت کے ساتھ ایک راڈ کے اختتام پر ایک گول برہنہ سر جس میں تین پر برآمد ہو رہے ہوتے ہیں بچہ پنکھے کو ایک کھلونا سمجھ کر حظ اٹھاتا ہے پرانے زمانے کی شاعری میں اس لئے گھنگھور گھٹاؤں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور غضب ناک برساتوں کا ذکر ہوتا تھا کہ پنکھے اور اے سی وغیرہ نہیں ہوتے تھے مغل بادشاہوں کو دنیا جہان کی نعمتیں میسر تھیں لیکن ان کی گرم دوپہریں پنکھوں کے بغیر کتنے کرب اور بے چینی میں گزری ہوں گی۔ آج کا مزدور اس دور کے کسی مغل بادشاہ کا ہم پلہ ہے کیونکہ اس کے گھر میں ایک عدد پنکھا ہے۔

ہمارے ہاں کسی کو گرمی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کے خلاف عام طور پر زہر اگلا جاتا ہے یہ گرمی ہمارے اپنے وطن کی ہے اس لئے ہم اس سے زیادہ سے زیادہ محبت ہی کر سکتے ہیں اور یہ کہ سکتے ہیں

”اے جون جولائی کی گرمی! ہمیں تجھ سے محبت ہو چکی ہے ہم تجھے مشرق سے طلوع ہوتا دیکھتے ہیں پھر تو ذرا سر چڑھ جاتی ہو اور ہمیں مزید پسند آ جاتی ہو ہم تمہیں گھروں، گھروں سے باہر، گلیوں میں، سڑکوں اور چھتوں پر غرض ہر جگہ دیکھتے ہیں تمہاری وجہ سے سکولوں کالجوں میں چھٹیاں ہو جاتی ہیں تم بہت ہی اچھی ہو۔ شربتوں، بوتلوں، لسیوں، قلفیوں، اور ستوؤں کا کاروبار ساتویں آسمان تک پہنچ جاتا ہے تم بہت ظالم محبوب ہو کیونکہ تم انسانوں کی جان بھی نکال لیتی ہو۔ ہم تمہیں صبح، دوپہر، شام اور رات تک دیکھتے رہتے ہیں کھیرے، ککڑی، خربوزے، اور آم تمہارے ساتھ ہی آتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں کے وار ہم انسان برداشت نہیں کر سکتے زندگی کے چھوٹے موٹے کام جن سے زندگی کے چہرے پر حسن دکھائی دیتا ہے کرتے ہوئے انسان نہ صرف بے زاری، محسوس کرتا ہے بلکہ انہیں گھنٹے دو گھنٹے یا کل پرسوں پر ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔

گرمیوں میں در و دیوار، فرش، چھتیں، سائیکلیں، موٹر سائیکلیں، کاریں اور بسیں سب گرم ہو جاتی ہیں اس لئے انسان گھر میں موجود ہے یا گھر سے باہر جائے۔ اس کے جسم وجاں کو اذیت ہی اذیت محسوس ہوتی ہے۔ صبح کا تھوڑا سا وقت اسے خوشگوار محسوس ہوتا ہے۔ پھر دوپہر، شام، رات کے پچھلے پہر تک اس کا ذہن و دل ماؤف سا ہو جاتا ہے اور اس کی سوچنے، سمجھنے، کہنے، سننے، اٹھنے بیٹھنے، سونے اور جاگنے کی تمام تر صلاحیتوں میں گرمی ہی گرمی بھر جاتی ہے ایسے میں پھر وہ آندھی کی بھی دعا مانگنے لگتا ہے اگرچہ اسے علم ہوتا ہے کہ آندھی نے اردگرد کی تمام گرد ایمانداری کے ساتھ اس کے گھر کے کونوں کھدروں تک پہنچا کر دم لینا ہوتا ہے۔ ہم ایک گرم ملک کے رہنے والے ہیں اس لئے ہم پرائمری، مڈل، میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے اور سی ایس ایس وغیرہ گرمی میں پاس کرتے ہیں ہمارے ہاں گرمی اتنی ذہین ہے کہ ہمیں کند ذہن اور غبی بنا دیتی ہے۔ ہماری پولیس اور گرمی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ گرمیوں میں پولیس کی وردی بہت جلدی گرم ہو جاتی ہے۔ پولیس کی گرمی عموماً موٹر سائیکل سوار یا کسی رکشا ڈرائیور پر کسی بھی چوک پر نکل سکتی ہے۔ گرمیوں میں اس بطخ پر بڑا رشک آتا ہے جو تالاب میں مزے سے تیر رہی ہوتی ہے۔ گرمیوں میں زبان ادب، لحاظ اور شائستگی بھول جاتی ہے بندہ ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اس کے عملی ثبوت سڑکوں پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ گرمیوں میں گرمی اتنی شدید پڑتی ہے کہ ہماری اسمبلیاں بھی گرم ہو جاتی ہیں اور ایل ایف او کے مسئلے پر گرما گرم بحث کرتی ہیں۔ ایک دوست نے کہا کہ میں آکسفورڈ سے پڑھ کر آیا ہوں میری انگریزی بہت اچھی ہے دوسرے نے کہا کہ میں بی سے پڑھ کر آیا ہوں اس لئے میری گرمی بہت اچھی ہے۔ گرمی کی اعلیٰ ترین مثالیں مئی جون کے مہینے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم گرمی میں کسی ملک سے پیچھے نہیں ہماری گرمی نمبر ون اور معیاری ہے۔

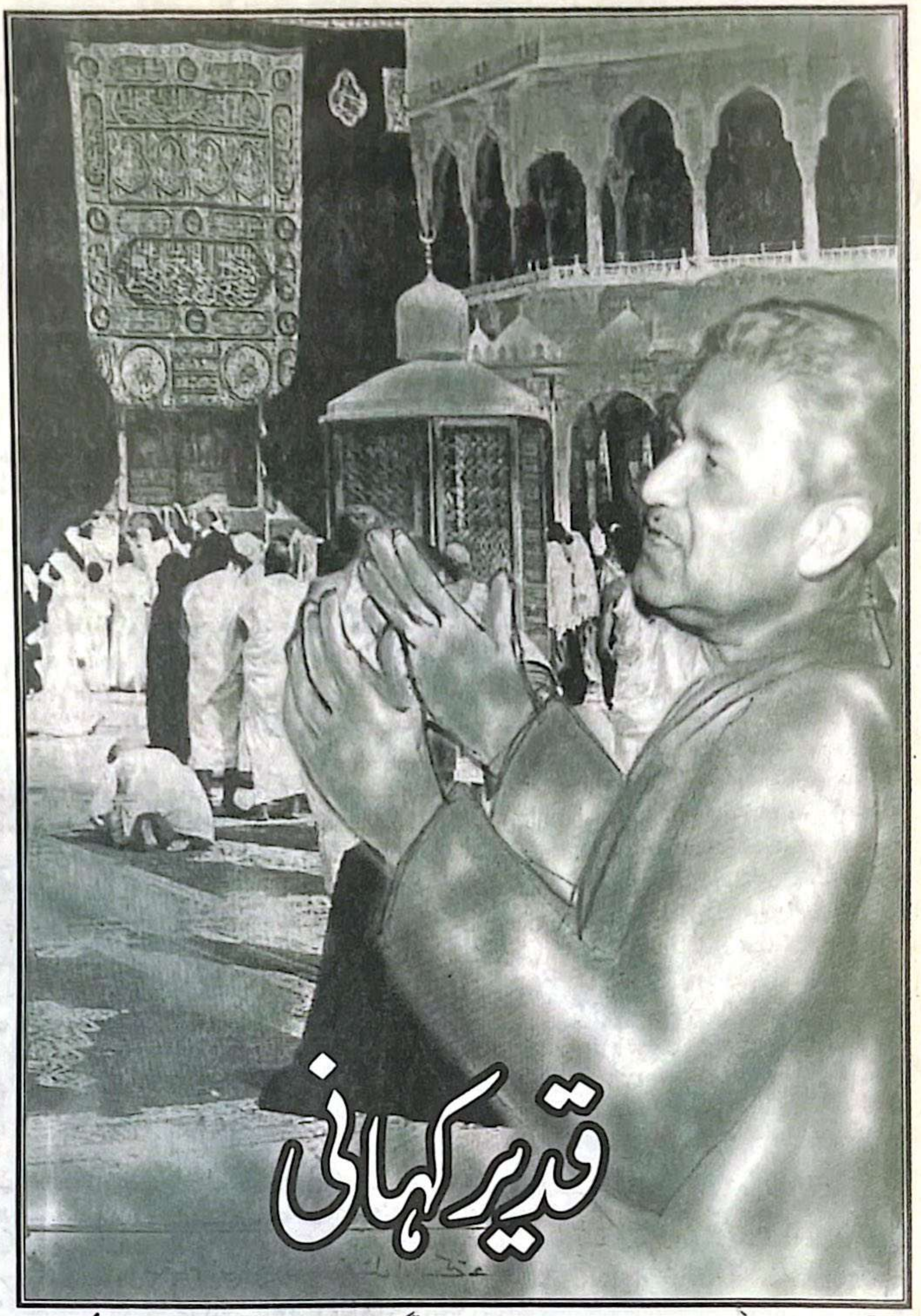

قدیر کہانی

10

شاہد نذیر چودھری

دوسری قسط

کامرانیاں وارفتگی سے چمکتے دمکتے چہروں کے بوسے لے رہی تھیں۔ ہاٹ لائن پر وزیراعظم کا ڈاکٹر اے کیو خان کی ٹیم کے ساتھ مسلسل رابطہ تھا اور پھر جب ایک عظیم الشان مقصد منزل تکمیل تک جا پہنچا تو اقبال کے شیدائیوں کا قافلہ اسلام آباد کی جانب پرواز کیلئے تیار ہو گیا۔ میں نے سنا تو میرے حواس بگڑ گئے۔ میرا وجود شاخ بید کی طرح لرزنے لگا!! ''یہ سب لوگ واپس چلے گئے تو میرا راس کوہ اکیلا رہ جائے گا'' میں نے دور سرمئی بادلوں میں گھرے ہوئے راس کوہ کی جانب اشک بار آنکھوں سے دیکھا۔ میرے چاغی کا کوہ تمکنت انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا محسن پاکستان نے اپنی گرتی ہوئی پی کیپ کو ہوا میں اچھلی ہوئی گیند کی مانند ایک مشاق کرکٹر کی طرح تھام لیا اور انہیں اپنے علاوہ کسی نادیدہ وجود کی خبر ہو گئی۔ ان کی آنکھوں میں فتح و کامرانی کی ہزاروں قندیلیں روشن تھیں۔ میرے چہرے پر روشن قندیلوں کا سایہ لہرایا تو ناامیدیوں اور یاسیت کی بڑھتی ہوئی تاریکیوں کا سینہ شق ہو گیا۔ مہدی پاکستان کے چہرے پر تبسم پھوٹا اور میرے دل میں امیدوں اور میرے وطن کی محافظت اور سربلندی اس کا تفاخر بن گئی تھی۔

محسن پاکستان لمبے ڈگ بھرتے باوقار چلتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف جا رہے تھے میں سایہ بن کر ساتھ ہو لیا۔ میرے دل بے قرار میں تمنائیں گھر گھر کر آ رہی تھیں کہ اے کاش مہدی پاکستان مجھے اپنے ساتھ لے جائیں لیکن پھر میں اپنی خواہش ناتمام پر خود ہی لاچارگی سے ہنس دیا۔ ''میرے وجود ماورائی کی انہیں کیا خبر ہو گی'' ایک ثانیے کو تو میں نے آگے بڑھ کر ان کا دامن تھامنے کی بھی جسارت کی اور انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا لیکن پھر اس کو بے ادبی خیال کیا'' لیکن میں اس مہربان مسیحا کو اپنے وجود کا احساس دلاؤں تو کیسے میں مچلا' اور میرے سینے سے کرب ناک آہ نکلی اور چاغی کے بسیط صحرا میں ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی پیشانی سے ٹکرایا ان کے سر پر پی کیپ تھی جو ہوا کی گدگدی سے ذرا سی اٹھی تو ڈاکٹر صاحب کے اسے سنبھالنے سے پہلے ہی پیچھے کو اچھلی۔ پھر اس سے قبل کہ میرے محسن کی کیپ نیچے گرتی میں آگے بڑھا۔ اسی لمحے ''دستار قدیر'' کو تھامنے کیلئے دو ہاتھ بلند ہوئے تھے۔ ایک مجھ نادیدہ کا اور دوسرا خود محسن پاکستان کا۔ ہم دونوں کے ہاتھ آپس میں ٹکرائے اور اس ثانیے ایک شرارہ سا میرے بدن میں پھوٹا تھا۔ یہ شرارہ شاید اسی ایٹم کا ذرہ تھا جس نے راس کوہ کو اس کی جڑوں سے سربلندی تک ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ محسن پاکستان کے ہاتھ کا لمس فولاد کو توانائی کا ذخیرہ بنانے والا دست ہنر...... میرے وجود کو چھو گیا اور مجھے لگا یہ شرارہ جو میرے بدن کی بھٹیوں میں بھڑکا ہے مجھے حرارت' تابندگی اور میرے قلب و نظر کو جلا بخش گیا ہے۔ یہی وہ ثانیہ تھا جب

کی کلی کھل اٹھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ انہیں ایک نادیدہ وجود کی خبر ہو گئی۔ "محسن پاکستان کی بصارتیں انہیں نادیدہ وجودوں سے آشنا کر دیتی ہیں"۔ میرے اندر ایک روشن خیال ابھرا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے اس سے قبل کہ ہیلی کاپٹر کا پٹ بند ہوتا انہوں نے ایک نظر مجھ پر ڈالی میری آنکھوں سے اپنے لئے محبت کی آبشاریں پھوٹتے ہوئے دیکھ کر وہ مسکرا دیئے اور سر کو ہلکے سے جنبش دیتے ہوئے مجھے "اذن پرواز" کا اشارہ کیا۔ پہلے تو میں نے بے یقینی سے گرد و پیش پر نظر دوڑائی اور اسے اپنا واہمہ خیال کیا کہ ممکن ہے محسن پاکستان کسی اور کو اپنے ساتھ پرواز کرنے کیلئے بلا رہے ہوں۔ مگر سب باقی اپنی سواریوں کی جانب رواں دواں تھے۔ ہیلی کاپٹر پرواز کیلئے تیار ہو رہا تھا۔ اس کا پٹ بند ہونے کو تھا کہ میرے اندر کوئی صدا سی گونجی "چلے بھی آؤ" یہ گمبھیر بھوپالی لہجہ میرے رگ و پے میں رقصاں شرارے کو بھڑکانے لگا اور میری روح لطیف آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی ہیلی کاپٹر میں پہنچ گئی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے ایک رفیق کے ساتھ ہم کلام تھے۔ میں شوق وارفتگی میں ان کے پاس پہنچا تا کہ انہیں اپنے آنے کی خبر کر دوں۔ پائلٹ نے انجن سٹارٹ کر دیا اور ہیلی کاپٹر کے، پر چاغی کی شوریدہ سر ہواؤں کا سینہ چیرنے لگے۔ میں محسن پاکستان کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر خان نے درویشانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور خفیف انداز میں سر ہلایا۔

"ڈاکٹر صاحب..! آپ نے آج اپنی قوم کو جو خوشی دی ہے یہ تاقیامت یاد رکھی جائے گی"۔ "محسن پاکستان کے رفیق کار تشکر آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے اور ہمہ تن گوش انہیں سن رہا تھا"۔ آج کے بعد ہمارے دشمن کو یہ جرأت نہیں ہو گی کہ ہماری پاک سرحدوں کی جانب میلی نظروں سے دیکھے"۔

"ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے"۔ محسن پاکستان مضبوط لہجے میں بولے ..... "اگر ہم یہ دھماکے 1985ء میں کر دیتے تو آج ہم علمی ترقی کا خاص سفر طے کر چکے ہوتے اور ہم اس منزل پر کھڑے ہوتے جہاں ہمارے لئے تحفظ کا احساس زیادہ ہوتا" یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر خان قدرے فکر مند ہوئے اور بولے......"میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایٹم بم میں ہی ہماری بقا نہیں ہے۔ یہ ہمارے تحفظ خودداری کی علامت ہے۔ لیکن ہماری ترقی جدید تعلیم کے حصول میں پوشیدہ ہے جب تک ہم ہر قصبے اور شہر میں ہنر مند ادارے قائم نہیں کریں گے تعلیمی میدان میں دھماکے نہیں کریں گے ہم پاکستان کو ایک کامل ترقی یافتہ ملک نہیں بنا سکیں گے"۔

"انشاءاللہ...... آپ کا یہ خواب بھی پورا ہو گا" ان کے رفیق نے کہا "جس ذات کریم نے آپ کو ایٹم بم بنانے کی استعداد سے مالا مال کیا اور ایک "انہونی" کو "ہونی" بنا دیا وہ آپ کا یہ خواب بھی پورا کرے گی۔"

ہیلی کاپٹر اسلام آباد پہنچا تو ہیلی پیڈ پر عاشقان قدیر ہاتھوں میں پھولوں کے تھال اور ہار اٹھائے کھڑے تھے۔ محسن پاکستان ہیلی کاپٹر سے نیچے اترے تو گلوں کی بارش نے فضا میں حیات سوز مہک پھیلا دی۔ عاشقان قدیر نعرۂ تحسین بلند کر رہے تھے۔ میں اک سایہ کی مانند اب پایۂ قدیر بن گیا تھا۔ پھول برس رہے تھے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اپنے دراز بازو کو بلند کر کے عاشقان وطن کے نعروں کا جواب دے رہے تھے۔ لوگ والہانہ آگے بڑھ کر محسن پاکستان کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ ان کی عقیدت و جذبات کا سیل رواں انہیں محسن پاکستان کے گلے لگنے پر اکسا رہا تھا لیکن اب بہت سے خاکی وردیوں میں ملبوس جوان انہیں اپنے حصار میں لے کر گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف اور پاک فوج کے سالار جنرل پرویز مشرف ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کا استقبال کرنے کیلئے تیار کھڑے تھے۔ ڈاکٹر خاں کو دیکھتے ہی ان کے چہروں پر رقصاں خوشیوں کے رنگ پھوٹنے لگے۔ ان کے لہجے فتح کی سرشاری سے گرم تھے اور سینے تفاخر سے پھولے ہوئے تھے۔ "ڈاکٹر صاحب فتح مبارک ہو" وزیراعظم نے گرمجوشی سے ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے تھے" سالار فوج نے انہیں سیلوٹ کرتے ہوئے کہا "قوم آپ پر ہمیشہ فخر کرتی رہے گی" میرا وجود لطیف مہدی پاکستان کی پذیرائی کے مناظر دیکھ کر خوشی سے جھومنے لگا۔

سہ پہر شام میں ڈھلی اور شام مارگلہ کی سیاہ چوٹیوں سے پھیلتی پورے دارالحکومت میں جگمگاتے قمقموں سے روشن ہو گئی۔ وہ ساری رات ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کیلئے مبارکوں کی رات تھی۔ ملک سے ملک کے باہر سے ہزاروں تہنیتی پیغامات آ رہے تھے۔ وہ رات پورے پاکستان میں چاغی کی جولان گاہوں کے تذکروں سے بھری تھی۔

رات سرک رہی تھی مگر محسن پاکستان کے گرد اسلام آباد کے مقتدر لوگوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ ایک صاحب بولے ڈاکٹر صاحب کو اب آرام کرنے دیں۔ خاصے تھک گئے ہیں۔

"No, Never" محسن پاکستان کے پاس کھڑے ڈاکٹر صاحب کے کارخاص ڈاکٹر نذیر احمد بولے" تھکن اور ڈاکٹر اے کیو خاں ان کا آپس میں کوئی سمجھوتہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب آج بھی لازوال جذبوں کی طرح فریش ہیں۔"

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے چہرے پر تبسم ابھرا "ڈاکٹر نذیر ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ ہم نے جس عہد کی قسم کھائی تھی اسے نبھانے کی خاطر پچھلے 25 برسوں میں کبھی بھی چین اور سکون کا چہرہ نہیں دیکھا۔ میرے یہ ساتھی سب ان تھک ہیں۔ محنت اور جفاکشی کے دوران ہی ان کو سکون ملتا ہے۔ اگر ہم تھکے ہوئے لوگ ہوتے تو کبھی اس عہد سے سرخرو نہ ہوتے۔" ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی کشادہ پیشانی پر ماضی کے شب و روز کی کہانیاں کلبلا رہی تھیں۔ "ڈاکٹر نذیر! تمہیں یاد ہے ہم کئی کئی روز تک ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر کام کرتے رہے ہیں۔"

"جی...... مجھے سب یاد ہے اور ان سب دوستوں کو بھی یاد ہے" ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے دوسرے عظیم سائنسدانوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ان میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے وطن کو ایٹمی قوت بنانے کیلئے اپنے گھروں میں چین کی نیند سوئے ہوں گے۔ عظیم کام تو عظیم لوگ ہی سرانجام دیتے ہیں" ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنے دوستوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایفائے عہد میں بہت سی قربانیاں دی تھیں۔ اس محفل میں محسن پاکستان اور دوسرے سائنسدانوں کے واقعات سن کر میں حیران ہوتا رہا اور سوچتا رہا کہ یاالٰہی کیا یہی تیرے غازی اور تیرے پراسرار بندے ہیں۔ کیا یہی تیرے وہ شیر ہیں جنہیں روباہی نہیں آتی۔ درسی کتابوں میں شاید ایسے ہی روشن ایماں صفت اور ایثار پیشہ لوگوں کی صفات بیان کی گئی تھیں۔

مجھے محسن پاکستان کی عظمت ان کی قومی خدمات اور ان سے پیش آنے والے تلخ واقعات کی روئیدادیں بھی سننے کو ملیں۔ اس دوران کئی بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر خاں کے منہ سے ایک جملہ ہی ادا ہوتا رہا۔ "اگر بیٹی میرا ساتھ نہ دیتی تو شاید میں یہ کام نہ کر پاتا" میں کور عقل نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ بیٹی کون ہے۔ جس کیلئے ڈاکٹر خان کا لہجہ عقیدت سے بھر جاتا ہے۔ خاصی رات گئے ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے گیسٹ ہاؤس سے اٹھے ان کے چہرہ پر تھکن کا اک ذرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ ان کی آنکھوں میں اب پہلے سے زیادہ اضطراب اور جوش دکھائی دے رہا تھا "بیٹی کہاں ہیں" ڈاکٹر خان نے اپنے گھر پہنچتے ہی دریافت کیا۔

"آپ کا انتظار کر رہی ہیں" انہیں مطلع کیا گیا اور ڈاکٹر خان جب اپنے دولت کدہ پر پہنچے تو شفاف اجلے چہرے کی مالک ایک میانہ قامت خاتون جس کے چہرے پر سکون اور اطمینان کی لہر موجزن تھی۔ ڈاکٹر خان کی طرف بڑھیں اور ان سے ہاتھ ملایا "مبارک ہو خان" ان کے انداز میں بے تکلفی لہجے میں شیرینی تھی۔

"بیٹی تمہیں بھی بہت بہت مبارک ہو" ڈاکٹر خان اس خاتون کے سراپۂ جمال اور مطہر چہرے کو دیکھتے ہوئے

بقیہ: صفحہ نمبر 16 پر

پھول کے دو تحفے ایک ساتھ

قدیر کہانی کے ساتھ اب صرف ایک سوال پر 10 تحفے

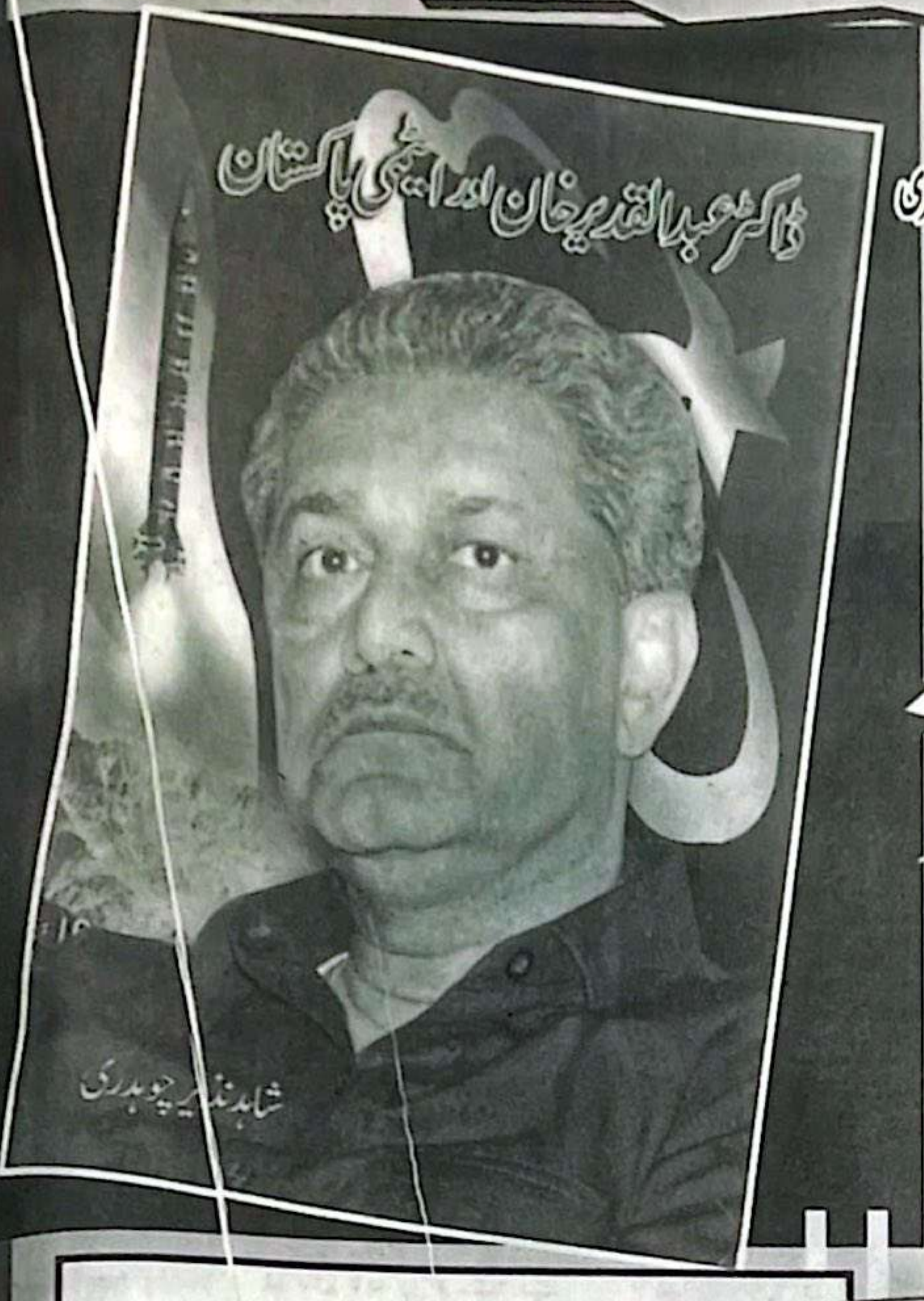

حق پبلی کیشنز A-2 سید پلازہ اردو بازار لاہور کی شائع کردہ شاہد نذیر چودھری کی کتاب ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ایٹمی پاکستان ایک ایسی کتاب جسے خود ڈاکٹر عبدالقدیر نے مستند قرار دیا

اپنے جواب اس طرح بھجیں
کہ ہمیں ہر ماہ 10 تاریخ تک مل جائیں

نام.............. عمر.............. کلاس..............
مکمل پتہ

قدیر کہانی میں محافظ پاکستان کسے کہا گیا ہے

قرعہ اندازی میں انعام نہ نکلنے کی صورت میں
آپ پھول کوپن بھیجنے پر حق پبلیکیشنز سے
یہ کتاب 50% ڈسکاونٹ پر حاصل کر سکتے ہیں

خط بھیجنے کا پتہ...... ایڈیٹر بھیا ماہنامہ پھول 4 فاطمہ جناح لاہور

صنم بے وفا

یہ آپ بیتی میرے دوست آصف بشیر کی ہے جسے ہم لاڈ سے انگریز کہتے تھے وہ بس میں سفر کر رہے تھے انہیں پوسٹر پڑھنے کی عادت تھی قریب سے ٹرک گزرا جس پر لکھا تھا صنم بے وفا انہوں نے جھٹ پڑھ ڈالا جس پر ساتھ بیٹھے ہوئے مسافروں نے اس کی چھترول کر دی جب بھی ہم یہ بات یاد کرتے ہیں تو مارے ہنسی کے گر پڑتے ہیں۔ (محمد ثناءاللہ...... فضل باغ چکی)

ایک دن ہم کلاس میں بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے تو میری کلاس فیلو مریم نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ان کے ایک رشتہ دار ایک دن اپنی مونچھیں ٹھیک کر رہے تھے کہ ایک طرف سے زیادہ کٹ گئی جب وہ دوسری طرف کو برابر کرنے لگے تو وہ بھی زیادہ کٹ گئی اس طرح ٹھیک کرتے کرتے بالآخر مونچھیں منڈ وادی۔ انہیں کہیں جانا تھا اس لئے ساری تقریب میں رومال منہ پر رکھے ہوئے تھے یہ سن کر ہماری قہقہے چھوٹ گئے لیکن جب کلاس فیلو سائرہ نے یہ کہا کہ "یہ ڈرامہ میں نے بھی دیکھا ہے" تو پھر ڈبل قہقہے ہو گئے۔

مغرور لہنگا

ایک دن ٹی وی پر نغمانہ جعفری کا گانا "میں ہوں مغرور لیلیٰ" لگا ہوا تھا میری بھتیجی بشریٰ جو کہ پانچ سال کی ہے بھاگتی ہوئی آئی اور کہنے لگی ٹی وی پر اتنا اچھا گانا لگا ہوا ہے "میں ہوں مغرور لہنگا" یہ سن کر ہم سب بہت ہنسے۔ (طیبہ رعنا...... تلہ گنگ)

آج سے پانچ چھ سال پہلے ہم لوگ اسلام آباد جا رہے تھے سفر کافی لمبا تھا بس میں ساری سواریاں سو رہی تھیں صرف ہم سب بہن بھائی جاگ رہے تھے اور باتوں میں مشغول تھے کہ اچانک بس میں موجود ایک مسافر کو زور سے چھینک آئی چھینک کی آواز سے سارے مسافر جاگ گئے ہماری دادی اماں جو کے ہمارے پاس ہی بیٹھی ہیں اونگھ رہی تھیں وہ بھی جاگ گئیں اور جلدی سے بولی "ہائے وچارا کتا گڈی تھلے آ گیا" (ہائے بے چارہ کتا گاڑی کے نیچے آ گیا)
ہم نے پوچھا کونسا کتا تو بولیں
"اوجیہڑا ہونی چو کیا سی" (وہ جو ابھی چیخا تھا)
یہ سن کر ہمارا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔

کتے کے نیچے گاڑی

میں اور میرا بھائی منیر احمد شہر سے واپس گھر آ رہے تھے کہ ہماری گاڑی سے ایک کتا ٹکرا گیا جب ہم گھر آئے سب گھر والے موجود تھے تو انہوں نے پوچھا گاڑی پر یہ خون کیسا ہے تو میں جو ذرا تیز بولتا ہوں جھٹ سے بولا دراصل کتے کے نیچے گاڑی آ گئی تھی یہ بات سنی تھی کہ سب گھر والے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔
امان اللہ راجڑ...... ڈی جی خان

کچھ آپ بیتیاں مزے کی

☆ میری کزن ہمارے گھر کچھ دن رہنے کیلئے آئی ہوئی تھی۔ ایک دن میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے ڈرایا جائے۔
اس کیلئے میں نے رات آنے کا انتظار کیا اور جب سب سو گئے تو اپنے کمرے میں جا کر الماری سے چڑیل کا ماسک نکال کر اپنے چہرے پر چڑھا لیا اور بڑی سی کالی چادر لپیٹ لی میں آہستہ آہستہ چلتی گیسٹ روم میں آئی، آرام سے دروازہ کھولا کیونکہ اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے اور سب سو چکے تھے جونہی میں نے دروازہ کھولا میرے سامنے ایک خوفناک چڑیل کھڑی تھی اور اس کے منہ سے بڑے بڑے دانت نکلے ہوئے تھے جن سے خون بہہ رہا تھا میں نے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی کافی دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور سب گھر والے میرے ارد گرد کھڑے تھے اور میرا مذاق بھی اڑا رہے تھے کیونکہ میں نے آئینے میں اپنی ہی شکل دیکھی تھی۔ خدیجہ اشرف۔ واہ کینٹ

میری کھال

میرا بھائی عبداللہ جو چار سال کا ہے پہلی دفعہ میں نے اسے بازار سے چینی لانے کے لئے بھیجا دکاندار نے اسے چینی مہنگی دی جب گھر آیا تو میرے چاچو نے کہا یہ دکاندار بہت مہنگا ہے "اے تے بندے دی چھل لا لیندا اوا" (یہ تو آدمی کی کھال اتار لیتا ہے) میرا بھائی فکر مند ہو کر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا اور بولا باجی میرے ہاتھ تو بالکل ٹھیک ہیں دکاندار نے میری کھال تو نہیں اتاری یہ سننا تھا کہ ہم سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔
وجیہہ خلیق...... فیصل آباد

مرغے کی مرغی کا چوزہ

آنٹی عابدہ کی بیٹی صالحہ (جو چار سال کی ہے) گیٹ میں کھڑی چوزوں اور مرغیوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھی کہ اچانک ایک چوزے کو مرغے کے ساتھ دیکھ کر جلدی سے بولی کہ سعدیہ آپی کیا یہ مرغے کی مرغی کا چوزہ ہے یہ سنتے ہی ہماری ہنسی آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی اور میں نے جسے بھی یہ بتایا کہ گڑیا (یعنی صالحہ) یہ کہہ رہی تو مارے ہنسی کے سب کا برا حال ہو گیا۔ سعدیہ نورین تارووال

اپنی اٹھنی

گورنمنٹ سکول کے امتحانات میں بچوں کو جوابی پرچہ خود لے کر جانا پڑتا ہے میرا بھائی علی عابد جب پہلی میں تھا تو ایک دن واپسی پر وہ حل شدہ پرچہ بھی ساتھ ہی لے آیا گھر والوں نے کہا کہ یہ کیوں لائے ہو یہ تو استاد کو دے کر آنا تھا عابد نے کہا "استاد کو کیوں دے آتا۔ اٹھنی تو میں نے اپنی لگائی تھی" (زوبینہ محمد اصغر جڑانوالہ)

آدھی درجن

ایک دفعہ میں اور جمیل احمد کوک چائے کے کپ خریدنے گئے ہم نے دکاندار سے بحث کے دوران کپوں کی قیمت دریافت کی اس نے آدھا درجن کی قیمت 60 روپے بتائی میں فوراً بول اٹھا کہ ہمیں آدھا درجن نہیں چھ عدد کپ چاہئیں میرے منہ سے یہ بات نکلنے کی دیر تھی کہ دکان میں موجود سبھی افراد ہنسنے لگے۔۔ محمد اکرام قمر چکی

پڑھنے کیلئے

ہمارے تایا زاد بھائی کی بیٹی ثمرہ کا ہمارے گھر والوں کے ساتھ بڑا پیار ہے ایک دن پڑھنے آئی تو میں نے منہ چوما گلے لگایا اور کہا چاند آیا ہے (پیار سے اسے چاند کہتے ہیں) میں صدقے جاواں، اس نے فوراً جواب دیا، جی نہیں میری امی نے مجھے صدقے جانے کیلئے نہیں پڑھنے کیلئے بھیجا ہے۔

☆ یہ آج سے تقریباً پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے میری کزنز نادیہ حسینہ اور میں یونہی بیٹھے بور ہو رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آؤ ٹی وی کی طرح کوئی پروگرام کرتے ہیں تو سب سے پہلے میں نے کہا السلام علیکم حاضرین و ناظرین ... نے بھی یہی کہا۔ اس کے بعد حسینہ نے ... حاضرین و نسرین یہ سن کر میرے اور نادیہ ... اور سارے گھر والوں کے قہقہے گونج اٹھے۔ فاطمہ ... ی۔ پشاور

مرتب: سعدیہ سید

دماغ

پاگل خانے میں ڈاکٹر ایک پاگل سے جسم کے حصوں کے نام پوچھتا ہے تو وہ سارے بتا دیتا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم تو عقلمند ہو گئے ہو۔ پاگل (خوش ہو کر) پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آخر دماغ بھی استعمال کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

صائمہ منیر۔ مدثر منیر۔ چتوکی

مرغی خانہ

ایک صاحب نے ایک مرغی خانہ کھولا۔ ایک دن انسپکٹر اس جگہ معائنے کیلئے آیا۔ اس نے اس آدمی سے پوچھا۔ ان مرغیوں کو کیا خوراک دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا' کیڑے مکوڑے انکی خوراک ہیں۔ انسپکٹر نے کہا یہ بے زبان جانوروں کے ساتھ زیادتی ہے۔ اس لئے ایک ہزار جرمانہ ادا کرو۔ کچھ دنوں بعد انسپکٹر پھر آیا اور اس نے وہی سوال کیا اس دفعہ آدمی نے خوشی سے جواب دیا۔ ان کی خوراک بادام' پستے' اخروٹ وغیرہ ہیں۔ لیکن انسپکٹر نے پھر جرمانہ لگا دیا۔ اگلی دفعہ جب انسپکٹر نے مرغیوں کی خوراک کے بارے میں پوچھا تو ان صاحب نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

''جناب! میں ان کو پیسے دے دیتا ہوں اور یہ خود ہی کھا آتی ہیں''۔ محمد صہیب خلیل۔ ڈیموں والا کلاں بچیکی

استاد کی خاطر

استاد شاگرد سے ''خالی جگہ پر کرو نو سو چوہے کھا کے بلی...... چلی''۔

شاگرد ''نو سو چوہے کھا کے بلی ٹھمک ٹھمک چلی''۔

استاد غصے میں شاگرد کے کان کو مروڑتے ہوئے ''بے وقوف تمہیں اتنے آسان سوال کا جواب نہیں معلوم''

شاگرد۔ ''جناب وہ تو میں نے آپ کا دل رکھنے کیلئے ایسا کہہ دیا تھا۔ ورنہ تو اصولاً سو چوہے کھا کے بلی چل ہی نہیں سکتی''۔

امتیاز احمد علوی۔ منچر چٹھہ

کیا ملے گا

بیالوجی کے ایک پروفیسر نے مینڈک کو چیر پھاڑ کر دکھایا اور اسکے ایک ایک حصے کی وضاحت کرتے ہوئے طلبا سے پوچھا ''اگر آپ یہی عمل انسانی جسم پر کریں تو آپ کو کیا ملے گا''؟ ''پھانسی'' ایک ذہین طالب علم نے جواب دیا۔

تابندہ جاوید۔ لاہور

ن پڑھ ہونے کا فائدہ

ایک کسان ایک گاڑی میں سفر کر رہا تھا اسکے ساتھ ایک پروفیسر بھی بیٹھ گیا۔ تھوڑا وقت گزرنے پر پروفیسر نے کسان سے کہا کہ کیوں نہ ہم ایک دوسرے سے پہیلیاں پوچھیں تا کہ سفر یادگار بن جائے۔ اور آسانی سے کٹ جائے۔

کسان نے کہا اچھا ٹھیک ہے۔ پروفیسر نے کہا کہ جو پہیلی نہ بوجھے وہ دس روپے جرمانہ ادا کرے گا۔

کسان بولا۔ میں ان پڑھ ہوں اور آپ پڑھے لکھے ہیں آپ کا تجربہ مجھ سے زیادہ ہے۔ اس لئے اگر مجھے پہیلی نہ آئے تو میں آپکو پانچ روپے ادا کروں گا۔ اگر آپ کو پہیلی نہ آئے تو آپ دس روپے ادا کریں گے۔

پروفیسر نے یہ بات منظور کرلی اور کسان کو پہیلی پوچھنے کا کہا کسان نے کہا اس جانور کا نام بتائیں جو پیدل چلے تو اسکی آنکھیں چار ہوتی ہیں اگر اڑے تو اسکی آنکھیں آٹھ ہو جاتی ہیں؟

پروفیسر نے کچھ سوچنے کے بعد دس روپے کسان کے ہاتھ میں

مسکرائیے آپکے چہرے کی قدر بڑھے گی

تھما دیئے

پروفیسر نے سوچا میں کیوں نہ یہی سوال پوچھ لوں تا کہ مجھے بھی پتا چل جائے پروفیسر نے کسان سے وہی سوال کیا۔

کسان نے خاموشی سے پانچ روپے پروفیسر کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ محمد عاقب سلیم۔ لیدھر کلاں (پھالیہ)

قہقہہ

میکسیکو میں ایک کلرک تین جڑواں بچوں کا باپ بن گیا دفتر کے سربراہ نے اسے مبارکباد دیتے ہوئے کہا

''پیٹر! میں نے سنا ہے' خدا تم پر مسکرا اٹھا ہے''؟

پیٹر نے جواب دیا ''نہیں صاحب! خدا نے تو مجھ پر زور سے قہقہہ لگایا ہے''۔

راؤ شعیب احمد دنیاپور

دروازے پر بورڈ

ایک دفعہ ایک چیونٹی' مینڈک اور کنکھجورے کی دوستی ہو گئی۔ چیونٹی نے اپنے دونوں دوستوں کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ مینڈک تو صحیح وقت پر پہنچ گیا۔ دونوں دو گھنٹے تک کنکھجورے کا انتظار کرتے رہے۔ کافی دیر بعد کنکھجورا پسینے میں شرابور وہاں پہنچا تو چیونٹی نے اسکی حالت اور دیر سے پہنچنے کی وجہ پوچھی۔ کنکھجورے نے جواب دیا کہ باہر دروازے پر بورڈ لگا تھا کہ پاؤں دھو کر اندر آئیں۔

درست جواب

ماں عمر سے۔ عمر تمہیں کتنی مرتبہ منع کیا ہے کہ کیچڑ میں مت کھیلو عمر۔ 29 مرتبہ ماں

ثبوت

استاد۔ شاگرد سے اتم یہ کیسے ثابت کرو گے کہ دنیا گول ہے۔

شاگرد۔ لیکن سر میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔

(لبنیٰ اقبال رانا۔ سمہ سٹہ)

پانچ روپے

باپ (بیٹے سے) بیٹا اگر میں تم کو پانچ روپے دوں تو تم اس کا کیا کرو گے۔

بیٹا۔ ابا جان آپ کو واپس کر دوں گا

باپ۔ (خوش ہو کر) بیٹا وہ بھلا کیوں؟

بیٹا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے سونے کے بعد آپ میرے سرہانے کے نیچے سے وہ پانچ اٹھا لیں گے۔

جاوید احمد معاویہ بچیکی

نہلے پہ دہلا

ایک شخص رات کو کہیں جا رہا تھا کہ اچانک اسکے سامنے نقاب پوش آدمی خنجر لئے آ گیا اور کہنے لگا تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے نکال دو۔

اس شخص نے نہایت اطمینان سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پستول نکال کر بولا جو کچھ تمہارے پاس ہے تم بھی نکال دو۔

صدف عبدالرحمٰن ڈوگر (میرپور خاص)

اعتراف

ایک پولیس انسپکٹر کی گھڑی گم ہو گئی۔ اس نے تھانے میں رپورٹ درج کرا دی۔ پولیس نے بہت سے آدمیوں کو پکڑ کر تفتیش شروع کر دی۔ دوسرے روز انسپکٹر نے اطلاع دی کہ گھڑی گھر سے ہی مل گئی ہے لہٰذا رپورٹ خارج کر دو۔

تھانیدار نے جواب دیا ''سر! رپورٹ اب کس طرح خارج ہو سکتی ہے آٹھ آدمی گھڑی چوری کرنے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ یسمیٰ نایاب۔ حماد حسن۔ مظفر گڑھ

جھگڑا

ایک سکھ اور مسلمان اکٹھے مچھلی پکڑ رہے تھے اچانک انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی پکڑی دونوں میں اسکو لینے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ تب مسلمان نے کہا کہ ہم دونوں میں سے جو زیادہ سخت جان ثابت ہو گا زیادہ مار کھائے گا اسکو یہ مچھلی ملے گی۔ سکھ اس پر راضی ہو گیا اور پہلے مار کھانے پر آمادہ ہو گیا۔ جب وہ خوب مار کھا چکا تو بولا اب میری باری ہے۔ اس پر مسلمان نے بڑی پھرتی سے جواب دیا۔

''مچھی دی گل سی لے پھڑ مچھی''

صباح ریاست پنڈی سید پور

ہمارے ہاں اچھی انگریزی بولنے والے کم کیوں ہیں؟

ماہر لسانیات پروفیسر مبشر ندیم کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں

مبشر ندیم دھیمے لہجے میں بات کرنے والے ایک شائستہ آدمی ہیں۔ جنکی نگاہوں میں یقین اور باتوں میں تاثیر ہے لاہور میں قائم پاکستان کی واحد ایجوکیشن یونیورسٹی میں انگریزی لسانیات کے استاد، کلاس میں ہوں یا کسی لیکچر ہال میں جب بولتے ہیں تو حاضرین حیرت سے دم سادھے انہیں سنتے ہیں۔ سرگودھا کے نواحی گاؤں پیدا ہونے والے ایک عام سے طالب علم نے اپنی فطری لگن اور محنت سے آج شہر میں بہترین انگریزی بولنے اور اصل لب و لہجہ سکھانے والے اساتذہ میں نمایاں مقام پالیا ہے۔

ان کی کامیابی کا راز جاننے کیلئے ان سے کئی نشستیں ہوئیں۔ کبھی دفتر پھول میں اور کبھی ان کے اپنے ادارے میں۔۔۔

آپ کیا جانیں میں نے کس قدر غربت کے دن دیکھے ہیں۔ وہ

مہارت حاصل کرنے، سیکھنے اور علم میں ڈوب جانے کا کام جب تک نہیں کریں گے سرداری سے محروم رہیں گے۔ دوسروں کے شر کی زد میں رہیں گے۔ مجھے محنتی لوگ اچھے لگتے ہیں وہ پروفیسر رانا محی الدین ہوں یا پروفیسر محمد بابر۔۔۔ اپنے کام سے سچی لگن والے۔۔۔ تعریف سے بے نیاز۔۔۔

میں استاد ہوں۔۔۔ اساتذہ کا سب سے بڑا مسئلہ علم سے دوری ہے جو اکثر ان کے افسروں کے رویے سے اور بڑھ جاتی ہے۔ علمی ماحول محبت سے پیدا ہوتا ہے اسی میں سیکھا جا سکتا ہے۔ رعب سے رٹے سے

دوئم ہمارے یہاں ابھی تک میڈیم اف انسٹرکشن ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اساتذہ ہوں یا طلبہ دونوں کا انگریزی سے واسطہ کم پڑتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو اچھی انگریزی سننے کو ملتی ہے اور نہ ہی اچھی انگریزی بولنے والے۔

☆۔۔۔ طلبہ انگریزی زبان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ ڈر دلوں میں بیٹھ گیا ہے جب تک کسی زبان کو اسی زبان سے نہ سیکھا جائے تب تک یہ خوف دور نہیں ہو سکتا اور اگر چند لوگ یا طلبہ کوشش کرتے ہیں تو ان کو وہ پذیرائی نہیں ملتی جو ملنی چاہئے آپ جانتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ کافی کمپلیکس ہے۔ بہت سی فورسز افراد پر ہر وقت عمل پیرا ہیں اور طلباء تو بہت ہی اہم ہیں۔ اگر سکول/کالجز میں انگریزی کو Skill کے طور پر لیا جائے تو یہ ڈر دور کیا جا سکتا ہے۔

اب چیدہ چیدہ پرائیویٹ اداروں کو ہی لے لیجئے۔ انہیں اس ڈر کو دور کرنے کیلئے کوئی خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی بلکہ وہ انگریزی زبان کو سسٹم میں لے آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے طلبہ کم از کم انگریزی زبان سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔

☆۔۔۔ آپ نے پوچھا ہے انگریزی پڑھی ہی کیوں جائے۔

ضروری نہیں انگریزی پڑھی جائے۔ لیکن گلوبل ویلج کے مکین ہونے کے ناطے اب تو ہمیں تمام حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلے کرنے ہوں گے۔ جنگ عظیم دوم سے موجودہ عراقی بحران تک انگریزی بولنے والے ممالک حاوی نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ہماری ٹریڈ بھی زیادہ انہیں ممالک سے منسلک ہے۔ اگرچہ جاپان اور چین بھی سرفہرست ہیں لیکن پچھلے 55 سالوں میں ہمارا قومی رجحان اس جانب نہیں رہا۔ اب ہم اس کے متحمل تو نہیں ہو سکتے کہ مزید 55 سال دوسری زبانوں کے سیکھنے میں لگا دیں۔ سو انگریزی کو فرنگی کی زبان سمجھ کر رد کر دینا کوئی منطق نہیں۔ پھر ہم نے اپنی زبان کے لئے بھی تو کوئی کام نہیں کیا اور اگر کوئی فرد یا ادارہ کام کر بھی رہا ہے تو اس کا حال جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا، والا ہے۔ ہم نے ان خوش بخت لوگوں کے لئے بھی تو کچھ نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری آدھی قوم انگریزی میں فیل ہو جاتی ہے

میں دورافتادہ گاؤں میں پڑھتا اور پڑھاتا رہا

بڑی سچائی سے بتاتے۔۔۔ مگر یہ غربت میرے لئے مایوسی اور نامرادی نہیں کامیابی اور کامرانی کا پیغام لائی میں نے اپنی زندگی کو اپنے خالق اور مالک کی ہدایت پر پورے یقین کے ساتھ اپنے شعبے میں مہارت حاصل کرنے کیلئے وقف کر دیا۔۔۔ ایم اے انگریزی کرنے کے بعد اسلام آباد پڑھاتے پڑھاتے میں سرگودھا کے ایک گاؤں میں بطور سبجیکٹ سپیشلسٹ چلا گیا تو کسی کو یقین نہ آتا تھا۔۔۔ گاؤں کے اس سکول میں نہ بجلی تھی، نہ لائبریری۔۔۔ میں ویگن سے لٹک کر وہاں جاتا۔۔۔ پڑھاتا اور پھر خود پڑھتا۔۔۔ رات کو بی بی سی سنتا۔ ان کے لہجوں کو نوٹ کرتا۔۔۔ انگریزی زبان کی گہرائی کو ڈھونڈتا۔۔۔ اس دوران میں نے کبھی اپنے کام کلاس اور بچوں سے بددیانتی نہیں کی۔۔۔ جو سیکھا انہیں بتایا انہیں سیکھایا۔۔۔

پھر سرگودھا شہر میں اکیڈمی کو جوائن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری زندگی کو محبتوں سے بھر دیا۔ بچوں کو میں نے علم اور مہارت دی۔ انہوں نے دعاؤں اور پیار سے میرا دامن بھر دیا سرگودھا میں گزرے یہ سال میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔۔۔ میں نے کسی ضد میں آ کر اپنے آپ کو منوانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ سیکھنے کی اور سکھانے کی کوشش کی۔ میرے نبی ﷺ کا فرمان ہے اور برحق ہے کہ جس نے کسی قوم کی زبان سیکھی وہ اس کے شر سے محفوظ ہو گیا۔۔۔

ہمیں صرف تنقید کرنا آتا ہے۔ اس میں محنت نہیں لگتی۔۔۔

اور خوف سے کوئی نہ سیکھا سکتا ہے نہ سیکھ سکتا ہے۔۔۔

میں خوش ہوں کہ مجھے اساتذہ کو سکھانے کی ذمہ داری ملی ہے ایک استاد بھی صحیح لب ولہجہ سیکھ جائے تو وہ سیکڑوں طلبہ کو سکھا سکتا ہے۔

لوگ آخر کب تک دوسروں کو ترقی کرتے اور اچھی انگریزی بولتے دیکھتے رہیں گے یہ لوگ ہماری اپنی قوم کے کیوں نہ ہوں۔۔۔ ہم مقابلہ کر سکتے ہیں سیکھ سکتے ہیں سکھا سکتے ہیں۔۔۔

بس طے تو کریں کہ کرنا ہے۔۔۔ انگریزی بولنے سے آتی ہے۔۔۔ ترجمہ کرنے اور ترجمہ کرانے سے نہیں۔

بچے ہوں یا بڑے فلمیں دیکھتے ہیں۔ وقت ضائع کرتے ہیں۔ انگریزی نیوز چینل غور سے دیکھ لیا کریں روز گھنٹہ پھر سنیں، دیکھیں

پھر شیشے کے سامنے جا کر بولیں۔۔۔ ٹیپ ریکارڈ میں اپنی آواز ریکارڈ کر کے سنیں۔۔۔ دیکھیں کس قدر جلدی ان کا لہجہ درست ہوتا ہے۔ آپس میں بولیں غلط بولیں اپنے آپ صحیح بولنے لگیں گے۔ گاڑی سٹارٹ کر کے سڑک پر لاتے نہیں وہ بھاگے گی۔

☆۔۔۔ ہمارے ہاں اچھی انگریزی بولنے والے اس لئے کم ہیں کہ دراصل ہمارے یہاں اس کو پروفیشنل لینگویج کے طور پر نہیں پڑھایا گیا۔ انگریزی سے طلبہ کا واسطہ صرف اور صرف کمرہ جماعت تک محدود ہے اور وہاں بھی کلاسیکل میتھڈ کے ذریعے انگریزی پڑھائی جاتی ہے لہذا طلبہ کو ماحول نہ ملنے کی وجہ سے اس پر پریشانی سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ یہی طلباء میدان عمل میں جاتے ہیں تو ماضی انکا پیچھا کر رہا ہوتا ہے۔

سیکھنے کی سچی لگن نے مجھے انگریزی بولنے میں ماہر کر دیا

زبان کو اسی زبان میں نہ سیکھا جائے تو وہ کبھی نہیں آتی

روٹ پہ آنے سے پہلے

ڈبل ڈیکر میں سیر

پھول نے مزے کرادئیے

رپورٹ: علی رضا

''پاکستانی بچوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں پھول جیسا تحفہ ملا ہے۔ یہ صرف رسالہ نہیں زندگی اور محبت سے بھرپور سرگرم ادارہ ہے جو صرف بچوں کیلئے سوچتا اور ان کیلئے کبھی نہ بھولنے والے پروگرام کرتا ہے۔'' ان خیالات کا اظہار ممبر قومی اسمبلی ڈاکٹر روزینہ طفیل نے پھول کے زیراہتمام مونولائٹ انٹرنیشنل کے تعاون سے لاہور کے ذہین بچوں کیلئے ڈبل ڈیکر بس کی خصوصی سیر کے سلسلہ میں منعقدہ تقریب میں کیا۔ انہیں حال ہی میں حکومت پاکستان نے سائنس کو مقبول بنانے کے خصوصی کمشن کی چیئرپرسن بھی مقرر کیا گیا ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ پھول تفریحی پروگراموں کے ساتھ ساتھ سائنس کی ترویج اور بچوں میں اس کے مطالعے اور تحقیق کے شوق کی سرپرستی جاری رکھے گا۔ انہوں نے کہا ایڈیٹر بھیا بہت توجہ اور محبت سے نئی نسل کی تربیت کر رہے ہیں اور وہ پہلے بھی ایک بار پھول کے پروگرام میں آئی تھیں۔ تب ان کے بھائی ڈاکٹر عاصم اسد پھول فورم کے مہمان تھے۔ انہوں نے پھول کے سائنسی کالم اور اب سائنس کلب کی سرگرمیوں کی تحسین کی اور کہا کہ پاکستان کی بقا اور سلامتی اسی میں ہے کہ تمام اخبارات اور رسائل اسی جذبے کے ساتھ بچوں میں سائنس کا شوق اور جستجو پیدا کریں۔ جس کا پھول نے بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ ہنس مکھ اور شائستہ اطوار ڈاکٹر روزینہ نے بچوں کیلئے سائنسی مقامات کی سیر اور مطالعے کے دوروں کا اہتمام کرنے کا بھی اعلان کیا۔ دیکھتے ہیں اس اعلان پر عمل کب ہوتا ہے۔ ویسے بھیا جی وعدوں کو پورا کروانے سے خوب واقف ہیں۔ ایوان وقت میں منعقدہ خصوصی تقریب سے مونولائٹ انٹرنیشنل کے چیئرمین جناب نواز چغتائی کی اہلیہ نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے کہا ایک عمر ملک سے باہر گزارنے کے بعد یہاں آ کر اپنی قوم کے لوگوں کی سہولت اور آسانی کیلئے میرے میاں نے بہتر ٹرانسپورٹ سروس کے اجرا کا بیڑا اٹھایا ہے۔ قریباً 140 سنگل ڈیکر بسیں اور 4 ڈبل ڈیکر بسیں لاہور کی سڑکوں پر رواں دواں ہوں گی۔ پھول رسالہ پڑھ کر خوشی اور حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر معیاری رسالہ ہمارے ملک کے بچوں کو میسر ہے۔ انہوں نے پھول کے اس قدم کو بے حد سراہا اور اس نے سب سے پہلے اپنے ممبرز کو ڈبل ڈیکر بس کی سواری اور سیر

ہر کوئی مڑ مڑ کے ہمیں دیکھ رہا تھا

35 … میں آنے والی پہلی ڈبل ڈیکر بس دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے

مسز چغتائی نے نعروں سے پہلے ہی آئس کریم کا اعلان کر دیا

ممتاز فنکار طارق جیکسن اس سفر کی عربی، چینی اور انگریزی میں کمنٹری کرتے رہے

کروائی۔ دوران پروگرام ایڈیٹر بھیا نے انہیں بتایا کہ بچوں کیلئے جوس تو ہو گا ہی بچے مہمان خصوصی کے نعرے بھی لگا دیتے ہیں تو مسز چغتائی نے تمام بچوں کو خصوصی آئس کریم کھلانے کا اعلان کیا۔ جس پر خوب تالیاں بجیں۔ مسز چغتائی اپنی گفتگو اور مینرز سے کسی ٹرانسپورٹ والی فیملی سے تو بالکل نہیں لگیں۔ ایک پڑھی لکھی اور Soft-Spoken خاتون جسے اپنے وطن اور لوگوں سے بہت پیار ہے۔ پھول گرلز کلب کی طرف سے مسز نیئر محسن نے تمام بچوں کو خوش آمدید کہا اور پھول کی مثبت اور زندگی کو بہتر بنانے والی سرگرمیوں کا ذکر کیا۔ وہ CKC میں ہونے والے خطاطی کے مقابلے میں جیتنے والے تمام بچوں کو ساتھ لائی تھیں جنہیں بطور اضافی انعام یہ سیر کروائی جانے والی تھی۔

ڈبل ڈیکر بس میں بچوں کو دفتر ''نوائے وقت'' سے ڈیفنس، گلبرگ، جیل روڈ اور مال روڈ کی سیر کروائی گئی۔ اس دوران پھول لائیو شو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تمام شرکاء سفر نے اسے بے حد سراہا۔ معروف کامیڈین اور ون مین شو کے ماہر طارق جیکسن اس شو کے خصوصی مہمان تھے۔ انہوں نے تمام سفر مختلف پروگراموں سے بچوں کو محظوظ کیا۔ ان کی پیروڈیز بے حد پسند کی گئیں۔ خاص طور پر اس سفر کی CNN، عربی چینل اور چینی ٹی وی سے خبر دی۔ یہ سامعین بہت دیر تک داد دیتے رہے۔ نوید جان میو نے پھول کے نغمے اور جناب عبدالخالق نے قومی نغمے سنائے۔ بھیا نے وقار خالق کے ابو کو بلا کر بہت اچھا کیا۔ انہیں بھی بہت خوشی ہوئی۔ ایڈیٹر پھول اختر عباس تمام سفر میں بچوں کے ساتھ رہے۔ انہوں نے مونولائٹ انٹرنیشنل کے کرنل سلطان کا شکریہ ادا کیا کہ جن کے تعاون سے اس لائیو شو اور ڈبل ڈیکر بس سفر کا اہتمام کیا گیا۔

سفر کے اختتام پر آصف احسان، اقراء، ضیاء اللہ ساجد، صدف، آسیہ، بلال، دعا سعید نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بے حد خوشی کا اظہار کیا کہ پھول نے جدت میں اپنی روایت قائم رکھی اور سب سے پہلے اپنے پڑھنے، لکھنے اور ممبرز کیلئے ایسی یادگار ایکٹویٹی کا اہتمام کیا۔

یہ سفر میری زندگی کا بہت ہی یادگار سفر رہا۔ میرے ابو پنجاب پبلک لائبریری میں چیف لائبریرین ہیں۔ انہوں نے ہی ایڈیٹر بھیا سے مجھے اس سیر کا پاس منگوا کر دیا تھا اور چھوڑ کر بھی وہی گئے۔ دوران سفر سب بچوں کی خواہش رہی کہ اوپر والی منزل پہ بیٹھیں وہاں سے گزرتی کاریں چھوٹی لگتی ہیں۔ ہر کوئی مڑ مڑ کے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم کبھی ہاتھ ہلاتے، کبھی مسکراتے...... دو گھنٹے اتنی جلدی گزر گئے کہ پتہ ہی نہیں چلا۔ ڈبل ڈیکر بس لاہور میں 30، 35 سال کے بعد آئی ہے اسلئے اکثر لوگ حیرت سے دیکھتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں کہ ملک میں نئی نئی چیزیں آ رہی ہیں۔ اس کے ڈرائیور کے پاس اپنا مائیک سسٹم ہے وہی اعلان کیا کرے گا۔ ہم نے اس مائیک پر پورا لائیو شو سنا۔ راحت بیکری کے قریب ہی ہمارا گھر ہے۔ جب بس وہاں سے گزری تو میرا بڑا دل چاہا کہ کسی طریقے سے گھر والوں کو میرا پتہ چل جائے مگر یہ خیال دل میں ہی رہ گیا۔ البتہ

پھول صرف رسالہ نہیں محبت اور زندگی سے بھرپور ادارہ ہے

ڈاکٹر روزینہ طفیل

کنٹونمنٹ بورڈ سکول سرور روڈ لاہور کینٹ جہاں میں پڑھتا ہوں، وہاں اپنے دوستوں کو اگلے روز جب میں اپنی سیر کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہا تھا تو اکثر کو تو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ اب میری تحریر پڑھیں گے تصویر دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ پھول کا یہی تو کمال ہے اپنے پرانے ہی نہیں نئے ساتھیوں کو بھی خوشیوں اور حیرتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔

میرے دوست تو اس سیر کا یقین نہیں کر رہے تھے

خصوصی تعاون: مونولائٹ انٹرنیشنل

''نعتیں ہم سنتے ہیں اثر یورپ والے لیتے ہیں''

پھول کلب چیچکی کے زیر اہتمام اساتذہ کیلئے یادگار تعمیر سیرت کانفرنس

رپورٹ: جمیل احمد کوکب چیچکی۔ معاون: امجد حسین رضوی
بمقام: الحسین پبلک ماڈل ہائی سکول چیچکی کمپرنگ۔ فلک شیر مجاہد۔ تصاویر: محمد اکرم قمر، فرحان سردار، محمد توصیف سیال

صورت تو صرف ظاہری خدوخال کی آئینہ دار ہوتی ہے لیکن سیرت اس کے باطن کی عکاس ہوتی ہے۔ اچھی سیرت سے انسان ہمیشہ زندہ رہتا ہے لوگوں کی باتوں خیالوں میں اور دلوں میں ہمیشہ کیلئے گھر کر لیتا ہے۔ صورت مٹ جاتی ہے لیکن سیرت ہمیشہ زندہ رہتی ہے جو جیسی سیرت کا مالک ہوتا ہے تاریخ اسے اسی طرح یاد کرتی ہے۔ سیرت وہ پھول ہے جس کی خوشبو سے انسان خود اور دوسرے دیر تک مہکتے رہتے ہیں۔ جب استاد باسیرت ہوں گے تو ایک خوشنما گلشن نما معاشرہ وجود میں آئے گا جس کی آرزو کی جاتی ہے۔ پھول کلب چیچکی نے الحسین پبلک ماڈل سکول کے تعاون سے علاقے کے اساتذہ کرام کیلئے ایک خصوصی تعمیر سیرت کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جس کی خاص بات لاہور سے ایڈیٹر بھیا کی اس پروگرام کیلئے بطور خاص آمد تھی۔ اس پروگرام کا تمام انتظام بھائی فلک شیر مجاہد نے کیا۔ انہی کاوشوں سے یہ کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس میں علاقے کے ٹیچرز اور معززین نے شرکت کی جن کی وجہ سے کانفرنس بجی، بجی تھی وہ تھے سب کے پیارے ایڈیٹر بھیا، اختر عباس

پروگرام کا آغاز کلام الٰہی سے ہوا حافظ احسان اللہ کو دعوت دی گئی۔ ملک عبدالسلام نے نعت پڑھی۔ اس کے بعد جمیل احمد کوکب کو اسٹیج پر بلایا گیا انہوں نے (ادب سے بیٹھو خدا گواہ ہے وہ آرہے ہیں وہ آرہے ہیں) سنائی اور حاضرین کے دل موہ لئے اس کے بعد پروگرام کی جان، کانفرنس کے خصوصی مہمان جناب اختر عباس کو اسٹیج پر دعوت دی گئی۔

ایڈیٹر بھیا کی پیار بھری باتیں

کچھ الفاظ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ ایک طرف سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ جمیل احمد کوکب نے جب نعت پڑھی ان کو سننے میں محو ہو گیا مجھے یہ نعت سن کے ایسا لگا کہ جیسے میں مدینہ منورہ کی کچی گلیوں میں بیٹھا ہوا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صحابی دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ دوسرے صحابیؓ نے دوڑنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے چند دن پہلے فرمایا کہ اگر کوئی دکاندار گاہک سے اپنی دی ہوئی چیز کو خوش دلی سے واپس لے لیتا ہے تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔ میں تین دن سے اسی انتظار میں تھا کہ کوئی بندہ مجھ سے خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنے آئے سو آج ایک بندہ مجھے خریدی ہوئی چیز واپس کر گیا۔ اور میں اسی خوشی میں اللہ کے نبی ﷺ کے دربار جا رہا ہوں۔

☆...... یورپ کے ممالک میں خریدی چیز دکاندار بلا روک ٹوک واپس لے لیتے ہیں لیکن ہمارے اس ملک میں دکاندار پہلی بات تو یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز واپس نہیں لیتے اگر لے بھی لیں تو جھگڑے کے ساتھ واپس لیتے ہیں سوچتا ہوں نعتیں ہم سنتے ہیں نعتیں ہم پڑھتے ہیں اثر یورپ والے لیتے ہیں...... ہم بھی کیا کمال لوگ ہیں۔ نعتوں پر سر دھنتے ہیں آنحضور ﷺ کے نام پر اپنے ہی ہاتھ چومتے ہیں۔ جہاں ان کی بات پہ عمل کی باری آتی ہے پوری بات پہ بھاری پتھر سمجھ کر گھر کے پچھواڑے احترام سے رکھ دیتے ہیں نہ نظر آئے نہ عمل کرنا پڑے...... خود بھی یہی کرتے ہیں دوسروں سے بھی یہی کرواتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے چڑیا گھر جانے کا اتفاق ہوا ایک بھاری بھرکم ہاتھی دیکھا جس کے پاؤں باریک سے سنگل سے بندھے ہوئے تھے حالانکہ ہاتھی اتنا طاقتور جانور ہے کہ اگر وہ دیوار کو ٹکر مارے تو دیوار گرا دے۔ ایک سنگل تو کیا ایسے بیس پچیس سنگل توڑ سکتا ہے میں نے پاس کھڑے مہاوت سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر بتایا کہ جناب اس کا استاد میں ہوں جب یہ چند دن کا تھا اس وقت میں نے اس کے پاؤں میں سنگل ڈالا اس وقت ہاتھی نے اسے توڑنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ ٹوٹ سکا۔ پھر بعد میں اس نے توڑنے کی سعی چھوڑ دی۔ اس دن سے ہاتھی کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ سنگل کو نہیں توڑ سکتا۔ یہ ہاتھی کا یقین ہے اسی یقین پر مضبوطی سے قائم ہے یقین کے سہارے سیرتیں بنتی ہیں اس سے تقدیریں۔ جس کا عقیدہ جیسا اس کی سیرت ویسی عمل بھی ویسا ہم دیکھنے میں پورے انسان ہیں مگر عمل میں ہاتھی کے بچے جیسے جو سنگل دیکھ کر سمجھتا ہے کہ نہیں توڑ سکتا۔

ہم سب کی زندگی میں کچھ نہ کچھ یقین ہوتا ہے استاد اس یقین کو بہتر بنا سکتا ہے پھول اسی کو بہتر بنا رہا ہے۔

اگر ہم چائے کے پیالے کو یقین سے تشبیہ دیں تو اب اس میں چائے نیا نیا یقین Faith ڈالنا ضروری ہے۔

جب کوئی نصیحت کر رہا ہوتا ہے تو وہ وقت ہمارے اوپر ناگوار سا لگتا ہے ہر نئی بات سنتے وقت ہم اپنے دل کو بند کر لیتے ہیں۔ سوچتے ہیں ہم کو بہت علم ہے ہم تو سیکھے سکھائے لوگ ہیں ہمیشہ وہی لوگ زندہ رہتے ہیں جن کی کچھ سوچ ہوتی ہے اپنے خواب ہوتے ہیں جن لوگوں کی زندگی میں سوچ نہیں ہوتی تبدیلی نہیں آتی وہ تاریخ کی کتابوں میں دفن ہو جاتے ہیں آپ استاد ہو آپ آئیڈیل بنتے ہو بن سکتے ہو مگر نئی بات سیکھتے ہو سکھاتے ہو قوم کو بہتر کرنے کوئی باہر سے نہیں آئے گا۔ آپ بہتر ہوں گے تو بچے بہتر بنیں گے۔

انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کو اللہ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ہمکنار کیا ہے۔ اپنی مرضی سے سوچ سکتا ہے خواب دیکھ سکتا ہے پھر ان خوابوں کو پورا کر سکتا ہے۔

اساتذہ چاہیں تو نئی نسل کا ''یقین'' بدل سکتے ہیں

جو لوگ سوچتے ہیں کہ وہ سب جانتے ہیں اکثر وہ کچھ نہیں جانتے

BACK TO QUAID-I-AZAM

3 جون 1947 کے تاریخی دن کی کہانی جب برصغیر کے 10 کروڑ مسلمان ریڈیو سے ایک اعلان سننے کے منتظر تھے۔ ہندو مہا سبھائی رکاوٹیں ڈال رہے تھے آزادی کے دو متوالوں نے اس سازش کو کیسے ناکام بنایا۔ قائد سے محبت کرنے والوں کیلئے خاص

منظر وحید

پاکستان کے طول و عرض میں آج بھی لاکھوں ایسے مسلمان بزرگ موجود ہیں۔ جنہیں جون کا وہ گرم دن اچھی طرح یاد ہے جب انہوں نے پاکستان بننے سے پہلے پاکستان بنانے والے کی زبان سے پاکستان زندہ باد، کا حیات افروز نعرہ سنا تھا وہ اس وقت تحریک پاکستان کے جواں سپاہی تھے۔ اور قائداعظم محمد علی جناح کی زبان سے پاکستان زندہ باد کے الفاظ سن کر خلیج بنگال سے خیبر تک عوام خوشی سے اچھل پڑے۔ تحریک پاکستان کے سرور سالار قافلہ قائداعظمؒ نے یہ نعرہ قیام پاکستان سے دس ہفتے قبل 3 جون 1947 کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے اپنی پہلی اور آخری تقریر کے اختتام پر بلند کیا تھا بہت سے بزرگ اور پاکستان میں پیدا ہو کر پلنے بڑھنے والے افراد نہیں جانتے کہ پاکستان کو حقیقت بنتا دیکھ کر تعصب سے پاگل ہو جانے والے ہندو آخری لمحے تک قائداعظمؒ کی تقریر میں رکاوٹ ڈالنے سے باز نہیں آئے انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ آل انڈیا ریڈیو سے تقسیم ہند کے منصوبے پر قائداعظمؒ کی تقریر مسلمان سامعین کے پلے ہی نہ پڑے جو سارے ہندوستان میں اپنے رہنما کی زبان سے یہ سننے کیلئے ہمہ تن گوش تھے کہ مسلمانوں کی آزادی کے علمبردار اور قافلہ سالار نے آخرکار انگریز اور ہندو سے اپنا یہ مطالبہ تسلیم کرا لیا ہے کہ انگریز ہندوستان کو تسلیم کرے اور واپس جائے اس سازش کو اس زمانے میں دہلی میں متعین دو مسلمان افسروں محمد سرفراز اور سید انصار ناصری نے ناکام بنا دیا محمد سرفراز قیام پاکستان کے بعد وزارت اطلاعات و نشریات میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے اور براڈ کاسٹنگ سروس سے منسلک سید انصار ناصری ممتاز انداز میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ریڈیو پاکستان کے اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے 3 جون 1947 کو انصار ناصری آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ڈیوٹی پر تھے وہ اس دن کے واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ انہوں نے ہی قائداعظم کی تاریخی تقریر کا اردو ترجمہ نشر کیا تھا جو اب قومی دستاویزات کا حصہ ہے قائداعظم نے اس تقریر کے شروع میں چند جملے ایسے بھی کہے جو متن میں نہیں تھے پاکستان زندہ باد کے الفاظ بھی متن میں نہیں تھے۔ 1947 کی عبوری کابینہ میں اطلاعات و نشریات کے وزیر سردار ولبھ بھائی پٹیل تھے سردار پٹیل آزادی کے بعد پنڈت نہرو کی کابینہ میں وزیر داخلہ رہے ان کا شمار پاکستان کے کٹر مخالفین میں ہوتا ہے قائداعظمؒ کی تقریر کو مسخ کرنے کی کوشش سردار پٹیل کے خاص افسر نگاچ نے کی تھی 23 مارچ 1940 کو قرارداد پاکستان کی منظوری اور 14 اگست 1947 کے درمیان 3 جون 1947 نہایت اہم تاریخ ہے اس دن مسلم لیگ کے مطالبے کے مطابق ہندوستان کو پاکستان اور بھارت میں تقسیم کرنے کے منصوبے کا اعلان ہوا تھا اس موقع پر وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن قائداعظم محمد علی جناح سردار بلدیو سنگھ اور پنڈت نہرو نے تقسیم کے منصوبے پر آل انڈیا ریڈیو دہلی سے تقریریں کی تھیں ماؤنٹ بیٹن پنڈت نہرو اور سکھوں کے نمائندے سردار بلدیو سنگھ نے انگریزی میں خطاب کیا قائداعظم کے انگریزی خطاب کا اردو ترجمہ بھی نشر ہوا آل انڈیا ریڈیو کی اس خصوصی مجلس کے انچارج سید انصار ناصری تھے سید انصار ناصری نے بعد میں اپنے تاثرات میں بیان کرتے ہوئے لکھا کہ جب آل انڈیا ریڈیو دہلی کے ٹرانسمیٹروں سے قائداعظم کی حوصلہ انگیز اور گرجدار آواز میں پہلی بار "پاکستان زندہ باد" اور نعرہ حریت گونجا تو اس کی گھن گرج سے ابنائے ہند کے تمام طاغوتی طلسمات اور جورو استبداد اور ظلم و استحصال کی تمام بندشیں ایک دم جھنجھنا کر پاش پاش ہو گئیں 3 جون 1947 کا دن برصغیر کی نشریات کی تاریخ میں بھی یادگار حیثیت رکھتا ہے کہ اس دن ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن آج بنفس نفیس براڈ کاسٹنگ ہاؤس نئی دہلی سے نہ صرف برطانوی حکومت کے خاتمے بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے متحدہ مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال کر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا اعلان کرنے آئے تھے کانگریس کی طرف سے گاندھی کے منظور نظر پنڈت جواہر لال نہرو جو قیام پاکستان کو گئو ماتا کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے برابر گردانتے تھے خود قیام پاکستان کے فیصلے کی تائید کرنے پدھارے تھے اسی طرح حکومت ہند کے وزیر دفاع اور اقلیتی فرقوں کے نمائندے سردار بلدیو سنگھ بھی قیام پاکستان کے فیصلے پر آمنا و صدقنا کہنے براجمان ہوئے تھے اور اپنی حق پرستی راست گوئی اور قانونی فراست سے ان سب کو شکست فاش دیکر مطالبہ پاکستان کو منظور کرانے والے مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح فاتحانہ شان سے حصول پاکستان کا اعلان کرنے تشریف لائے تھے ان دنوں سردار ولبھ بھائی پٹیل وزیر اطلاعات و نشریات تھے انہوں نے ہمارے سابق کنٹرولر براڈ کاسٹنگ پروفیسر احمد شاہ بخاری (پطرس) کی جگہ اپنے ایک مہا سبھائی منظور نظر پی سی چودھری کو کنٹرولر کی حیثیت سے تعینات کیا تھا۔ یہ حضرت خود تو مانے ہوئے مسلم کش تھے ہی بے شمار کٹر مہا سبھائیوں کی فوج ظفر موج بھی براڈ کاسٹنگ میں لے آئے۔ انہی میں یکندر نگاچ بھی تھے جنہیں ریڈیو کی زبان کو شدھی کرنے کی خدمات پر مامور کیا گیا تھا۔ ان کی منظوری کے بغیر دہلی ریڈیو اسٹیشن سے کسی پروگرام یا تقریر کا مسودہ نشر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور نگاچ خود ہر تقریر کے مسودے کو اس وقت تک نشر کرنے کیلئے منظور نہیں کرتے تھے جب تک بری طرح اس کا حلیہ بگاڑ کر نہ رکھ دیں یعنی دہلی کی سیدھی سادی روزمرہ کی بول چال کی زبان کو الٹی چھری سے ذبح کر کے اس میں پراچین زمانے کی کڈھب سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ کی غلط ملط آمیزش سے ایسی اول جلول بھاشا بنا ڈالتے تھے جس کا پڑھنا مشکل اور سن کر سمجھنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا مجھے قائداعظم کی انگریزی تقریر کا جو ہندوستانی ترجمہ نشر کرنے کیلئے صرف آدھ گھنٹے پہلے دیا گیا تھا وہ بھی انہی نگاچ کا ایسا ہی شاہکار تھا انصار ناصری خود بتاتے ہیں کہ اسے دیکھ کر میں سنانے کے عالم میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا سرکار کے نادر شاہی حکم کے مطابق یہ تقریریں اور ان کے ہندوستانی ترجمے ٹاپ سیکرٹ رکھے گئے تھے اور نشر کے مقررہ وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے مقفل الماریوں سے نکالے گئے تھے اگر میں سرکاری طور پر منظور شدہ نگاچ کا تیار کیا ہوا قائداعظم کی تقریر کا ہندوستانی ترجمہ نشر کر دیتا تو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان جو اس وقت ملک بھر کے کونے کونے میں اپنے اپنے ریڈیو سیٹوں میں کان لگائے حصول پاکستان کے بارے میں قائداعظم کے ارشادات سننے کیلئے بے تاب تھے ان کی بے تاب ان کی بے حد دل آزادی ہوتی اور کسی کی بھی سمجھ میں نہ آتا کہ کیا فیصلہ ہوا اور قائداعظمؒ نے کیا فرمایا انصار ناصری کا کہنا ہے کہ اللہ مغفرت فرمائے محمد سرفراز مرحوم کی جنہوں نے معلوم نہیں کس طرح قائداعظمؒ کی کوٹھی (نمبر ۱۰ اورنگزیب سٹریٹ نئی دہلی) سے ان کی اصل تقریر کی ایک نقل صرف چند ساعت پہلے لا کر مجھے دے دی۔ اور میں نے جلدی جلدی اس کا اردو ترجمہ تیار کر لیا اور کنٹرولر صاحب کے قہر و غضب اور نوکری سے برطرف کئے جانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے نگاچ کے ہندوستانی ترجمے کو نظر انداز کر کے اپنا تیار کردہ اردو ترجمہ ہی نشر کرنے کا فیصلہ کیا میں قائداعظم کی تقریر کا اردو ترجمہ لئے سٹوڈیو نمبر ۱۱ میں بیٹھا تھا کہ جو قائداعظمؒ کے سٹوڈیو ۸ سے خاصا دور تھا۔ قائداعظمؒ کی تقریر میرے سٹوڈیو کے لاؤڈ سپیکر سے سنائی دے رہی تھی۔ میں اپنی اس وقت کی وحشت اور کرب کی حالت بیان نہیں کر سکتا جب میں نے سنا کہ قائداعظمؒ چند جملے فی البدیہہ فرما رہے تھے میرے پاس ان کے ابتدائی فی البدیہہ جملوں کا ترجمہ کہاں تھا میں نے ان کی تقریر کا اصل متن کا ترجمہ ہی کیا تھا۔ میرا بس نہیں چلتا کہ سٹوڈیو سے بھاگ جاؤں یا کیا کروں اتنے میں وہی سرفراز مرحوم (جو بعد میں ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر نیوز بنے) فرشتہ رحمت بن کر میرے سٹوڈیو میں داخل ہوئے اور ایک کاغذ ڈالتے میری طرف ڈالتے ہوئے فرمایا کہ قائداعظمؒ کے وہی ابتدائی الفاظ ہیں ان کا فوری طور پر ترجمہ کر کے قائداعظم کی اصل تقریر کے ترجمے سے پہلے پڑھنے ہوں گے میری جان میں جان آئی اب جو اس کاغذ پر نظر ڈالی تو پانچ سات سطروں کا اچھا خاصا پیرا گراف تھا میں نے اسی کاغذ پر ان جملوں کا ترجمہ کر لیا اور حسب ہدایت اسی طرح قائداعظمؒ کی اصل تقریر کے ترجمے سے پہلے انہیں پڑھا قائداعظم نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد چند ثانیے کا ڈرامائی وقفہ دیکر اپنی گرجدار آواز قدرے بلند کر کے زور سے نعرہ بلند کیا 'پاکستان زندہ باد، یہ بھی ان کی تقریر کے اصل مسودے میں درج نہیں تھا لیکن انہوں نے ہندوستان کے کروڑوں سننے والوں کو یہ مژدہ سنانے کیلئے کہ پاکستان حاصل ہو گیا ہے دانستہ یہ نعرہ لگایا تھا مترجم کی حیثیت سے میرا یہ فرض تھا کہ قائداعظم کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کا ترجمہ نشر کروں۔ چنانچہ میں نے بھی ترجمے کے اختتام پر اسی طرح پورے زور سے نعرہ لگایا۔ "پاکستان زندہ باد" قائداعظمؒ نے ابتدائی سے متن سے ہٹ کر یہ کہا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آج مجھے دہلی کے اس ریڈیو کے ذریعے آپ حضرات سے براہ راست گفتگو کرنے کا موقع دیا گیا ہے میرا خیال ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی غیر سرکاری شخص کو اس طاقتور آلے کے ذریعے سیاسی مسائل پر عوام سے براہ راست خطاب کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ یہ آغاز اچھا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں ایسی سہولتیں زیادہ تر حاصل ہوتی رہیں گی۔ تاکہ آپ لوگوں تک میرے خیالات و نظریات اخباروں کے سرد و جامد الفاظ کی بجائے زندگی کی حرارت سے بھرپور میری اپنی آواز میں پہنچ سکیں گے۔ تقسیم کے منصوبے پر قائداعظمؒ نے یہ کہا تھا" یہ تو ظاہر ہے کہ یہ منصوبہ بعض اہم معاملات میں ہمارے نقطہ نظر کے عین مطابق نہیں ہے اس لئے ہم یہ نہیں سمجھتے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس منصوبے سے پوری طرح مطمئن ہیں اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس پر پوری طرح غور کریں اور دیکھیں ملک معظم کی طرف سے جو منصوبہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے آیا ہمیں اسے ایک مصالحت یا سمجھوتے کے طور پر قبول کر لینا چاہئے کہ نہیں۔ میں نے مسلم لیگ آل انڈیا کونسل کا اجلاس 9 کو طلب کیا ہے۔ کونسل ہی ہمارے دستور ہماری سابقہ روایات اور طریق کار کے مطابق آخری فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ میں مسلم لیگ کے تمام لیڈروں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہمارے عوام کو منظم کریں تاکہ وہ استصواب رائے میں ہمت اور حوصلے کے ساتھ پرامید ہو کر حصہ لیں مجھے بھروسہ ہے کہ سرحد کے عوام متفقہ طور پر یک زبان اور یک دل ہو کر پاکستان ہی کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں گے۔ "پاکستان زندہ باد"

شبیر احمد، جاوید اقبال (ترنڈہ محمد پناہ)

ایک کالم نیا سا

This is what we think

ان کیلئے جنہیں بہتر سوچنا اچھا لگتا ہے

منصور فائز

عنوان ہمارے خیالات آپ کے

ش سے شکر اور شکوہ ۔ مگر ہم کیا کرتے ہیں

بظاہر دو لفظ شکر اور شکوہ لیکن تاثر ایک دوسرے کے متضاد۔ شکر سے سکون، سکھ اور شکوے سے نہ اپنے لئے سکون اور دوسرے کے لئے سکھ، شکر اور شکوہ زندگی کے ساتھ ساتھ ہے۔ لیکن شکر کرتے ہوئے سوچ کی تاریں نہ ہلائیے اور شکوہ کرتے ہوئے خوب سوچ لیجئے ممکن ہے ایسے میں دوسروں کو کہیں زیادہ ایذا ہو جو آپ کی ایذا سے بڑھ کر ہو جس سے زبان پر شکوہ آیا اور اپنے رب سے توفیق مانگیئے۔ شکر کی اور صبر کی۔ ایسے میں آپ بھی سکھی رہیں گے اور دوسرے بھی اور اللہ توفیق مانگنے والے سے ناراضگی ویسے بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اک وقفے کے بعد میں پھر آپ کے ساتھ ہوں اور ہاں اگلے تین ماہ کے عنوان کچھ یوں ہیں

☆ جو گزر گیا بہتر ہے یا برے وقت اور برے رویوں کو بار بار یاد کر کے دکھی ہونا (جون)

☆ تعلق تو بنائے ہی نبھانے کے لئے جاتے ہیں (جولائی)

☆ اپنی غلطی کے اعتراف میں پہل۔ کیا آپ نے کبھی ایسا کیا (اگست)

آپ کی آراء ہمیں 10 جون تک مل جانی چاہئیں۔ کوشش کیجیئے کہ کچھ ایسا ہو کہ اندر لگے جالے اتر جائیں۔ اور جالے تو جالے ہیں یہ جب دیواروں پر اچھے نہیں لگتے تو اندر کیوں۔

مختلف پھول ساتھیوں کے گزشتہ موضوع پر کچھ ایسا سوچتے ہیں۔

☆ سعدیہ یاسین منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ سے رقم طراز ہیں۔ جب اللہ جی اور ان کی عنائتوں کے متعلق بندہ سوچتا ہے تو خود بخود زبان سے شکر کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں اور وہ رب تو ہم سے اتنا پیار کرتا ہے کہ سوچ سے بھی بالاتر ہے پھر بھی ہم انسان ہیں خطاؤں کے پتلے۔ اچھا خاصا پٹڑی سے اتر جاتے ہیں جب ہم سوچتے ہیں کہ بعض چیزوں سے ہمارا دامن خالی کیوں ہے تو ایسے میں شکوہ بھی ہوتا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ کچھ نہ ملنے پر ناراضگی تب تو ہو سکتی ہے حق تھا اور نہیں ملا۔ ادھار تھا واپس نہیں ہوا جو نعمت مفت میں ملنی تھی بغیر حق کے اس پر شکوہ کیسا۔

☆ سعدیہ نازلی رانا۔ کسووال سے کچھ اچھا سوچتے ہوئے کہتی ہیں شکر کے بجائے شکوہ منہ سے نکلتا ہے اور اگر کبھی شکر بھی ادا کیا (نعوذ باللہ) تو ایسے جیسے اللہ تعالیٰ پر احسان ہے مسلمان ہوتے ہوئے صرف ش سے شکر ہی زیب دیتا ہے باقی ہر کام میں کچھ مصلحت تو ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے تو گھاٹے کا سودا ہے شکووں کے انبار لگانے سے بہتر شکر کرنا ہے اس سے نہ دل تنگ ہوتا ہے اور نہ ضمیر پر کوئی بار ہی رہتا ہے۔

☆ سمیرا شفیق جڑانوالہ سے ایک دعا کے ساتھ کچھ یوں کہتی ہیں کہ ہمیں دعا کرنی چاہئے اے اللہ ہمیں صبر اور شکر کرنے والی زبان اور دل عطا فرما ہم انسان ہیں خطا کے پتلے دوسرا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ کسی مشکل پر شکوہ کرنے کے بجائے صبر کریں اور اگر دل میں صبر پیدا ہو گیا تو زبان شکر سے لبریز ہو جائے گی بس اللہ کا فرمایا یاد رکھیں اور تم میرا شکر کرو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا (آمین) جو انسانوں کا شکر نہیں کرتا وہ اکثر رب کا شکر بھی نہیں کرتا۔

☆ عاصمہ افضل: نارنگ منڈی سے ذرا مختلف سوچتی ہیں کہ ہم تو شکوے ہی کرتے ہیں اپنے رب سے اپنے ارد گرد سے لوگوں سے، اور ایسے میں شکر کا موقع نکل جاتا ہے کیا ہی بہتر ہو کہ ایسا نہ کریں تا کہ موقع تو ملتا ہی ہے کسی سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکے۔

☆ شائلہ اقبال: بدوملہی سے ناپ تول کے ساتھ کہتی ہیں۔ عموماً شکر کم اور شکوہ زیادہ۔

اور میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے حصے کے شکر کی شمع ضرور روشن کرنی چاہئے کیونکہ شکوہ ظلمت شب جیسا ہے اس سے مایوسی اور بے صبری کے اندھیرے میں شگاف ضرور آ جائے گا۔

☆ توقیر سجاد ظہیر، پنڈ سلطانی سے، ایک خاص بات اور اچھے مشورے کے ساتھ ذرا خوبصورت سوچ لئے۔

شکر اور شکوہ اپنوں سے ہی ہوتا ہے اور مقام بندگی یہ ہے کہ بن مانگے کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے اور اگر محرومی ہو تو مشیت ایزدی جان کر شکوے سے بچا جائے اور اگر شکوہ کریں بھی خصوصاً اللہ تعالیٰ سے تو ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ کہیں آپ کے اندر ہی تو کھوٹ نہیں۔ جیسا کہ علامہ محمد اقبال کی شکوہ اور جواب شکوہ سے خاصا پتہ چلتا ہے۔

☆ تحریم جاوید: فیصل آباد سے مختصر لیکن خوبصورت بات کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ ہمیں زیب نہیں دیتا اور ہماری حرص ہی ایسی ہے جو پوری نہیں ہو سکتی۔ بہتر بات یہ ہے کہ صرف شکر ادا کریں اپنے رب کا اپنے پیاروں کا اپنے دوستوں کا سب کا ہمیں۔ مگر ہم ان کو شکر اور شکریے کے دو لفظ بھی نہیں دیتے۔

☆ خرم افتخار: ڈنڈوت سے ذرا ہٹ کے سوچتے ہوئے کہتے ہیں شکر اور شکوہ ایک ہی لفظ سے ملکر بنے ہیں مگر اگر کوئی آدمی ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے لیکن ہمیں اس میں کوئی مادی مفاد نظر نہ آئے تو ہم شکر کے بجائے شکوہ کرتے ہیں یہی معاملہ اللہ کا اور اس کے بندے کا ہے دیکھا جائے تو اس نے ہمیں بہت نوازا ہے لیکن اگر ہماری دعا قبول نہ ہو تو ہمیں اللہ سے بھی شکایت ہونے لگتی ہے ایسا ہونا بھی گناہ جیسا لگتا ہے۔

☆ محمد اشتیاق سلیمی، کچھ یوں کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے لیکن اگر کوئی چیز ہمیں حاصل نہ ہو تو ہم شکوہ کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کیوں بہت کچھ ہمیں بن مانگے مل جاتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے اور کتنا بہتر اس لئے شکر واجب ہے اور شکوہ سے پرہیز ہی ٹھیک ہے۔

☆ صائمہ کنیز: لاہور سے شکر اور شکوہ کی اپنے الفاظ میں یوں وضاحت کرتی ہیں کہ شکر سے مٹھاس کا احساس اجاگر ہوتا ہے اور شکوے سے کڑواہٹ اور ہمیں چاہئے کہ مٹھاس بانٹیں مٹھاس دیں کیونکہ مٹھاس ہر اک کی پسند ہے اور کرواہٹ سے تو جانور بھی دور بھاگتا ہے شکوہ نہ ہی کریں تو بہتر ہے اور اللہ سے شکوہ کرنا ایسے ہی جیسا مزید مشکل چاہتے ہوں صرف شکر کی مٹھاس ہی زندگی کو بھر سکتی ہے۔

جو انسانوں کا شکر نہیں کرتے وہ رب کا شکر بھی نہیں کرتے

مقام بندگی یہی ہے کہ بن مانگے کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے

ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہیں اپنے اندر کھوٹ تو نہیں

سب ہمیں دیتے اور ہم شکر اور شکریے کے دو لفظ بھی نہیں دے پاتے

Scanned with CamScanner

طلع البدر علینا

فائزہ عروج

ہمارے حضورﷺ کو حکم ہوا تھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں۔ اپنا اخلاق اچھا رکھیں سختی اور درشتگی سے کام نہ لیں۔ جبھی تو آپﷺ کی اعلیٰ اخلاقیات اور شفقت سے متاثر ہو کر لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے یاد رکھئے اخلاق سے عاری وہی لوگ وہی ہوتے ہیں جو عقل سے بھی عاری ہوتے ہیں اور با اخلاق لوگ ہار سنگھار کے بوٹوں جیسے ہوتے ہیں سال بھر ہرے بھرے رہنے والے صرف دیکھنے میں ہی اچھے نہیں لگتے برتنے میں بھی دل کو خوش کر دیتے ہیں یہ محبتی اور نرم خو لوگ رب کے بڑے پیارے ہوتے ہیں۔

اے میرے اللہ تو میری قوم کی خطاؤں کو بخش دے یہ نہیں جانتے میں کون ہوں ورنہ یہ کبھی ایسا سلوک نہ کرتے

آیت آف دی منتھ

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے وہ ان کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا انکے ساتھی شیاطین ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔'' (سورہ البقر)

حدیث آف دی منتھ

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا ایک شخص کہیں جا رہا تھا اسے سخت پیاس لگی چنانچہ اس نے ایک کنوئیں میں اتر کر پانی پیا اور باہر نکل آیا اچانک اسے ایک کتا نظر آیا جو ہانپ رہا تھا اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا تو اس شخص نے سوچا کہ اس کتے کا بھی پیاس سے وہی حال ہوگا جو میرا تھا لہٰذا اس نے کنوئیں میں اتر کر اپنا موزہ پانی سے بھرا اسے منہ میں پکڑ کر باہر نکلا اور کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کو قبول فرما لیا اور اسے بخش دیا'' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ کیا جانوروں کو کھلانے پلانے کا بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا ہر ذی حیات کو کھلانے پلانے کا ثواب ہے۔''

نقش قدم

مسافر...... سرزمین مقدس پر
پہلا قدم رکھنے ہی والا تھا......
خیال آیا......
میں کیسے پاؤں رکھ دوں
اس زمین پر
جہاں حبیب پاکﷺ نے قدم مبارک رکھے ہوں
یہ۔ تو مقام ادب ہے......
سر کے بل چلنے اور پلکیں بچھانے کا مقام ہے
پھر اسے یاد آیا......
وہ آج تک اپنی دعاؤں میں
آرزو کرتا رہا ہے
حضورﷺ کے نقش پا پہ چلنے کی
یہ سوچ کر اس نے
جوتا اتارا...... تھیلے میں ڈالا
اور ننگے پاؤں ہی چل پڑا
منزل کو پانے

''سید المرسلین''

حضور اکرمﷺ سے پہلے ہر قوم میں رسول بھیجا گیا تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔ ان میں سے ہر رسول صرف اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوا۔ جبکہ نبی اکرمﷺ رہتی دنیا تک تمام نوع انسان کے لئے مبعوث ہوئے۔ حکم باری تعالیٰ ہوا کہ آپ فرمایئے اے لوگو میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور رسول بھی کیسے رحمت العالمین جن کی زبان اقدس سے کسی کے حق میں بددعا نہیں نکلی چاہے وہ بدترین دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تو پڑھا ہوگا جب آپ نے اپنی قوم کو عذاب کی خبر دی۔ لیکن قوم نے توبہ و استغفار شروع کر دی تو اللہ کا عذاب ٹل گیا آپ خشمناک ہو کر وطن سے چل پڑے کشتی میں سوار ہوئے تو دریا میں پھینک دیئے گئے۔ مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ توبہ کی اور اپنے رب کی پاکیزگی بیان کر کے معافی مانگنے لگے۔ ایسے ہی حضرت نوح نے تقریباً ہزار سال اپنی قوم میں تبلیغ کی مگر چند ایک افراد ہی ایمان لائے۔ آپ نے مایوس ہو کر دعا کی کہ میں نے دن رات کئی برسوں تک اس قوم کو تیری طرف بلایا لیکن یہ مسلمان نہ ہوئے تو ان کو تباہ و برباد کر دے کیونکہ یہ کافر ہیں تو ان کی اولاد بھی کافر و فاجر ہوگی چنانچہ حضرت نوح کی دعا قبول ہوئی اور قوم کی قوم طوفان میں غرق ہوگئی۔

اب ذرا سید المرسلین کی حیات طیبہ کا جائزہ لیں کفار مکہ نے آپ پر کیا کیا ظلم نہ ڈھائے مگر آپﷺ کی زبان مبارک سے بددعا کا کلمہ تک نہ نکلا۔ ذرا چشم تصور سے یہ منظر دیکھئے طائف کی سرزمین ہے۔ آپ تبلیغ کرنے نکلے ہیں مگر وہاں کے رہنے والوں نے آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپﷺ کے نعلین مبارک لہو سے بھر گئے ہیں، لباس خون سے تر ہے آوارہ بچے اور سرکش نوجوان مذاق اڑاتے پھبتیاں کستے آپ کا پیچھا کر رہے ہیں آپ جو عالمین کے سردار ہیں آپ کے ساتھ اس قسم کا سلوک دیکھنے والوں کی روتے روتے چیخیں نہ نکل جائیں۔ دشمنوں کے لئے دل اور دامن بددعاؤں سے نہ بھر جائے؟ خادم نے بھی یہی عرض کیا یا رسول اللہﷺ ہمارے ماں باپ آپﷺ پر قربان ان بدکرداروں کے حق میں بددعا فرمائیں تاکہ اللہ انہیں سزا دے اور انہیں تباہ و برباد کر دے۔ عرش سے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ آپﷺ کا حکم ہو تو ان ظالموں کو دو پہاڑوں میں چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیں۔ تبھی حضور اکرمﷺ کے دست مبارک بلند ہوتے ہیں مگر بددعا کے لئے نہیں...... دعا کے لئے...... آپﷺ فرماتے ہیں ''اے میرے اللہ تو میری قوم کی خطاؤں کو بخش دے یہ نہیں جانتے میں کون ہوں ورنہ یہ کبھی ایسا سلوک نہ کرتے الٰہی ان کو بصیرت عطا فرما اور ان کو اپنے عذاب سے بچا کیونکہ یہ نہیں تو ان کی اولاد میں سے ہی کوئی ضرور تیرا نام لیوا پیدا ہو جائے گا۔

مقصود نہیں میرا ایشتوں کے محلات
مطلوب ہے مجھ کو تو مدینے کا بسیرا
آنکھوں میں غبار رہ طیبہ کو سجالو
خیرہ نہ کرے گا کبھی باطل کا اندھیرا
(خورشید احمد منظوری چھینہ ضلع قصور)

جبریل امین اور نورانی تارہ

ایک مرتبہ حضورﷺ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ اے جبریل تمہاری عمر کتنی ہے تو جبریل نے عرض کیا مجھے کچھ خبر نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار برس بعد چمکتا

میرے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہی نورانی تارہ ہوں

تھا میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا ہے حضورﷺ نے یہ سن کر فرمایا ''میرے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہی نورانی تارہ ہوں۔ (جمیل احمد کوکب بچیکی کا ''مولانا محمد بشیر'' کی کتاب سے انتخاب)

دنیا کا سب سے بڑا برتن

نبی اکرمﷺ نے فرمایا! ''انسان کا پیٹ بدترین اور بہت بڑا برتن ہے جسے وہ ہمیشہ بھرتا رہتا ہے۔ حالانکہ اسے زندہ رہنے کے لئے صرف چند لقمے کافی ہیں'' کھاتے وقت شکم کی ایک تہائی غذا سے بھرو دوسری تہائی پانی سے اور تیسری تنفس میں آسانی کے لئے خالی رہنے دو''

(ارج نصیر ڈیرہ اسماعیل خان کا ''کتاب'' محبوبﷺ کے حسن و جمال کا منظر'' سے انتخاب)

گئے جو آپ آسمان پر تو آسمان نے
قدم کے ہر نشان کو مہ تمام لکھ دیا

میرے حضور آچکے تو رب کائنات نے
نبوتوں رسالتوں پہ اختتام لکھ دیا

(''مظفر وارثی'' کی ''میرے اچھے رسول'' سے آمنہ احمد سرگودھا کی پسند)

ایک معجزہ

حضرت عکاشہ بن محصنؓ وہ جلیل القادر صحابی ہیں جو میدان بدر میں شریک جہاد ہوئے کفار سے لڑتے ہوئے جب ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو شاہ امم سلطان مدینہ ﷺ نے کھجور کی ایک چھڑی ان کے ہاتھ میں پکڑا دی تو یہ اس سے دشمن پر وار کرنے لگے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چھڑی تلوار کا روپ دھار گئی اور پھر یہ معجزاتی تلوار زندگی بھر ان کے پاس رہی جس کے ذریعے وہ دشمنوں کے پرخچے اڑاتے رہے۔ (مریم احمد فیصل آباد)

کفار کے اعتراضات اور قرآن حکیم کے جوابات

کفار نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے ہمارے لئے کوئی فرشتہ کیوں نہ رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اس کے جواب میں رب الملائک نے فرمایا

''آپ ﷺ فرمایئے کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے'' (سورہ بنی اسرائیل)

کفار نے کہا آپ ﷺ شاعر ہیں اور ساتھ کاہن بھی رب کریم نے فرمایا

''پس قسم ہے ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور ان کی جو نہیں دیکھتے۔ نہ یہ قول ہے رسول کریم کا اور نہیں ہے قول کسی شاعر کا لیکن تم تھوڑا یقین کرتے ہو۔ نہ ہی یہ قول کسی کاہن کا ہے لیکن تم تھوڑا ہی غور کرتے ہو۔ یہ رب العالمین نے نازل فرمایا ہے۔ (الحاقہ)

کفار نے ایک اور اعتراض کیا کہ آپ مردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے اس پر سورہ انعام میں جواب دیا گیا۔

''اور جب آپ دیکھیں ان لوگوں کو جو بکتے ہیں ہماری آیات میں تو ان سے کنارہ کیجئے اگر ہم ان پر فرشتے اتاریں اور کلام کریں ان سے مردے اور زندہ کریں ہر چیز ان کے سامنے پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہیں مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ یہ تو اکثر نادان ہی ہیں۔

''اللہ اور اس کا رسول''

جنگ تبوک میں حضرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے نو سو اونٹ پیش کئے۔ حضرت ابوایوب انصاری نے رات بھر آبپاشی کر کے دو سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کئے تھے اور وہ چھوہارے محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے تھے۔ پروانہ رسالت حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے گھر کا سارا اثاثہ خدمت اقدس میں لا کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر حاضر خدمت کر دی تھیں اور جب محبوب خدا نے دریافت فرمایا بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو تو اس پیکر صدق و صفا نے جواب میں عرض کیا ''اللہ اور اسکا رسول''

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

''اسوہ حسنہ''

آپ ﷺ کی تمام امت اور نوع انسانی کا ہر فرد اپنی زندگی کے ہر مسئلے کا حل حضور ﷺ کی حیات اقدس سے حاصل کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ بادشاہ ایسے کہ پورا ملک ان کی مٹھی میں ہے اور بے بس ایسے کہ خود اپنے آپ کو بھی اپنے قبضہ میں نہیں جانتے بلکہ خدا کے قبضے میں دولت مند ایسے کہ ان کے دارالحکومت میں خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے آرہے ہیں اور قانع ایسے کہ مہینوں ان کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت ان پر فاقے گزرتے ہوں۔ سپہ سالار ایسے کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی کی ہو اور صلح پسند ایسے کہ ہزاروں پرجوش جان نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چوں چرا دستخط کر دیتے ہوں۔ شجاع و بہادر ایسے کہ ہزاروں کے مقابلے میں تنہا کھڑے ہوں اور نرم دل ایسے کہ کبھی انہوں نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔ باتعلق ایسے کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی ان کو فکر بیوی بچوں کی فکر غریب و مفلس مسلمانوں کی فکر خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی فکر' غرض سارے سنسار کی فکر اور بے تعلق ایسے کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد تک ان کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز فراموش ہو۔

دل وز عشق اور توانا مے شود
خاک ہمدوش ثریا مے شود

''آخری بات''

بہت دن ہوئے کہیں ایک بہت اچھی سی بات پڑھی تھی کہ ''اس کائنات سے جاتے وقت کم از کم اتنی نیکی' بھلائی اور اچھائی چھوڑ کر جاؤ جتنی تم نے آتے ہوئے پائی تھی۔ اس زمین پر گناہوں کا بوجھ تمہارے وجود سے بڑھنے نہ پائے۔ بلکہ زمین سے برائی کا خاتمہ کرو۔ نیکیاں پھیلاؤ' آسانیاں پیدا کرو ویسے بھی ہمارا دین مشکلات پیدا کرنے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کائنات کچھ لینے اور دینے کے سسٹم پر چلتی ہے آسانیاں بانٹو گے تو تمہیں بھی آسانیاں ملیں گی۔ یہ کائنات کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتی۔ یہاں جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کا اصول چلتا ہے اعمال ربڑ کی گیند کی طرح باؤنس ہو کر جلد یا بدیر واپس آجاتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ بارش تبھی برستی ہے جب ہوا بخارات کو لے کر اوپر جاتی ہے۔ ہماری نیتیں اور اعمال اس ہوا اور بخارات کی طرح ہوتے ہیں سیانے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین پر جب تک رہو احسن طریقے سے زندگی گزارو' عاجز اور شاکر بن کر' نیکیاں پھیلاتے ہوئے جب اس زمین کے اندر جاؤ گے تو یہ زمین بھی تمہارے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئے گی۔ لحد تمہیں مہد کی طرح رکھے گی۔ جو لوگ زمین کے اوپر بگاڑ پیدا کرتے ہیں فساد پھیلاتے ہیں زمین انہیں اپنے اندر چین سے نہیں رہنے دیتی۔ یہ زمین تو ان لوگوں سے پیار کرتی ہے اور اپنے اندر جنتیں سمیٹے ان کا انتظار کرتی ہے جو اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں۔ محبت دینا' محبت پانا' عجز و انکساری سے پیش آنا ان کا شعار ہوتا ہے۔ آسانیاں بانٹنا اور نیکیاں پھیلانا انہیں پسند ہوتا ہے۔ انہیں دیا جلانا آتا ہے اور دیئے سے دیا جلے تو روشنی پھیلتی جاتی ہے۔ اندھیرے کم ہوتے جاتے ہیں۔

ہمارا دین مشکلات پیدا کرنے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے کو پسند نہیں کرتا

دولت مند ایسے کہ ان کے دارالحکومت میں خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے آرہے ہیں اور قانع ایسے کہ مہینوں ان کے گھر چولہا نہ جلتا ہو

نجمہ سعدیہ

مدراسی بریانی

اشیاء:۔گوشت ایک کلو‘ دہی ایک پاؤ‘ ٹماٹر ایک پاؤ‘ پیاز ایک پاؤ‘ سرخ مرچ پاؤڈر‘ ہلدی‘ گرم مسالہ‘ نمک ادرک‘ لہسن پسے ہوئے حسب ضرورت چاول ایک کلو زردے کا رنگ حسب ضرورت‘ دودھ یا پانی زردے کا رنگ گھولنے کیلئے لیموں ایک گرم مسالہ آدھا کھانے کا چمچ

ترکیب:۔گوشت صاف کرکے اس کے ٹکڑے کرلیں۔ پھر ایک پتیلی میں ڈالڈا گھی ڈال کر اس میں پیاز ڈال کر براؤن کرلیں۔اب گوشت ڈال کر تمام مسالہ ڈالیں پھر گلنے کے بعد پانی ڈال دیں۔ گلنے پر بھونیں پھر دہی ڈال کر مزید بھونیں۔گرم مسالہ اور پیاز ڈال کر بھونیں اچھی طرح بھون کر قورمہ تیار کرلیں۔چاول صاف کرکے بھگو دیں۔ پھر ان کو ابالتے وقت تھوڑا سا نمک اور سفید زیرہ بھی ڈال دیں ایک پتیلی میں پہلے چاولوں کی تہہ لگالیں پھر قورمے کی اس طرح دو تین تہہ لگائیں۔دودھ یا پانی میں زردہ گھول کر چاروں طرف چھڑک دیں پھر بریانی کو دم پر رکھ دیں 15 سے 20 منٹ تک مزیدار مدراسی بریانی تیار ہوگی۔

ٹماٹر کی چٹنی

اشیاء:۔ٹماٹر ڈیڑھ پاؤ‘ پیاز کٹے ہوئے آدھا پاؤ‘ سرکہ 1/4 کپ‘ چینی چائے کا ایک چمچ‘ زیتون کا تیل‘ کھانے کے دو چمچ لہسن 1/2 ٹی سپون

ترکیب:۔ایک پین میں تیل گرم کریں۔اس میں پیاز اور لہسن ڈال کر پکالیں کہ پیاز نرم ہوجائے پھر سرکہ ملادیں کھلے منہ کے برتن میں پکنے دیں یہاں تک کہ مرکب کی مقدار نصف رہ جائے پھر اس میں چینی ڈال دیں اور دس منٹ تک پکنے دیں جب گاڑھی ہوجائے تو اتارلیں۔ یہ چھ افراد کیلئے ہے اور 4 سے 5 دن تک استعمال کرسکتے ہیں۔اس چٹنی کو گوشت اور سبزیوں کی ڈشوں کے ساتھ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مینگو اسکواش

اشیاء:۔آم کا رس ایک لیٹر‘ چینی ایک کلوگرام‘ پانی تین کپ فوڈ کلر چوتھائی چائے کا چمچہ‘ پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ نصف چائے کا چمچ

ترکیب:۔ایک برتن میں پانی اور چینی ڈال کر مکس کریں اور برتن کو چولہے پر رکھ دیں تاکہ چاشنی تیار ہوجائے اس دوران آم کا رس باریک ململ کے کپڑے میں ڈال کر پوٹلی بنا کر چھان لیں آم کے اس رس کو چینی کی چاشنی میں ملائیں ساتھ ہی فوڈ کلر اور پوٹاشیم میٹا بائی سلفائٹ ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کریں اور ٹھنڈا ہونے کیلئے رکھ دیں اس کے بعد شیشے کی بوتلوں میں بھر کر محفوظ کرلیں اور بوقت ضرورت استعمال میں لائیں۔

آڑو کا شربت

اشیاء:۔آڑو آدھا کلو + چینی تین پاؤ + پانی ایک کلو

ترکیب:۔آڑو چھیل کر اس کے ٹکڑے کرلیں اور اندر سے گٹھلی نکال دیں۔اب چینی کو پانی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور ایک جوش آنے پر آڑو اس میں ڈال دیں۔ دو چار منٹ پکنے دیں۔ جب آڑو گل جائیں تو اتارلیں۔اتارنے

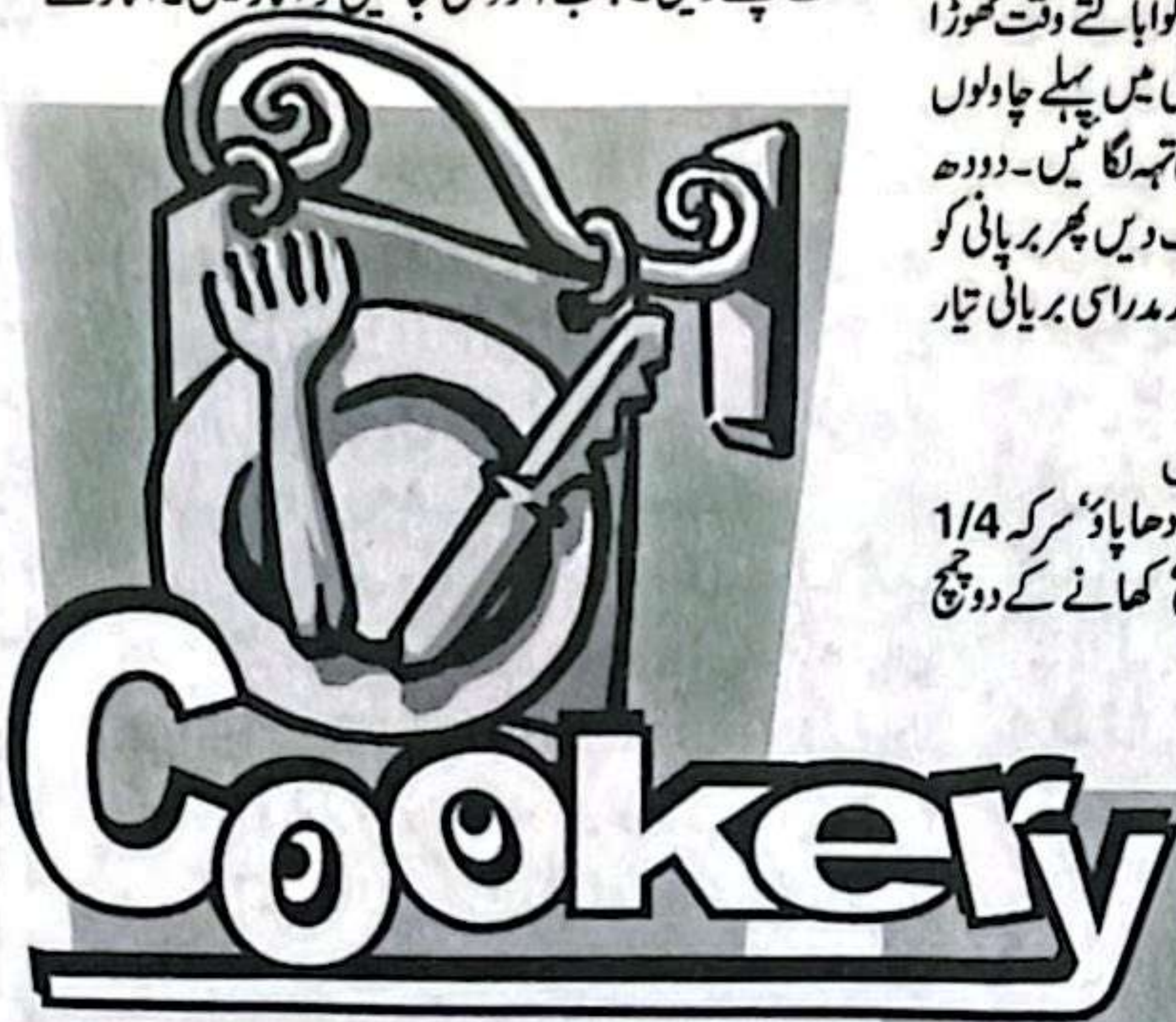

سے پہلے دیکھ لیں کہ شربت ایک تار ہوگیا۔ٹھنڈا ہونے پر اس کو باریک کپڑے سے چھان لیں اور بوتلوں کو خشک کرکے یہ شربت بوتلوں میں بھرلیں اور بقیہ آڑو سویٹ ڈش کی طرح کریم ڈال کر کھائے جاسکتے ہیں۔

آلو بخارے کا مربہ

آلو بخارے میٹھے آدھ کلو‘ چینی تین پاؤ‘ عرق گلاب 4 کھانے کے چمچ‘ سیاہ مرچ دس عدد‘ سبز الائچی چھ عدد

ترکیب:۔آلو بخاروں کو ٹھنڈے پانی سے دھوکر کھلے منہ کی پتیلی میں ڈال کر پتیلی میں آدھ کلو چینی‘ ایک پاؤ پانی اور عرق گلاب ڈال کر دھیمی آگ پر پکنے دیں۔ یہاں تک کہ چاشنی کی تار بننے لگے۔اب اس میں آلو بخارے ڈال کر پکائیں۔ ساتھ ہی باقی چینی ڈال دیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو آلو بخاروں کی گٹھلیاں اور چھلکے علیحدہ کرلیں اور شہد کی طرح گاڑھے مربے کو ٹھنڈا ہونے کیلئے رکھ دیں۔ جب یہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس میں سیاہ مرچ اور سبز الائچی ڈال دیں۔اب اس کو ٹھنڈا کرکے بوتل میں ڈال دیں اور ٹھنڈی جگہ پر رکھیں اور بوتلوں کو مضبوطی سے ڈھکن بند کرلیں تاکہ مربہ خراب نہ ہوجائے۔

کچھ فائدے موسمی پھلوں کے

آڑو۔سوگرام آڑو میں ایک گرام پروٹین‘ ۸ گرام کاربوہائیڈریٹ اور ۳۸ حرارے پائے جاتے ہیں۔مزاج کے اعتبار سے اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے۔یہ معدہ اور جگر کو طاقت دیتا ہے۔پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے اس کے کھانے سے خون کی گرمی رفع ہوتی ہے اور اگر گرمی کی وجہ سے طبیعت میں گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہو تو دور ہو جاتی ہے۔

آلو بخارا

آلو بخارا پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے۔جگر کی گرمی کی شکایت نہیں رہتی اس کے پتوں کا جوشاندہ گرمیوں میں آپ کو نزلہ زکام سے محفوظ رکھتا ہے اور خون کی گرمی کو بھی کم کرتا ہے۔

آم

یہ وٹامن اے اور سی سے بھرپور ہوتا ہے۔آم گردے اور مثانے اور دیگر اعضاء کیلئے نہایت مفید ہے یہ خون صاف کرتا ہے آم میں کاربوہائیڈریٹ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس لئے ایسے مریضوں کیلئے آم نقصان دہ ہے جن کو بلڈ پریشر ذیابیطس اور دمہ کی شکایت ہو آم کھانے کے بعد اگر دودھ پی لیا جائے تو آم جلد ہضم ہوجاتا ہے۔

TIP KA TIME

چکنی جلد کیلئے ماسک

ملتانی مٹی ایک کھانے کا چمچ‘ ہلدی ایک چٹکی‘ شہد ایک کھانے کا چمچ حسب ضرورت پانی ڈال کر سب چیزوں کا ماسک تیار کرلیں 15 سے 20 منٹ تک چہرے پر لگا کر خاموشی سے کسی پرسکون جگہ پر بیٹھ جائیں یہ مناسب حد تک چکنائی کو جذب کرے گا اب روئی کی مدد سے ماسک کو چہرے سے صاف کردیں اور ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں اور عرق گلاب میں روئی بھگو کر چہرے پر لگالیں اس سے چہرہ خشکی کا شکار نہیں ہوتا اور آپ کا چہرہ بہت فریش اور خوبصورت بھی نظر آئے گا۔

اپنے چہرے کو گرمی کی شدت سے بچائیں

اگر چکنی مٹی کا ماسک مہیا نہ ہو تو یا اس طرح کرنا مشکل لگے تو مہینے میں ایک بار کلینزنگ کروالیں اس سے جلد ملائم رہتی ہے اور چہرے پر کیل مہاسے بھی زیادہ نہیں نکلتے۔

پانی وافر مقدار میں پئیں تقریباً 8 سے 12 گلاس

کوشش کریں کہ اگر آپ کے چہرے پر کیل مہاسے زیادہ نکلتے ہیں تو گرمیوں میں میک اپ کم سے کم استعمال کریں۔اگر کبھی رات یا دن میں گرمیوں کا کوئی فنکشن ہو تو میک اپ کرنے سے 15 منٹ پہلے عرق گلاب اور بیسن کا محلول بنا کر 5 منٹ تک چہرے پر لگالیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے منہ دھوئیں اس سے آپ کے چہرے کا میک اپ دیر تک صحیح رہے گا۔گرمیوں میں زیادہ ٹھنڈا دودھ دیر سے ہضم ہوتا ہے اس لئے مناسب مقدار میں ٹھنڈا دودھ استعمال کریں۔

اگر گرمیوں میں دوپہر کو کھانے کے مقدار کم کے مکئی کو ابال کر کھائیں تو ایک ہفتے میں 6 پاؤنڈ وزن کم ہوتا ہے۔

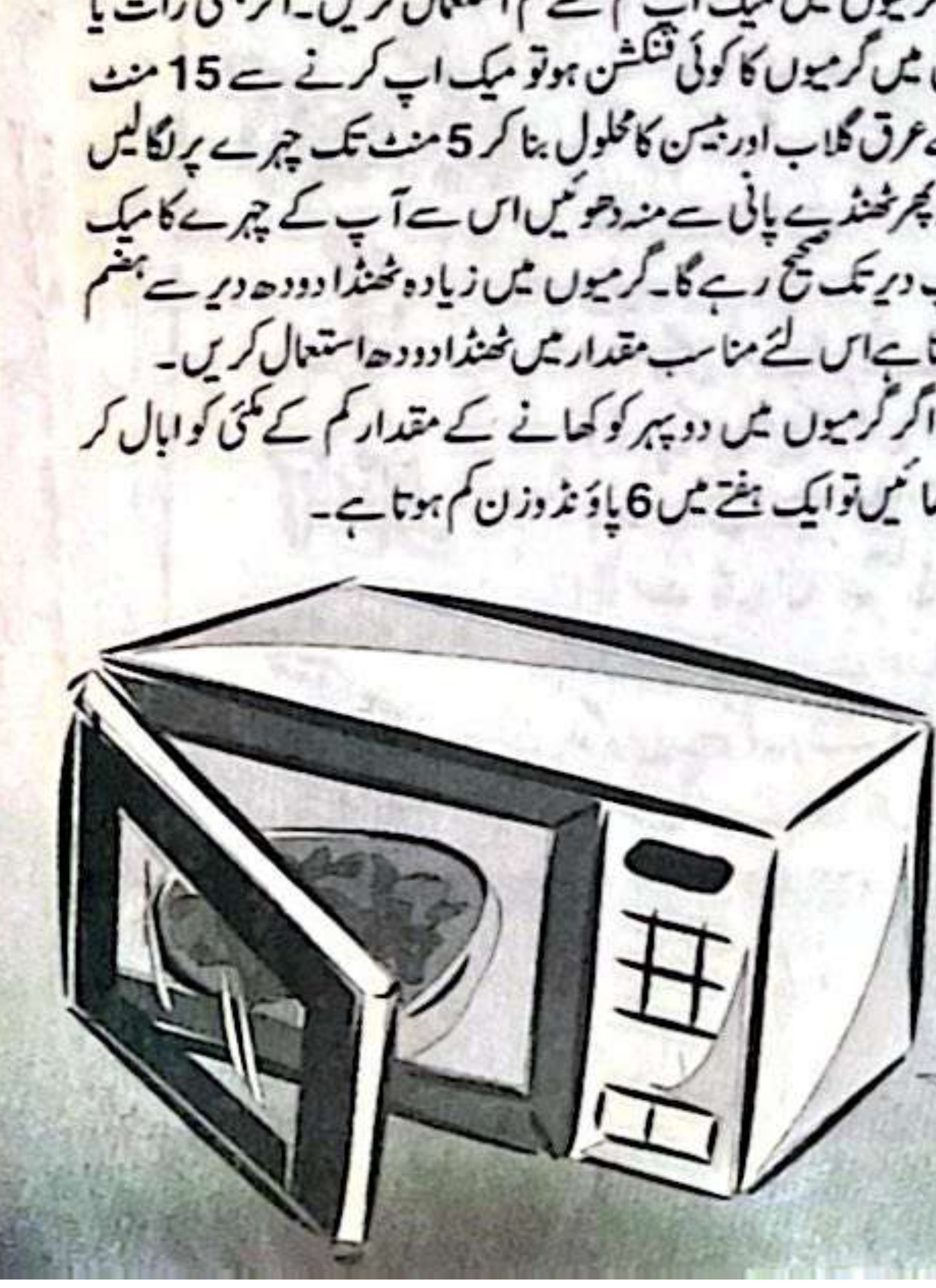

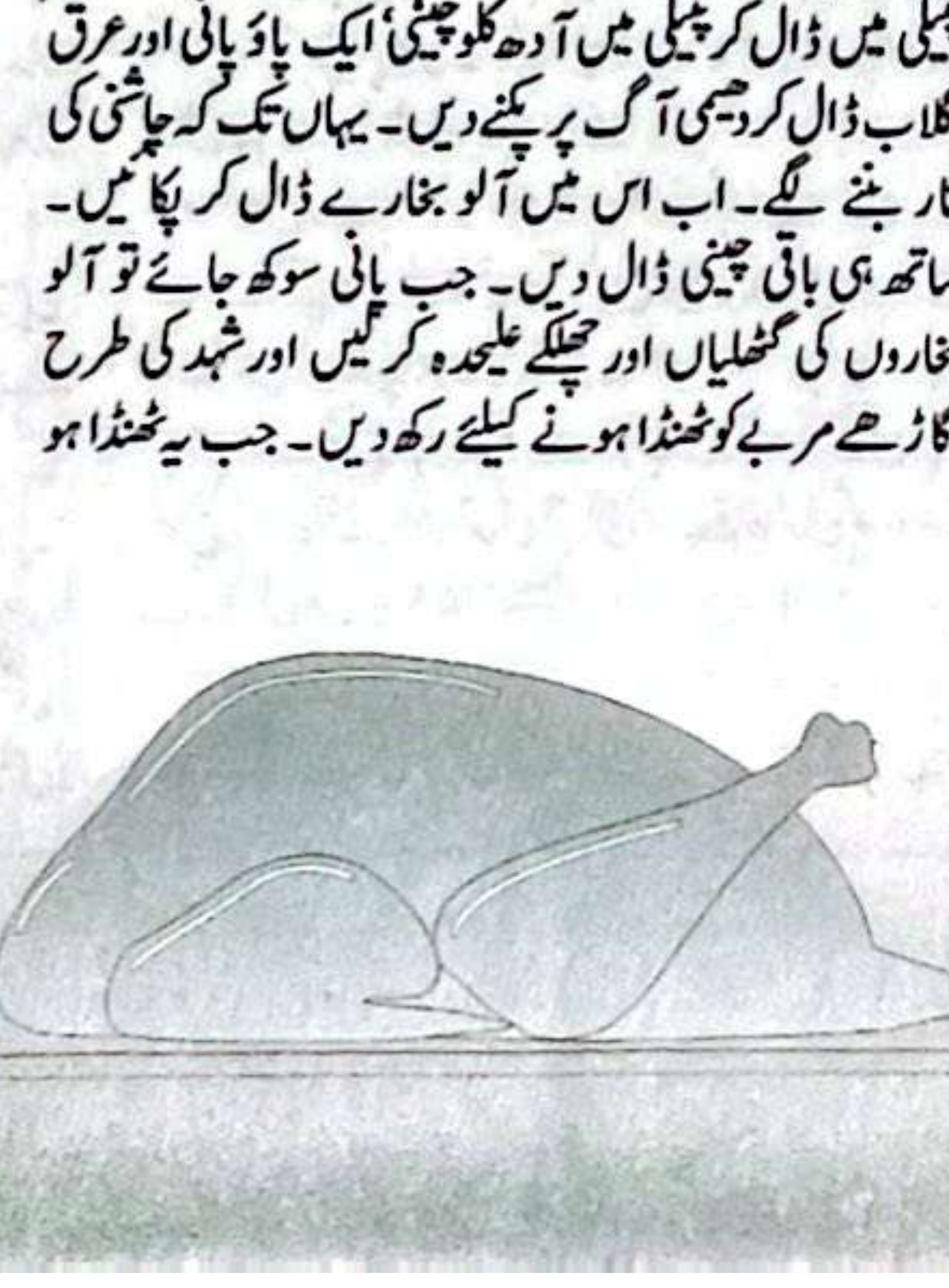

یہی تو ہے زندگی

مقصد حیات کیا ہے؟

فائز حسن سیال

ہرانسان کے نزدیک اس کی زندگی کا مقصد موجود ہے۔ ہرانسان نے اپنے اردگرد کے ماحول کے مطابق اپنی اپنی سوچ کے دائرے میں ضرور کچھ نہ کچھ مقصد حیات بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو ایک چھوٹی سی مخلوق کی شکل میں دنیا میں بھیجا ہے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں آنے سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک اسے رہنمائی کی ضرورت رہے گی' خدا نے ہرانسان کو صحیح اور غلط کی پہچان کیلئے ضمیر کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ ہمارا معصوم بچپن جو اس صلاحیت سے ناواقف ہوتا ہے اس کی حفاظت اور پرورش کیلئے ماں باپ اور استاد کے ذریعے سے ہرطرح کی رہنمائی فراہم کی جاتی ہے یہ قدرت کا نظام ہے اور ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قدرت کا یہ نظام اس قدر منظم ہے جو محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کائنات کی کوئی بھی چیز بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں کی گئی اور پھر انسان کوئی بہت اہم مقصد اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ قرآن پاک میں ہے:۔

"کیا انسان سمجھتا ہے کہ اسے بلا مقصد پیدا کیا گیا ہے"۔

(23:15)

اصل مقصد کی تلاش میں اگر ہم کچھ نظر اپنے اردگرد کے ماحول پر ڈالیں تو شاید ہمیں کچھ مدد مل سکے اور اصل مقصد حیات تک پہنچنے میں آسانی ہو جائے۔ عام طور پر انسان نے رزق کی تلاش اور جستجو کو ہی اپنا مقصد حیات قرار دیا ہوا ہے۔ بچہ چاہے جس کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو ہوش میں آتے ہی یہ محسوس کرتا ہے کہ گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی طرح روزگار سے وابستہ ہے۔ ہر گھر میں دن کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ باپ یا تو دفتر جا رہا ہے یا مزدوری پر۔ بعض اوقات ماں باپ دونوں ہی کام پر نکل جاتے ہیں اور گھر کے باقی افراد بھی روزگار کی فکر میں رہتے ہیں۔

زندگی کا کاروبار لین دین پر مبنی ہے' کوئی پیسہ کمانے جا رہا ہے تو کوئی پیسہ کمانے کیلئے ڈاکٹر یا انجینئر بننے کے خیال سے سکول جا رہا ہے۔ بچہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کچھ بننا ہی چاہئے لہٰذا وہ بھی اسی دوڑ میں شامل ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو وہی کام کرنے پر مجبور پاتا ہے جس کا شور چاروں طرف سنائی دیتا ہے۔ یہی بچہ جب بڑا ہو کر عملی میدان میں قدم رکھتا ہے اور اردگرد نظر دوڑاتا ہے تو اسے اپنے چاروں طرف ایک ہلچل اور بے چینی سے محسوس ہوتی ہے۔ اگر خوش قسمتی سے اس بچے کو بہترین تعلیم اور تربیت مل گئی تو وہ یقیناً اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر کامیاب لوگوں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔

یہاں اس بات پر غور کرنا اشد ضروری ہے کہ آخر یہ بہترین تعلیم و تربیت کیا ہے۔ ہمارے ہاں عام فہم زبان میں اچھی تعلیم و تربیت وہ ہوتی ہے جو ایک اچھی ڈگری دلا کر اچھی سی نوکری تک پہنچا دے اور آپ کو اس قابل بنا دے کہ آپ اپنا ذاتی گھر اور گاڑی لے سکیں' یہی آپ کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔ یعنی کسی بھی حال میں آپ کو اپنے اردگرد کے لوگوں' رشتہ داروں اور دوستوں سے آگے نکلنا ہے۔

اگر ہماری زندگی کا مقصد اچھی زندگی ہی گزارنا ہے تو پھر تو یہ زندگی جتنی بھی ہو کم ہے اور اسے قائم رکھنے کیلئے ہم کچھ بھی کرنے کو تیار رہیں گے۔ اگر زندگی میں آرام و آسائش کی کوشش کرنا ہی مقصد حیات ہے تو وہ تو ہم سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کر رہے ہیں۔ پھر زندگی گزارنے کا یہ طریقہ بہترین نتائج کا حامل ہونا چاہئے جو کہ نہیں ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں چل پڑے۔

انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد محض ظاہر طور پر کامیاب زندگی گزارنا نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک خاص مقصد ہے۔ اگر ایک لمحے کیلئے بھی ہم یہ فرض کر لیں کہ جو بھاگ دوڑ زندگی میں ہم نے اب تک کی ہے سب رائیگاں تھی تو زندگی ایک دم بے کار سی لگنے لگے گی اور ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ پھر آخر اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟

خدا نے انسان کو ان تمام علوم سے بہرور کیا جو اور کسی مخلوق کے حصے میں نہیں آئے۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کی وہ مشہور حدیث جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "علم حاصل کرو خواہ اس کیلئے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔

اس دور میں جبکہ سفر پیدل کیا جاتا تھا عرب سے چین تک جانے کی مثال ایسے ہی تھی کہ جیسے علم حاصل کرنے کیلئے اپنی تمام ہمت' وقت اور کوشش صرف کر دی جائے پھر اللہ تعالی کا وہ فرمان کہ:

"زمین پر چلو پھرو اور غور کرو" (3:137)

یہ سب یقیناً ہماری سوچ کا رخ علم حاصل کرنے کی طرف کرتا ہے۔ شاید علم حاصل کر کے ہی ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ علم کی اہمیت پر جتنی بھی تحقیق کی جائے کم ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کیلئے تو ہم سب کچھ کر رہے ہیں ہر گلی محلے میں بیشمار سکول کھل چکے ہیں' ہر سال ہزاروں لوگ مختلف ڈگریاں لئے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکل رہے ہیں۔ اسی افراتفری میں ہم شاید یہ بھول گئے ہیں کہ علم ہے کیا؟

نئی زندگی کا آغاز کیجیے

۲۹واں دن

آپ کا فرض اپنے آپ کو بدلنا ہے' دوسروں کی فکر کرنا چھوڑ دیں۔

پھر بھی اگر یہ آپؐ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالی کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا۔ اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔ (ال عمران: ۲۰)

۳۰واں دن

جب آپ بدلنے کا فیصلہ کر لیں تو پھر کچھ بھی ہو جائے پیچھے مت ہٹیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالی پر بھروسہ کریں' بے شک اللہ تعالی توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (ال عمران: ۱۵۹)

۳۱واں دن

آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق سب کچھ نہیں مل سکتا۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہے۔

بغیر اللہ تعالی کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا' مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے' دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے۔

(ال عمران: ۱۴۵)

۳۲واں دن

آج آپ جو کچھ بھی ہیں اپنے خیالات ہی کی وجہ سے ہیں۔ آپ اپنی زندگی اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک آپ اپنے خیالات نہ بدل لیں۔

اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ

بہترین منیجر بننے کے سنہری گر سیکھئے

پوزیشن اور عہدہ

(۱) اس حقیقت کو قبول کر لیجئے کہ اچھے لوگوں کو پانا، سنوارنا اور انہیں اپنے ساتھ رکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔

دراصل لوگ اونٹوں کی مانند ہیں کہ تم سینکڑوں میں سے کسی ایک کو سواری کے قابل پاؤ گے (صحیح بخاری)

(۲) اس بات کا بھرپور یقین کر لیجئے کہ آپ Jobs کے لئے صحیح لوگوں کا انتخاب کریں۔ یہ انتخاب ان کی صلاحیتوں اور انکے کردار پر مبنی ہونا چاہیے۔ اکیسویں صدی کی آرگنائزیشنز بیسویں صدی کی سوچ جس میں صرف "لیس سر)) کہنے والوں کو ملازمت دی جاتی ہے، پر نہیں چلیں گی۔ آپ کا کام اپنے سے بہتر لوگوں کو ملازم رکھ کر انہیں اپنے سے بہتر رہنما بنانا ہے۔

جب امانت (ایمانداری دنیا سے) اٹھ جائے تو قیامت کا منتظر رہ۔ پوچھا گیا ایمانداری کیونکر اٹھ جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا جب کام نالائق کو دیا جائے تو قیامت کا منتظر رہ۔ (صحیح مسلم)

(۳) ملازمت دیتے وقت علم پر کبھی سمجھوتہ مت کیجئے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو چنیں۔ علم کا کوئی نعم البدل نہیں۔ تنخواہ تقابلی چیز ہے۔ 20000 ماہانہ پر ایک شخص ملازم رکھنا دولت اور پیسے کا ضیاع ہو سکتا ہے اور دوسری طرف 80000 ماہانہ پر رکھا گیا ایک ملازم کئی گنا وہ کمپنی کو لوٹا سکتا ہے۔

علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے۔ (مشکوۃ)

(۴) لوگوں کو عموماً ان کی شخصیت کی نمایاں خوبیوں مثلاً (تعلیم، خاندان، معاشرے میں مقام، سٹائل، تجربہ وغیرہ) کی بنا پر نوکری دی جاتی ہے۔ لیکن کردار کی خوبیوں پر مثلاً (بددیانتی، دھوکہ دہی، جھوٹ اور فراڈ) پر نکالا جاتا ہے۔

طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کو ضعیف اور ناتواں مومن کی نسبت زیادہ محبوب ہے (مشکوۃ)

(۵) اگرچہ علم بے حد ضروری ہے کردار کو بھی کبھی نظر انداز مت کیجئے۔ ملازمت دیتے وقت لوگوں کے کردار کی خوبیوں کو بھی ضرور اہمیت دیں۔ اپنے آپ کو صرف شخصیت کی خوبیوں تک محدود نہ کیجئے۔

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں گے ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔

"علم" کے لغوی معنی ہیں "جاننا" اس جاننے میں سب سے پہلے تو خودشناسی آتی ہے۔ ایک انسان یہ جانے بغیر کہ اسے اس دنیا میں کس مقصد کیلئے بھیجا گیا ہے کچھ بھی کر گزرے کتنی ہی ڈگریاں لے لے وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ علم و تعلیم کا فرق جاننا بہت ضروری ہے۔ تعلیم ایک انسان کی مدد تو کر سکتی ہے لیکن منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے تو علم یعنی جاننے کی ضرورت ہے۔ اس جاننے میں حقوق و فرائض کا جاننا، صحیح و غلط جاننا، مقصد حیات کا جاننا اور پھر اس راستے کا تعین کرنا شامل ہے جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچا دے۔ ہم نے علم کو ڈگری تک محدود کر دیا ہے۔ جس وجہ سے پوری انسانیت خسارے کا شکار ہے۔ اس انتہائی تکلیف دہ دائرہ کار سے نکلنے کیلئے ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہوگی۔ وہ راستے جن پر ہم اب تک بھٹک رہے ہیں چھوڑ کر نئی راہیں متعین کرنا ہوں گی۔ قدرت کے قوانین کے مطابق ہر لمحہ سیکھنے کی صلاحیت اجاگر کرنا ہوگی کیونکہ انسان خدا کی قدرت کو سمجھنے کیلئے ہی بنایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے رسولؐ فرماتے ہیں کہ:
"ایک شخص نماز بھی پڑھتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی دیتا ہے، حج اور عمرہ بھی کرتا ہے یہاں تک کہ آپ نے تمام نیکیوں کا ذکر کیا مگر قیامت کے روز اس کی عقل و فہم کے مطابق ہی اس کا صلہ دیا جائے گا"۔ (مشکوۃ المصابیح)

یہ عقل و فہم ہی ہے جس سے ہم صحیح و غلط کی پہچان کر کے خدا کی طرف سے دی گئی آزمائش پر پورے اتر سکتے ہیں اور اپنی دین اور دنیا کو سنوار کر سرخرو ہو سکتے ہیں۔ آیئے آج سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنی تمام تر محنت اچھا انسان بننے میں صرف کر دیں گے۔ یہ محنت یقیناً ہمیں اچھا ڈاکٹر، اچھا استاد یا پھر اچھے ماں باپ بننے میں مدد دے گی اور ایسا کرنے سے ہم بہت سی غیر ضروری مصروفیات اور خواہشات سے بچ جائیں گے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے ہمیں صرف اچھی سوچ اور زندہ ضمیر چاہیے جو ہم سب کے پاس موجود ہے۔

پڑو اور سلوک و احسان کرو، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا۔ (البقرہ: ۱۹۵)

۳۳واں دن

آپ جو کچھ کہتے، سنتے اور سوچتے رہتے ہیں اس پر آپ یقین کرنے لگ جاتے ہیں (مثلاً آپ دل میں صحیح یا غلط کے بارے میں جو بھی رائے رکھتے ہیں) اس سے پہلے کہ آپ اپنی زندگی بدلیں، اپنے نظریات اور اپنی سوچوں کو بدل ڈالئے۔

یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے۔ (المطففین: ۱۴)

۳۴واں دن

اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے خوف پریشانی اور ملال سے پاک کر لیجئے۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔ (ال عمران: ۱۷۵)

۳۵واں دن

شرمندگی کا باعث بننے والے کام کو دوبارہ کبھی نہ کرنے کا عہد ہی شرمندگی کے احساس سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟۔ (ال عمران: ۱۳۵)

اپنی عادات کو سنواریئے

(۱) رات کو جلدی سونے کی عادت ڈالئے نہ کہ رات کے آنے سے پہلے ہی سو جائیں۔ یاد رکھئے! عشاء کی نماز کے بعد اور آدھی رات کے درمیان کے وقت کی نیند زیادہ پرسکون اور آرام دہ ہوتی ہے بہ نسبت آدھی رات اور فجر کی نماز کے درمیان کے وقت کی نیند ہے۔ عشاء کی نماز سے پہلے اور فجر کی نماز کے بعد کی نیند منفی نتائج مرتب کرتی ہے جو کہ آپ کے جسم کو توانا کرنے کی بجائے سست اور تھکا ہوا بنا دیتی ہے۔ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا لمبی اور صحت مند زندگی کا راز ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑا سا آرام کیجئے۔ کبھی عصر اور مغرب کی نماز کے درمیان مت سوئیے۔

کیا وہ یہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم نے رات کو اس لئے بنایا کہ وہ اس میں آرام حاصل کر لیں اور دن کو ہم نے دکھلانے والا بنایا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (27:86)

حضور اکرمؐ عشاء کی نماز سے پہلے کبھی نہیں سویا کرتے تھے۔

(۲) رات کو گیس لیمپ آن رکھنے کی وجہ سے بے شمار جانی حادثات ہوتے ہیں۔ سوتے وقت یہ یقین کر لیجئے کہ گھر کے تمام لیمپ، ہیٹرز اور آگ کی جگہوں کو باقاعدہ چیک کر کے سوئیں اور کھانے کی تمام چیزوں کو ڈھانپ کر رکھئے۔

ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رات کے وقت مدینہ میں ایک گھر اہل خانہ سمیت آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس واقع کا تذکرہ آنحضرتؐ سے کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا آگ تمہاری دشمن ہے اس لئے سونے سے پہلے آگ بجھا دیا کرو۔ (صحیح مسلم)

(۳) سونے سے پہلے ہاتھوں کو دھو لیا کریں کیونکہ سونے کے دوران آپ کے ہاتھ آپ کے جسم کے حساس حصوں مثلاً آنکھوں کو چھو سکتے ہیں اور اگر آپ کے ہاتھ صاف نہ ہوں تو اس کی وجہ سے انفیکشنز ہونے کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ اٹھنے کے بعد بھی اپنے ہاتھوں کو دھونے کی عادت اپنائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے "تم میں سے جو کوئی بھی نیند سے بیدار ہو اسے چاہیے کہ وہ تین دفعہ ہاتھ دھوئے بغیر کسی برتن کو نہ چھوئے کیونکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری (صحیح مسلم)

اگر آنحضرتؐ کبھی رات کے کسی حصے میں بیدار ہو جاتے تو وہ اپنے ہاتھوں کو دھویا کرتے تھے۔ (زادالمعاد)

(۴) سونے سے پہلے اپنے بستر کو اچھی طرح جھاڑ کر اور صاف کر کے سوئیں۔

رسول اللہ نے فرمایا "اور جو کوئی رات میں بستر سے اٹھے اور پھر بستر پر جائے تو اپنی چادر کے کنارے سے اپنے بستر کو اسے تین بار جھاڑے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے پیچھے بستر پر کیا چیز آ گئی ہے۔ (ترمذی)

(۵) ایسے لوگ جو اپنے جسم کے بائیں رخ سوتے ہیں انہیں بے شمار دل کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھئے کہ بائیں حصے میں آپ کا دل ہے جو کہ آپ کے سانس اور جسم میں خون کی گردش کا ذمہ دار ہے اگر آپ بائیں رخ یا پیٹ کے بل سوئیں گے تو یہ آپ کے دل پر دباؤ ڈالتا ہے جس کے باعث آپ دل کے امراض میں مبتلا ہو سکتے ہیں لہٰذا جسم کے دائیں رخ پر سونے کی عادت ڈالیں۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاکؐ جب سونے کا ارادہ فرماتے اپنے دائیں طرف اپنا ہاتھ اپنے سرہانے رکھ لیتے اور کہتے "یاالٰہی مجھ کو اپنے عذاب سے بچا جس دن جمع کرے گا تو یا اٹھائے گا اپنے بندوں کو" (حسن، صحیح، ترمذی)

ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح لیٹنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا (ترمذی)

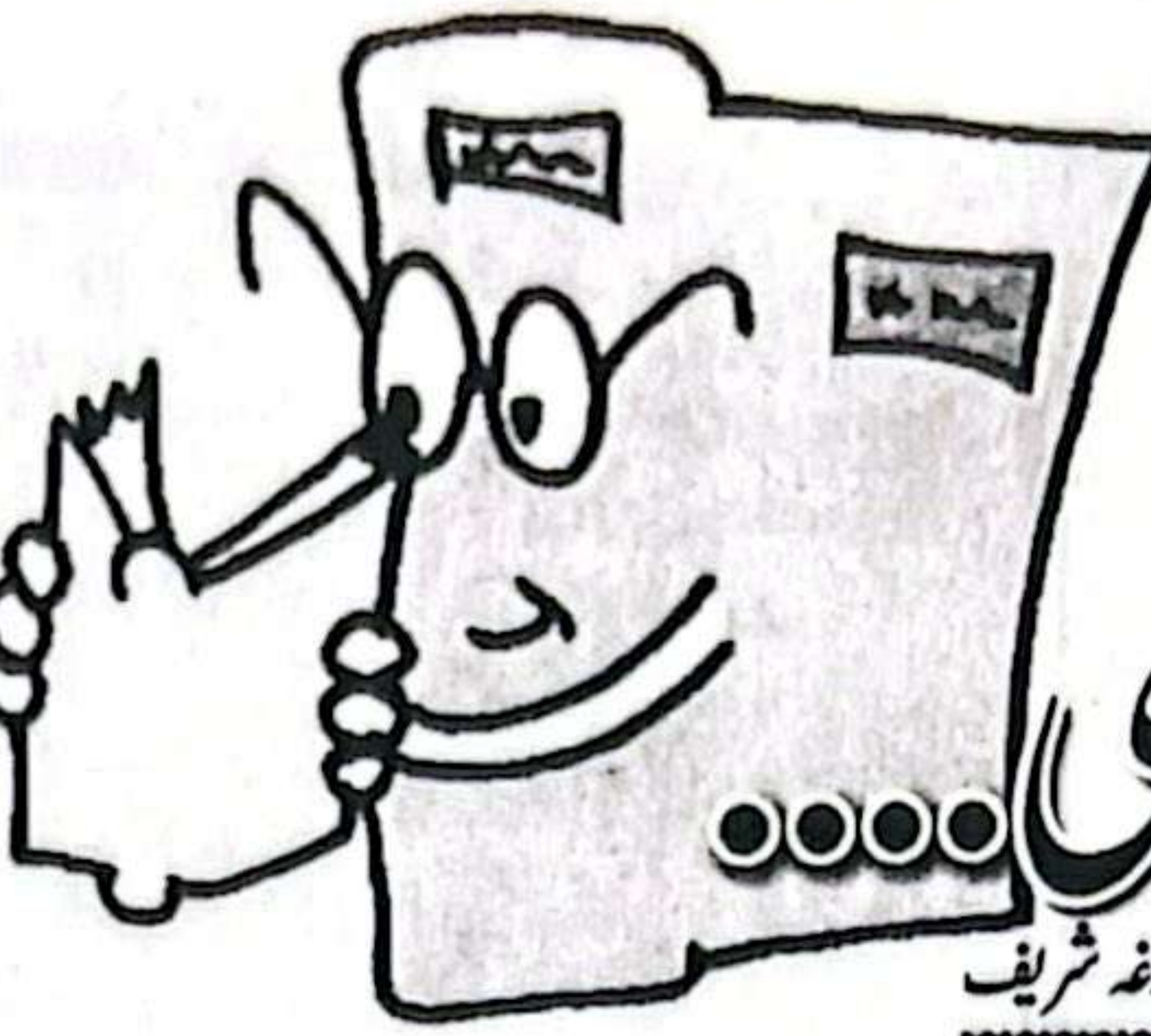

پڑھ تو سہی.....

قاری محمد زمان خٹک کربوغہ شریف

بڑا کارنامہ

ایک دفعہ امام غزالیؒ کی مجلس میں لوگ انسانی کارناموں پر بڑی پرجوش بحث کر رہے تھے۔کوئی فاتحین کے کارناموں کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو کوئی دانائی اور حکمت کوانسان کا سب سے بڑا کارنامہ بتا رہا تھا۔امام صاحب کافی دیر تک خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ حاضرین میں سے ایک نے امام صاحب سے درخواست کی کہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔امام صاحب نے کہا:

"تم لوگ زیر بحث مسئلہ کے حل کی تلاش میں بہت دور نکل گئے ہو حالانکہ انسان جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دے سکتا ہے وہ تو سامنے کی بات ہے۔سب نے حیران ہوکر پوچھا"کونسی چیز؟"

امام غزالیؒ نے جواب دیا"انسان کا اگر کوئی سب سے بڑا کارنامہ ہوسکتا ہے تو یہ کہ انسان اپنے دل اور زبان کو قابو میں رکھے اور یہ کارنامہ بہت کم لوگ انجام دے سکتے ہیں۔"

عظیم اور طاقتور پاکستان

آپ کی توجہ صرف حصول تعلیم کے لئے وقف رہے۔صرف اسی صورت میں آپ اپنے ملک کو دنیا کا عظیم،طاقتور اور ترقی یافتہ ملک بنا کر سرخروئی حاصل کرسکتے ہیں۔(نوجوانوں سے قائداعظمؒ کا خطاب)

گرمی کا مقابلہ کیسے؟

گرمی کا موسم سر پہ ہے اور گرمی کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔اس لئے گرمی کی شدت سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا چاہیے۔ان تدابیر میں پانی کا کثرت سے استعمال سرفہرست ہے۔اس کے علاوہ کھانے پینے میں احتیاط بھی بے حد ضروری ہے کہ یہ بے احتیاطی پیٹ کی خرابیوں،دست اور قے کی شکایات کا باعث ہوتی ہے اس موسم میں پسینہ بکثرت خارج ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے جسم سے اہم نمک اور پانی خارج ہو جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس موسم میں لیموں کی سکنجبین اور نمکین لسی زیادہ پی جائے۔تربوز بھی اس موسم کا اہم اور ضروری پھل ہے۔اس کے علاوہ باہر نکلتے وقت چھتری یا پھر کم از کم ٹوپی ضرور استعمال کی جائے۔(بشکریہ ہمدرد صحت کراچی)

اللہ کا سب سے پیارا بندہ

اللہ پاک نے حضرت داؤدؑ کی جانب وحی فرمائی کہ مجھے سب میں زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت ادا کرنے کی غرض سے میری عبادت کرے۔زبور شریف میں مسطور ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی پس اگر میں دوزخ اور جنت کو نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟

(وجوہات محبت از محمد ارسلان)

بہترین چیز

میں نے اللہ سے طاقت مانگی تاکہ کارنامے انجام دے سکوں مگر اس نے مجھے کمزوری عطا کی تاکہ میں فرمانبرداری سیکھ سکوں۔میں نے اللہ سے دولت مانگی تاکہ خوشی میسر ہو اس نے مجھے غربت دی تاکہ غریبوں کا دکھ سمجھ سکوں۔

پھر میں نے اللہ سے ہر آسائش زندگی طلب کی تاکہ زندگی کا لطف اٹھا سکوں مگر اس نے مجھے ان چیزوں کی بجائے زندگی عطا کی تاکہ میں ان چیزوں کو حاصل کر سکوں جو میں نے مانگیں اور مجھے نہ مل سکیں مگر مجھے وہ سب مل گیا جو ان چیزوں سے بہتر تھا۔

انصاف ہوتو

آپ یہ پڑھ کر یقیناً حیران ہوں گے کہ یونان کی ایک عدالت نے پتھر کے مجسمے پر باقاعدہ مقدمہ چلایا اور اسے سزا بھی دی لیکن یہ بات بالکل سو فیصد سچ ہے کہ ناسوس یونان میں ایک مجسمہ ایک راہگیر پر گر پڑا اور راہگیر اسی جگہ ہلاک ہوگیا۔عدالت نے قتل کے جرم میں اس مجسمہ پر باقاعدہ مقدمہ چلایا اور انصاف کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے مجسمہ کو یہ سزا دی کہ اس پتھر کے مجسمے کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔

دل کے ٹکڑے

ایک دن خود اپنے دل کو دیکھنے کی عجیب و غریب خواہش پیدا ہوئی۔میں نے اپنا سر جھکا لیا اور روح کی آنکھوں سے میں نے دیکھا کہ میرا دل دو ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے ایک پر لکھا تھا"کانٹے"یعنی مذہب سے بے پروائی،خود غرضی،غصہ،انتقام،کنجوسی،بے ایمانی،آرام طلبی اور ظلم۔

پھر میں نے دوسرے ٹکڑے پر نگاہ دوڑائی اس پر یہ الفاظ لکھے تھے"پھول"یعنی عبادت،خدمت خلق،برداشت،عفو،ایثار،محنت،ایمان داری اور مظلومیت۔

ذمہ دار

ایک فرم کے منیجر نے ایک امیدوار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ"ہمیں اس اسامی کیلئے ذمہ دار شخص کی ضرورت ہے۔"

"حضور! یہ خصوصیت مجھ میں بہت زیادہ ہے۔سابقہ ملازمتوں کے دوران جب بھی کوئی گڑبڑ ہوئی۔اس کا ذمہ دار مجھے ہی ٹھہرایا گیا۔"

چشم انسان

جب روتی ہے تو عرش کو بھی ہلا دیتی ہے۔

جب لڑتی ہے تو دنیا کی ہر چیز کو بھلا دیتی ہے۔

جب جھکتی ہے تو دنیا بھر کی ضیاء اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

جب اٹھتی ہے تو ریگزاروں کو بھی گلزار کر دیتی ہے۔

جب دیکھتی ہے تو سمندر کی گہرائیوں سے موتی نکال لیتی ہے۔

جب مسکراتی ہے تو دنیا کی تمام معصومیت جذب کر لیتی ہے۔

جب بند ہوتی ہے تو دنیا روتی ہے۔

حافظہ

دنیا کے سب سے بڑے موجد ایڈیسن کا حافظہ اس قدر کمزور تھا کہ وہ اپنے موضوع کے سوا ہر بات بھول جاتا تھا۔ایک روز وہ کسی سائنسی مسئلے پر سوچتے ہوئے اپنے مکان کا ٹیکس ادا کرنے چلا گیا۔لمبی قطار میں طویل انتظار کے بعد جب اس کی باری آئی تو کلرک نے اس کا نام پوچھا۔اسکے جواب میں ایڈیسن خاموش کھڑا کلرک کا منہ تکتا رہا کیونکہ وہ اپنا نام تک بھول چکا تھا۔تقریباً دو گھنٹے بعد ایڈیسن کو اپنا نام یاد آیا لیکن اس وقت تک ٹیکس آفس کا وقت ختم ہوگیا اور آفس بند ہو چکا تھا۔

ہم بھی شعر کہتے ہیں

پھول ساتھیوں کی تخلیقات سے سجا کالم

صدف نگار

عائشہ برکی روڈ لاہور سے اللہ جی سے کچھ یوں دل کی بات کرتی ہیں۔

کوئی معجزہ میرے نام کا
کوئی ایک تارہ میرے کام کا
میرے آنسوؤں کو سمیٹ دے
میری ہنسی کو دوام دے
میرے بخت کو بلند کر
ہمتوں کو قلعہ بند کر
میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے
اپنی رحمتیں میرے ساتھ دے
مجھ بے نشاں کو نشان دے
میں ہوں صرف ڈر تو امان دے
میری ٹوٹتی ہے امید جب
نیا جسم دے جان دے
تیرے ہاتھ کی ہوں میں منتظر
تیری رحمتوں پر میری نظر
مجھے رحمتوں سے نواز دے
جو کبھی ہٹوں تیری راہ سے
مجھے روک، مجھ کو آواز دے

ہمارے ایک ساتھی نے انگریزی میں کوشش کی ہے دیکھتے ہیں کون کون مستفید ہو پاتا ہے۔

Prayer
O dear God, Please!
Give me the eye
Through which I can see
The truth and the lie
And then I will give
the poor, a sky
In which they can
Easily fly, very high

Muhammad Habib-ur-Rehman
Jhok Itra D.G.Khan

ایک غزل تقدس گیلانی نے شیخو شریف سے بھجوائی ہے۔ جس کے لفظ، خیال اور انداز بھی بہت پیارا ہے۔ چلئے شیئر کرتے ہیں۔

روکر چاند کو تکتا ہوگا
دل کی باتیں کرتا ہوگا
روٹی دیکھ کر چھوٹا لڑکا
بھوک کی باتیں کرتا ہوگا
ہاتھ میں بوٹ اور پالش پکڑے
سب کے جوتے تکتا ہوگا
مدرسے کو دیکھ کر شاید
ٹھنڈی آہیں بھرتا ہوگا
گہری دھند میں سڑک کنارے
اس نے آگ کو سوچا ہوگا
نیند بھری آنکھوں میں اسکی
اچھے وقت کا سپنا ہوگا
پھول تقدس لیتا ہوگا
ماں کے قصے پڑھتا ہوگا

ایک ننھی منی سی نظم رانا مدثر علی...... ملتان سے لکھتے ہیں۔ بس ذرا عنوان دینا بھول گئے۔

میرے لاشعور میں ازل سے
ہے تیری مہک رچی بسی
پھر بھی میرے شعور کو
تری تلاش رہتی ہے

عاصمہ مجید نے بھائی پھیرو سے بھجوایا تو بہت سا کلام لیکن آپ کی خاطر ایک نظم چنی ہے۔ عاصمہ آپ اس سے بھی اچھا لکھ سکتی ہیں۔ ذرا خیالات کو الفاظ کے ساتھ مربوط کرنا شروع کریں اور نظم کو عنوان ضرور دیا کریں۔ اپنا مطالعہ بڑھائیے یہ بہت کام آئے گا۔ ایک عنوان ہم نے دیا ہے بتائیے ذرا کیسا ہے۔

بدلاؤ

نصیب کے فیصلوں پر
مجھے یقین بہت ہے مگر
کبھی اپنے اشک میں تھام کر
اگر اپنے ہاتھ کو دیکھ لوں
تو یہ سوچتی ہوں
میرے ہاتھ کی لکیر کی
کنڈلیوں میں جو ہے لکھی
عبارتیں ہیں بھی وہی
ہاں مگر!
منظر بدل گئے
منظر بدل گئے

پیاری سی ایک نظم دوستی اور بانٹنے کے پیغام کے ساتھ فرزانہ احمد نے مظفر گڑھ سے ہمیں نوازی ہے اور ہم آپ کو سناتے ہیں۔ اتنی اچھی نظم میں ایک ہی خرابی ہے کہ بے عنوان ہے۔

گلاب سارے سمیٹ لوں
میں اپنے گھر کی
تتلیوں کو، خوشبوؤں کو
رنگ موسم کو جگنوؤں گھر
اپنے آنگن میں قید کرلوں
جو صرف اپنا اگر میں سوچوں
تو رنگ موسم، پھول، خوشبو
دور خوشیوں کی وادیوں سے
میرے آنگن میں کیسے اتریں؟
ہر کوئی جو مری طرح ہی اپنی خوشبوں کو قید کرلے
تو نفرتوں کے ہزار موسم
تتلیوں پر، جگنوؤں پر، موسموں پر
رنگ اپنے چڑھا نہ دینگے؟
نفرتوں کو بڑھا نہ دینگے؟
تو کیوں نہ میں ہی
خوشی کو اپنی آزاد کردوں
تتلیوں سے، جگنوؤں سے
رنگ، موسم سے، خوشبوؤں سے
دوستی میں ہی کیوں نہ کرلوں
ہزار رنگ سمیٹ کر میں
ہزار رنگ بکھیر دونگی

اور اب آخر میں ایک نظم ہماری اپنی لاہور آکر پہلی نظم یہی سرزد ہوئی ہے۔

سزا

گرد کی مسافت میں
منزلیں نہیں ملتیں
اک نشان منزل سے
دوسرے نشان تک
دائرہ در دائرہ
گھومنا مقدر ہے
بے جواز زندگی
بے وجہ اداسیاں
پلکوں میں بھر بھر کے
بے نشان منزلیں
ڈھونڈنا مقدر ہے
دائرے بدلنے کی
کچھ سزا تو ہوتی ہے

آخر میں نئے لکھنے والوں کیلئے کچھ tips

i- مشکل الفاظ استعمال کرنے کی بجائے آسان اور کم الفاظ برتیئے۔

ii- نظم لکھیں تو اسکا عنوان ضرور لکھیں، کیونکہ قاری پر آپکا مافی الضمیر بہتر واضح ہو جاتا ہے۔

iii- ہو سکے تو اصلاح ضرور لیں دوسری صورت میں خود ہی بار بار پڑھ کر اپنی غلطیاں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے رہیں۔

iv- کتابیں پڑھتے رہئے خاص طور پر اقبال، میر، غالب، فیض، منیر نیازی، پروین شاکر، احمد فراز کو ضرور پڑھیئے۔ اچھے شعرا کو پڑھ کر ہی اچھا ذوق بنے گا۔

ٹیلی فون کالم

پھول کا مقبول عام کالم۔۔۔ جس میں آپ ہر جمعرات اور جمعہ دو بجے سے چار بجے تک فون نمبر 6367551-54 پر براہ راست ایڈیٹر بھیا سے باتیں کرسکتے ہیں' شکایتیں لگا سکتے ہیں تبصرے سنا اور مشورے لکھوا سکتے ہیں۔۔۔

آپ کو اس قدر یقین کیوں ہے یہ صابر اچھرہ سے تھے۔ جو بڑی معصومیت سے پوچھ رہے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنا نام یوں بتاتے ہیں جیسے اچھرہ وہ خود ہوں...... ہم نے ان کے اس یقین پہ سوال نہیں کیا...... یہ عین ممکن ہے کہ وہ کچھ ایسا قابل فخر کام کر دکھائیں کہ اچھرہ انکے نام کے حوالے سے پہچانا جانا پسند کرنے لگے یہ تو زندگی میں بار ہا ہوتا آیا ہے جیسا آپ نے سوچا تھا ویسا آپ کر ڈالتے ہو۔

صابر کا سوال تھا کہ آپ کو اتنا یقین کیوں ہے کہ اللہ جی بالکل ویسے ہیں جیسے آپ سوچتے ہو۔ ہم نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ ایک تو خود ان کا اپنا کہنا ہے کہ میں تمہارے گماں کی طرح ہوں جیسے تم سوچو ویسا ہوں اب میرا گماں اور یقین تو یہ ہے کہ وہ بے حد پیارے اور مہربان ہیں۔ معاف کرنے والے۔ عمدہ پلاننگ کرنے والے اور سب سے بہترین انتظام کرنے والے صابر کا خیال تھا۔ اللہ جی غصے والے ہیں۔ جبار وغیرہ ہیں۔ اس لئے ہم نے کہا ارے بابا! یہ یقین رکھو گے تو بچی بات ہے وہ ایسے ہی ہوں گے اور عین وہاں وہاں ماریں گے جہاں جہاں آپ سوچو گے۔ اتنی سی سزا اور اتنی ہی چوٹیں جتنی آپ نے گنی ہوں گی...... جب اس قدر آسانی اور آزادی ہے تو کس حکیم نے کہا ہے کہ الٹا سوچو اور اپنے آپ کو مشکل میں ڈالو اللہ کے رسول آپ کو مشکل سے نکالنے آئے۔ معافی کے راستے پہ ڈالنے آئے۔ خیر اور نیکی کا پودا لگانے آئے آپ مان کیوں نہیں لیتے......

ویسے صابر میاں! ہوتے ہیں ایسے بہت سے بھلے لوگ جنہیں آسانی پسند نہیں آتی۔ ہمیشہ الٹی اور مشکل راہ اور سوچ پر ہی چلنا اچھا لگتا ہے...... پر آپ تو ہمیں ان میں سے نہیں لگے۔

شاہ پور سرگودھا سے ایک بچی کا فون آیا۔ اتفاق دیکھئے لکھتے ہوئے نام بھول گیا۔ شاید سعدیہ تھا۔ انہوں نے بہت ساری باتیں کیں اور اپنی بہت ساری پریشانی ہمیں دی۔ ان کا مسئلہ یہ تھا کہ ابو کہیں شادی کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا بیٹا اس میں رونے یا پریشان ہونے کی کون سی بات ہے۔ اللہ جی سے دعا کریں کہ وہ ان سے اچھا فیصلہ کروائیں ابو سے لڑنے جھگڑنے کے بعد بددعائیں دینے کا مرحلہ آئے گا خود سوچو کس کا نقصان ہوگا...... ہم سارے عجیب طرح سے سوچتے ہیں اور اس پر عمل کروانا چاہتے ہیں حتیٰ کہ ابو امی اور بڑوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہماری رائے اور مرضی پر چلیں...... جب وہ نہیں چلتے تو ہم ناراض ہوتے ہیں۔ دکھی ہوتے ہیں۔

اللہ جی خیر کریں اب تو وہ شادی کرنے جا رہے ہیں۔ خدانخواستہ کہیں کوئی اور خبر آتی تو کیا کرتے۔ ان کی خوشی ناخوشی کا تو کسی نے پوچھا بھی نہیں ہوگا۔ دل ہی دل میں اپنے آپ سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔ بڑوں کے فیصلے' مرضی اور خوشی کا تو کوئی اولاد بھی طے نہیں کرسکتی۔ ہاں انہیں سیدھا کرنے کے چکر میں خود اکثر جلنے کڑھنے کیلئے چولہے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ وجہ ختم نہیں ہوتی۔ البتہ پہلے دھواں بڑھتا ہے پھر بندہ خود جلنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جلنے کے ساتھ ساتھ محبت جلتی ہے۔ احترام جلتا ہے اور آخر میں رشتہ جل جاتا ہے۔

زندگی میں جب جب کوئی قریبی عزیز اور پیارا آپ کی مرضی اور منشاء سے ہٹ کر جینے لگے تو اس کو خوشی سے معاف کر دینے والے بڑے دکھ سے بھی بچ نکلتے ہیں اور رشتہ بھی واپس مل جاتا ہے۔ ورنہ ناراضی کو غصے' نفرت اور بددعاؤں میں بدلنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اب بھلا بندہ سوچے کہ کام قدرت نے خود کروانا تھا پہلے سے لکھا ہوا تھا اس سے لڑنے میں فائدہ ہوگا یا سمجھوتے میں۔

O...... فیصل آباد سے سدرہ اور ہما سے بات ہوئی۔ ان کی والدہ نے کہا بیٹا یہ دونوں امتحان کے دنوں میں بھی پھول پڑھتی ہیں۔ اور مجھے اس لئے غصہ نہیں آتا اور برا نہیں لگتا کہ میں خود ان کو لا کر دیتی ہوں۔ میرے پانچ بچے ہیں' ایک بیٹی کی شادی بھی کر دی ہے پھول کی سب کو عادت ہے اور اس نے میرے سب بچوں کو اچھا بننے میں بہت مدد دی ہے۔ ہمیں ہمت بھی دی ہے گزشتہ سال ان کے ابو فوت ہو گئے تھے۔ ہم نے اللہ جی سے ہمت مانگی اس ذات نے واقعی ہمت دے دی۔ پھول کے اداریے اور لفظ ہمت سے بھرے ہوتے ہیں۔ آپ واقعی ایسا لکھتے ہیں کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ خدا جانے کہاں کہاں سے کیا کیا سوچ کر کیا کیا سمجھ جاتے ہیں۔

صبا نے ہمیں فیصل آباد آنے کی دعوت دی۔ ہم نے بتایا کہ فیصل آباد سے اور بھی کئی دعوتیں جمع ہوئی ہیں۔ لگتا ہے جون جولائی میں آنا ہی پڑے گا۔ پہلے سے رابطہ کر کے وقت لے لیجئے گا۔

O...... لاہور سے عائشہ انیس کا فون آیا۔ بھیا جی صرف آپ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے فون کیا۔ میں نے امی ابو اور بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہی آپ نے سمجھایا تھا ناں۔ اس شمارے میں بیڈ ٹائم سٹوری کمال کی تھی۔ مزا آ گیا' اداریہ تو ان خالات میں ایسا تھا کہ اس سے اچھی اور پریکٹیکل بات ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ دشمن کا مقابلہ اس کے علم سے اور اس سے سیکھ کر کیا جائے۔

O...... جہلم سے علی فراز عابدی نے بتایا کہ غریب وال سیمنٹ فیکٹری میں سب خیریت سے ہیں۔ انہوں نے کئی ماہ بعد فون کیا۔ پوچھ رہے تھے آپ ہمارے ہاں نہیں آ رہے، ہم ہنس دیئے کہ بھلا یہ کیا دعوت کا انداز ہوا کہ نہیں آ رہے۔ دعوت دیتے ہیں کہ "آیئے...... یا آپ کب آ رہے ہیں"...... علی نے کہا کہ ہم ذرا ساتھیوں کو جمع کر لیں پھول کلب بنا لیں پھر آپ کو ضرور بلائیں گے۔

O...... خانیوال سے سعدیہ فیض کا بڑے دنوں میں فون آیا علامہ اقبال کا شعر سنایا اور یہ جا وہ جا

دیار عشق میں نئے مقام پیدا کر
نیا زمانہ ہے نئے صبح و شام پیدا کر

ابھی ہم نے کان کھینچنے تھے کہ بی بی اتنے دنوں سے صرف مزے سے کھا پی رہی ہو...... لکھ کر کچھ نہیں بھجوا رہی ہو۔

O...... لاہور سے رابعہ ارم کا فون آیا...... بہت خوش تھیں شادی کے بعد پہلی بار واپس گھر آئی تھیں۔ کہنے لگیں بھیا بارات والے دن آپ کا بہت انتظار کیا۔ آپ کیوں نہیں آئے۔ ہم نے کہا بابا! آ جاتے مگر وہاں تم سے تو ملاقات ہی نہ ہو پاتی۔ کہیں لال جوڑے میں بیر بہوٹی بنی بیٹھی ہوتی۔ اس لئے ہم نے تمہاری نئی زندگی کی خوشیوں اور اس میں ڈھیری محبت اور خدمت کی دعائیں ہوا کے سپرد کر کے تمہاری طرف بھجوا دی تھیں۔ رابعہ نے بتایا کہ اس نے کم سے کم چار لوگوں کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ جونہی بھیا ہوٹل آئیں انہیں لیکر مجھ تک آئیں...... ہمیں اس تدبیر کی خبر ہوتی تو شاید چلے ہی جاتے۔ رابعہ نے شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ آپ کے مشورے اور محبت بھری باتوں سے نئی زندگی بہت آسان ہوئی ہے' میں نے اپنے میاں کو نہ صرف سمجھا ہے بلکہ ان کے مزاج کے مطابق اپنی زندگی کا طریقہ کار سوچا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کی دعاؤں سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا...... ہم نے رابعہ سے کہا کہ اتنا اچھا کالم لکھتی ہو اور قوم سے اتنی دعائیں لیتی ہو تو اللہ جی تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیشہ مشکل لمحوں میں اپنے ہاتھوں پہ اٹھا لیا کریں گے جیسا کہ وہ انگریزی نظم FootPrints میں تھا۔

O...... لاہور سے صغریٰ کا فون آیا۔ بھیا جی انشراح کی بہت مبارک ہو اللہ جی بیٹی کی وجہ سے غلطیاں بھی معاف کرتے ہیں اور برکت بھی دیتے ہیں۔ ہم نے صغریٰ کا شکریہ ادا کیا واقعی اللہ جی خوب ہیں اولاد کا تحفہ بھی دیتے ہیں اور ساتھ معافی کی سوغات بھی۔ رزق میں اضافہ بھی۔ اور خوشیوں کی برسات بھی...... صغریٰ کی آپی بشریٰ، ریاض نے بھی مبارک دی۔

O...... بچیکی سے محمد حبیب نے کہا قدر یہ کہانی بہت اچھی لکھی اداریہ اور بیڈ ٹائم میں سوری مما پڑھ کر تو آپ کیلئے دعائیں نکلیں آپ دل کے تاروں کو خوب ہلاتے ہو۔ دریا سے تازہ مچھلی والا جملہ بہت خوب صورت تھا۔

O...... یہ فون بڑا مزے کا تھا۔ ریسور اٹھایا تو آواز آئی۔ انکل اختر عباس بھائی ہیں۔ جی تینوں ہیں۔ ہم نے جواب دیا۔ یہ عمران خاں اعوان تھے گاؤں فتح والی ضلع سیالکوٹ کے۔ سال اول میں ہیں۔ نارووال میں پڑھتے ہیں۔ بتانے لگے آج ہی پھول لیا ہے ہم نے پوچھا انکل سے بات کرنی ہے۔ اختر عباس سے یا بھائی سے عمران میاں ہنس دیئے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا وہ کیا حرکت کر چکے ہیں۔ بتانے لگے کہ اس ماہ ٹائٹل بہت موزوں تھا مگر خوفناک تھا۔ کوئی امریکی ظلم کو بھولنا بھی چاہے تو برسوں بعد بھی یہ ٹائٹل بھولنے نہ دے گا۔

O...... نجمہ سعدیہ نے اعوان ٹاؤن سے فون کیا۔ پوچھ رہی تھی اس بار پھول کو کیا کیا۔ اداسی سے بھر دیا۔ بہت رونا آیا بار بار دل بھر آتا تھا۔ میں اب تک مکمل پڑھ نہیں پائی کاش مسلمان وقت پر کام کیا کریں اور یوں رسوائی اور جگ ہنسائی کا موقع نہ دیں۔ ہم نے بتایا کہ آج ہی ایک اور خبر آئی ہے کہ کربلا میں ہزاروں مسلمانوں نے شہیدان کربلا کی یاد میں (چالیسواں کے موقع پر) سینہ کوبی اور زنجیر زنی کی۔ اس پر امریکی ترجمان نے خوب مضحکہ اڑایا اور بولا۔ ان کو تو ہم نے نہیں مارا۔ (جن کو ہم نے مارا ہے اس پہ تو یہ نہ بولتے ہیں نہ جلوس نکالتے ہیں۔ نہ دکھ کا اظہار کرتے

ہیں) خدا جانے ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مسلمان تو میں اپنے نقصان کا اکثر وقت پہ اندازہ نہیں کرتیں۔ اپنی کوتاہی کو محسوس نہیں کرتیں۔ ظالم کا مقابلہ نہیں کرتیں پھر چاہے چودہ سو سال کے بعد سال میں کئی کئی بار دکھ کی محفلیں آباد کریں۔ سینہ کوبی کریں۔ نہ ازالہ ہوتا ہے نہ سکون آتا ہے۔ بلکہ اکثر تو جذبات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ کوئی اس معاملے میں سوچنے کا بھی کہے تو برا لگتا ہے۔

O...... بھکی سے فلک شیر مجاہد نے صحت کیلئے دعا کا کہا۔ بتا رہے تھے کہ جون میں پھول سمر کیمپ کا منصوبہ بنا رہے ہیں تاکہ بچوں کو چھٹیوں میں پڑھایا جا سکے۔ ان کا خیال تھا کہ پھول کا ہر شمارہ ہی خاص شمارہ ہوتا ہے اور علمی طور پر بہت بیدار کرتا ہے۔ عراق کے حوالے سے اس شمارے کو ان کے بچوں اور اساتذہ نے بہت پسند کیا۔

O...... گلبرگ سے ہمارے پیارے عظمت شیخ کا فون آیا اداریے کا تو جواب نہیں وہ بتانے لگے۔ آخری پیرا تو میرے صبر کو ہی بہا لے گیا۔ آنکھیں بند کر کے پڑھتے اور سوچنے میں کتنی دیر بیٹھا رہا۔ حفیظ تائب والا آرٹیکل ہی نہیں وہاں جانے کا آئیڈیا بھی بہت اچھا لگا۔ پھر پوچھنے لگے "اک سفر اچھا لگا" کس مرحلے پر ہے۔ ہم نے بتایا کہ ٹائٹل چھپ گیا ہے اللہ جی خیر کریں تو انشاء اللہ جون کے آخر تک یہ سفر نامہ آ جائے گا۔ بولے اس کا تذکرہ بہت سنا تھا۔ اب لفظاً لفظاً پڑھا ہے تو اندازہ ہوا جس قدر خوبصورت لکھا ہے۔ تذکرہ اس سے زیادہ ہو تو کم ہے۔ یہ تو محبت کی ایک نئی دنیا میں لے جاتا ہے۔ میں نے بہت سفر نامے پڑھے سچی بات ہے ایسا نہیں پڑھا۔ میں سنتا رہا اور سر جھکائے۔ شرمائے سوچتا رہا کہ اللہ جی لفظوں کو لکھتے قلم پر اور سوچتے ذہن پر اپنا سایہ نہ ڈالتے تو ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔

O...... کراچی سے ڈاکٹر شکیل صاحب کا فون آیا۔ بھابی اور انشراح کو سلام کہا۔ پھر نئے پھول پر تبصرہ کیا۔ خط لکھنے کا بھی بتا رہے تھے۔

O...... کراچی سے ہی پروفیسر مجیبؔ ظفر انوار کا فون آیا ہم نے سمجھایا کہ قبلہ پروفیسر صاحب نام کو پاکی داماں کی حکایت کی طرح مت بڑھاتے جایئے۔ لوگوں کی آل اولاد میں اضافہ ہوتا ہے یہاں آپ کے ہاں ہر سال نام میں ایک لفظ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ امت مسلمہ کا کیا بنے گا۔ اس پر پروفیسر سید مجیب ظفر انوار حمیدی نے برا منائے بغیر کہا میری آپ بیتی پڑھو گے۔ ہم نے کہا پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں مگر آپ اتنے مصر کیوں ہو...... ہم نے دل میں سوچا اگر کمپوزر صاحب نے مصر کو مضر لکھ دیا تو کیسا مزا آئے۔

O...... اوکاڑہ سے حنا امانت نے بتایا کہ میٹرک کر لیا ہے اور ان دنوں خالہ کے ہاں مہمان نوازی کے مزے لے رہی ہوں۔ بیٹی کی مبارک دے رہی تھیں۔ ہم نے کہا مبارک کا شکریہ۔ ہمیشہ مبارک کے ساتھ دعاؤں کا تحفہ دیتے ہیں۔ یہ بہت قیمتی ہوتی ہیں اور منہ بھر کے دعا چاہیں اچھی قسمت، اچھے رزق اور اچھی محبت کیلئے۔

O...... ساجد محمود نے راولاکوٹ کشمیر سے فون کیا۔ یہ وہی زرعی یونیورسٹی فیصل آباد والے ہیں۔ ابھی تک اس حیرانی اور پریشانی میں ہیں کہ ان کی کہانیاں بغیر کسی گزارش اور سفارش کے اتنی باقاعدگی سے کیسے چھپ رہی ہیں۔ شکریہ بھی بولے تھے۔ کہانی چھپنے کا ہی اور انعام کے طور پر منی آرڈر ملنے کا بھی۔

O...... جاوید علوی صاحب کا فون آیا۔ یہ بہت سینئر صحافی ہیں نیشنل سنٹر لاہور کے سربراہ ہیں۔ جتنے اچھے لکھاری ہیں اتنے ہی عمدہ منتظم بھی ہیں۔ ان دنوں ہمارے ایم ڈی صاحب کے ذاتی معاون ہیں۔ پھول کے تازہ شمارے پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا نسرین سحرش اور وصی شاہ کی نظموں نے بہت دکھی کر دیا۔ شمارہ مجموعی طور پر بہت عمدہ اور خوبصورت تھا ماشاء اللہ میرے پاس الفاظ نہیں۔ اللہ آپ کو اجر دے نئی نسل کو اس قدر معیاری میٹر دیتے ہیں کہ خوشی دو چند ہو جاتی ہے۔ پھول میں کچھ بھی کم نہیں تھا۔

O...... گجرات سے شائلہ کلاس نہم نے کہا بھائی ابرار کا انٹرویو دے سکتے ہیں۔ یہ میری دوست سمیعہ کی خواہش ہے وہ لنگڑیال میں رہتی ہے۔

O...... خیر آباد خوشاب سے جویریہ انجم بخت نے فون کیا۔ بتانے لگیں ان دنوں میں درانتی سے گندم کاٹ رہی ہوں اور آج میں نے کم سے کم 10 بنڈل بنائے ہیں۔ بہت مزہ آیا۔ ہم ہنس دیئے۔ اور کہا اولاہورن...... یہ تو سنا تھا کہ اس سیزن میں آدھا لاہور خالی ہو جاتا ہے لوگ اپنی نوکریوں، دکانوں سے چھٹی لیکر بیوی بچوں سمیت گندم کاٹنے چلے جاتے ہیں اور پورے سال کا راشن جمع کر لیتے ہیں لیکن تم اتنی سیانی اور سمجھدار ہو گی...... یہ تو سوچا بھی نہیں تھا۔

جویریہ ان دنوں اپنے عزیزوں کے ہاں مقیم ہیں کہنے لگیں جب صبح کھیتوں میں جاتی ہوں تو لوگ دیکھتے ہیں تھک جاؤں تو بکریاں چراتی ہوں۔ 2 بڑی ہیں، 4 چھوٹی لحمینا، انجلینا...... کرسچن بکریاں ہیں کیا، ہم نے حیرت سے پوچھا نہیں۔ مسلمان نام رکھوں تو لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ ہم خاموش ہو گئے کیا کہتے کہ لوگوں کو تو ناراض ہونے کو اکثر وجہ بھی درکار نہیں ہوتی۔

O...... چک نمبر 5 سے قراۃ العین نے فون کیا۔ انہوں نے ابھی ایم ایس سی کی ہے۔ پھول بہترین سے بھی آگے کا ترین ہے ہم یہ اردو سن کر حیران رہ گئے۔ سوچا کسی اردو کے علامہ نے سن لیا تو کیا خبر ہم پر ہی سارا ملبہ گرا دیں۔ انہیں کون سمجھاتا پھرے گا کہ ایسی کیفیت زبان کے علم کی کمی سے نہیں محبت کی زیادتی کے باعث ہوتی ہے۔ قراۃ العین بہت خوش تھیں بلکہ حیران، پریشان اور سوالیہ نشان تھیں کہ بھیا جی واقعی یہ آپ سے بات ہو رہی ہے...... ان کی ممی بھی پھول پڑھتی ہیں۔ بتا رہی تھیں کہ تلاش کیجئے کے جملے وہی ڈھونڈتی ہیں۔ ہم نے ان کی والدہ کو سلام بھجوایا...... ایسی ماؤں کی بیٹیاں ایسی ہی علم دوست اور اچھی ہوتی ہیں عینی! جیتی رہو۔ سلامت رہو اور اپنے عزیزوں اور پیاروں کی خوشی، عزت اور مان بڑھاتی رہو۔

O...... ہم ظل ہما شبانہ ہیں۔ وہی 8 بہنیں۔ چوک سردار شہید سے۔ فون پڑھ کر اچھا لگا۔ امی بھی خوش ہوئیں پھول صفحہ اول سے آخر تک کمال تھا۔ کہانیوں کا انتخاب بہت ہی اچھا تھا۔ شبانہ نے اچانک پوچھا بھیا جی آپ کو کیسے پتا چلا کہ ہم خوش اخلاق ہیں۔ ہم بتاتے بتاتے رہ گئے کہ بیٹے جی کامن سنس بھی کوئی چیز ہوتی ہے آخر...... تبھی تو کہا جاتا ہے کامن سنس از وری ان کامن۔

O...... فرح بتول شاہ نے بچیانہ ضلع فیصل آباد سے بتایا ہائی سکول میں ٹیچر بھی ہوں اور بی اے کا امتحان بھی دیا ہوا ہے پھول 92ء سے پڑھ رہی ہوں۔ بڑی خواہش تھی کہ جب گھر پر فون لگے تو پہلا فون آپ کو کروں۔ آج اللہ جی نے یہ خواہش پوری کر دی۔ لیجئے میری پیاری آپی غزالہ سے بات کر لیں۔ وہ بھی ٹیچر ہیں۔ آپی۔ آپی۔ سوری بھیا۔ وہ تو سو رہی ہیں چلیں بھائی سے بات کر لیں۔ مرتضی، مرتضی۔ وہ بھی سو رہا ہے۔ فرح نے سب کو سوتے پا کر خود تبصرہ کرنا شروع کیا۔ بیڈ ٹائم بہت زبردست تھی...... کالم اور کہانیاں بھی اچھی تھیں۔

O...... میں احسن سندھو ہوں ملتان سے۔ میں کمبائن کیمونی کیشن میں مارکیٹنگ منیجر ہوں۔ 94ء سے پھول پڑھ رہا ہوں۔

انعامی فون

O...... میں شگفتہ ہوں۔ فیصل آباد سے 6 ماہ سے پڑھ رہی ہوں بہت اچھا لگتا ہے۔ بہت شوق ہو گیا ہے۔ belief اور values پر سوچتی رہتی ہوں کہ کہاں سے ڈھونڈوں اور کیسے اپناؤں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ باز نور رہوں مگر نیکو ہو جاتی ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اچھی رہوں۔ تمہیں شگفتہ کی تحریر بہت ہی نفیس اور اچھی لگی۔ ایسی سمجھدار اور پیاری بچیاں تو صحیح معنوں میں ہمارا اثاثہ ہیں۔ وہ زندگی کو گہرائی سے سمجھ لیں۔ ذہنی طور پر یکسو ہو جائیں۔ شگفتہ نے بتایا کہ کمپیوٹر والا اداریہ انہوں نے اپنی کئی اساتذہ کو پڑھایا باقی اداریے بھی وہ ان کو ضرور پڑھاتی ہیں۔ کیونکہ وہ سوچتی ہیں کہ مشکلیں ہم پر آتی ہیں اور ہم کو ستانے کیلئے نہیں اجالنے کیلئے۔ شگفتہ کو نگہبان والے بچوں کی باتوں پر افسوس تھا مگر اطمینان بھی تھا شاید ان کی دم سے کتنے اور بچے بھٹکنے سے بچ جائیں۔

جب وہ باتیں کر رہی تھیں تو میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہ سعید روح کسی اچھے تعلیمی ادارے میں استاد ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی بچے بچیوں کے سوچنے اور عمل کرنے کے ڈھنگ کو بدل ڈالے۔ ان کی سوچوں پر حاوی ہو جائے یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب انسان خود بہت اچھا نہ بھی ہو تو دوسروں کی محبت اور دعائیں اسے بہت اچھا بنا دیتی ہیں۔ اتنا محبوب اور اتنا پیارا کہ خود اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ اک ذرا اچھا سوچنے پر یہ اجر اور اللہ جی کا انعام تو صرف آغاز ہوتا ہے۔ شگفتہ رانی! زندگی آپ کی منتظر ہے۔ انعامات لئے ہیو اے سیف اینڈ ہیپی پراڈکٹو لائف۔

O...... شاہدہ بتول نے پنڈی سے فرمائش کی وصی آپ کے بڑے دوست ہیں۔ نئی نسل کو پسند بھی بہت ہیں ان سے کہیں ناں کہ بہت رومانی شاعری نہ کیا کریں ہم نے بتایا پچھلے دنوں وہ اپنی نئی کتاب کا پروف دیکھ رہے تھے اور ہم حیران رہ گئے جب انہوں نے اس طرح کے کئی بولڈ شعر صرف یہ کہہ کر کٹوا دیئے کہ کسی بچی کو پڑھتے ہوئے دقت نہ ہو۔ اس لمحے مجھے اس کی یہ ادا اور سوچ بہت پیاری لگی۔ اللہ جی اتنے لوگوں سے کسی کو بے وجہ ہی مقبولیت اور پسندیدگی کے مقام پر بھی تو فائز نہیں کر دیتے۔

O...... سعدیہ مجید نے ایم اے کیا ہے ایجوکیشن۔ ان دنوں پی سی ایس کی تیاری کر رہی ہیں۔ بیٹی کی مبارکباد دے رہی تھیں دعا کا بھی کہہ رہی تھیں۔ گفٹ کا شکریہ ادا کیا۔ ان کا اول انعام تھا۔

O...... اسلام آباد سے عبدالصمد بلال نے کہا بھیا جی آپ کی کتابیں چاہئیں۔ کہاں سے منگواؤں۔ ہم نے بتایا کہ قیصر جاوید صاحب کو کری اینو بکس 207 کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے پتے پر 200 روپے بھجوا کر منگوا لیں۔ یہ پورا سیٹ ہے۔ آدھا منگوانا ہو تو 100 روپے بھجوا دیں۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ عبدالصمد نے کہا پھول اور رسالوں سے بہت مختلف ہے۔ اس نے بڑی ہمت کی کہ عراق پر یوں اتنا بولڈ لکھا اور چھاپا ہے اب تو لوگ اس سانحے کو بھولنے لگے ہیں۔ جیسے ہوا ہی کچھ نہیں تھا۔ ادار یہ بھی بہت عمدہ تھا۔

آپی جی کے نام

ایک ماں کا تذکرہ جس کے خیالات بڑے فرسودہ تھے

یہ آخری چوٹ تھی جو میرے دل پہ پڑی

بولیں اسی تمیں سنبھالاں گے تے
کون سنبھالے گا

رانا بابر حیات

آج انہیں گئے ہوئے 6 ماہ ہونے کو آئے ہیں ان چھ ماہ میں ان کے بارے میں بہت سوچا لیکن ان کی زندگی میں ایسا کچھ بھی نہ مل پایا کہ جس کے بارے میں دوسروں کو بتایا جائے' وجہ شاید یہی تھی کہ وہ ایک انتہائی عام سی سوچ کی حامل خاتون تھی۔ 20 ویں صدی کے خیالات لئے ہوئے۔ ہم روشن خیال لوگ ہیں' اکیسویں صدی میں سانسیں لیتے ہوئے' مہذب' تعلیم یافتہ' ہر وقت ترقی کی خواہش لئے ہوئے' میں بھی آپ کی طرح نئی سوچ کا حامل ہوں۔ اب اللہ نے ان کا بیٹا بنا دیا تو میرا کیا قصور' میں ان کے بارے میں کیا لکھتا' وہ میری ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں' جب بھی کچھ ''ہٹ کر'' کرنے کے بارے میں سوچتا وہ راستے میں آ کھڑی ہوتیں ایک دیوار کی طرح' دیواریں بنانے کیلئے اینٹ اور پتھر ہی تو ضروری نہیں ہوتے' کبھی کبھی خیالات کے ڈیزی کٹر کی جتنی مرضی کارپٹ بمبنگ کریں ٹوٹتی ہی نہیں۔ میں نے "By Hook orCrook" کے اصول کو اپنانا چاہا تو ان کی دعا سامنے آ گئی کہتیں تھیں ''اے میرے مالک میں تم سے اور کچھ نہیں مانگتی بس میری اولاد کو رزق حلال ہی دینا'' میں نے پولیس میں اپلائی کیا کہنے لگیں ''میرا دل نہیں مانتا کہ تو پولیس میں جائے' بہت رشوت ہے' لوگ بہت بددعائیں دیتے ہیں''۔ اگلے ہی ماہ درخواست کے ساتھ OBJECTION لگ کر آ گیا۔ وہ مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ ہمیشہ EXPLOTIE کرتی تھیں۔ کچھ کہہ تو سکتا نہیں تھا لیکن دل ہی دل میں اس فرسودہ خیالی پر کڑھتا تھا ان کو بتا ہی نہیں سکتا تھا کہ ''آپی جی (ہم انہیں آپی جی ہی کہہ کر بلاتے تھے) زمانہ بدل گیا۔ اب اگر ترقی کرنی ہو تو یہ ''رزق حلال'' ضروری نہیں ہوتا۔ رزق حلال کمانے والے جو آج ہیں 20 سال بعد بھی وہیں ہوتے ہیں۔ اور پھر اگر انسان چاہے تو کیا نہیں کر سکتا' ''نظریہ ضرورت'' کے تحت کالے دھن کو سفید کیا جا سکتا ہے' وکیل ہوتیں تو سمجھتیں نہ۔ انسان چاہے تو اپنی ضرورت کیلئے کتنے لیگل فریم ورک آرڈر بنا سکتا ہے۔ ان کو یہ ساری پیچیدگیاں کہاں معلوم تھیں۔ ''اعلیٰ تعلیم'' حاصل کی ہوتی تو خیالات روشن ہوتے۔ ان کی کہانی کی ابتدا 1945ء میں بھارتی پنجاب کے قصبے گڑھ شنکر سے ہوئی اور نومبر 2002ء میں رمضان المبارک کے مہینے میں وہ اپنی بے وقعت زندگی کا لباس سمیٹے چلی گئیں۔ میری زندگی کے 25 سال ان کے ساتھ گزرے ان 25 سالوں میں ان کی کسی بات نے مجھے انسپائر نہیں کیا۔ پہلے تو میں اپنے ابو کی شخصیت کے حصار میں رہا اب اگر فرائڈ کی بات کریں تو اسے "ELECTRA COMPLEX" کہیں گے۔ کمال کی شخصیت تھیں وہ بھی 1999ء میں ان کے جانے کے بعد میں نے آپی کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ میں چھوٹا تھا تو لوری سنا کر سلاتی تھیں

''اللہ ہی اللہ کیا کرو' دکھ نہ کسی کو دیا کرو جو دنیا کا مالک ہے' نام اسی کا لیا کرو''۔

آج کی ماؤں سے وہ اکثر نالاں رہتی تھیں' ان کے خیال کے مطابق آج کی ماؤں میں ممتا نہیں ہے' وہ پارٹ ٹائم مائیں ہیں' بچوں کو اپنا دودھ تک نہیں پلاتیں۔ مائیں کیا بنیں گی۔ اللہ کے نام کی بجائے گانوں سے سلاتی ہیں'' نئی مائیں ان کے ان خیالات کو جنریشن گیپ سمجھ کر ٹال دیتی تھیں۔ بہنیں کبھی دوپٹہ گلے میں ڈال لیتی تو کہتیں ''عورت کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ چاہے تو اپنے گرد ایسا خول چڑھا لے کہ کسی کی نظریں اسے توڑ نہ پائیں''۔ دراصل انہیں عورتوں کے حقوق کے بارے میں علم نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ عورت کا اصل گھر اس کے خاوند کا گھر ہوتا ہے۔' اس کی نعش اسی گھر سے اٹھنی چاہئے'' عاصمہ جہانگیر عورتوں کے حقوق کیلئے جو کام کر رہی ہے اس کی اہمیت کا اندازہ ایک ان پڑھ عورت کو کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے ایک استاد تھے اجمل ہاشمی' ہمیں ڈرامہ پڑھاتے تھے' ایک دن "WOMAN RIGHT" پر بات چل نکلی۔ کہنے لگے ''ایک دن میں لوکل بس سے سفر کر رہا تھا دو یونیورسٹی کی فیشن ایبل خواتین سوار ہوئیں' جگہ نہ ہونے کے باعث کھڑا ہونا پڑا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور ایک دوسری سے مخاطب ہو کر کہنے لگی'' آج کل مردوں کے ذہنوں سے عورتوں کا احترام جاتا رہا ہے۔ خواتین کھڑی ہیں اور مرد سیٹوں پر براجمان ہیں''۔

میں نے کہا ''معاف کیجئے گا' اگر دیہاتی خواتین ہوتیں تو میں جگہ فوراً خالی کر دیتا وہ جس طرح زندگی گزارتی ہیں' سلام کرنے کو دل کرتا ہے' آپ تو حقوق ہمارے جتنے انجوائے کرتی ہیں' اب دھکے بھی ہمارے جتنے کھائیں'' میں نے جتنا عرصہ ان کے ساتھ گزارا انہیں بیمار ہی پایا۔ 20 سال سے شوگر کا شکار تھیں۔ انتقال سے پانچ سال پہلے ٹانگ فریکچر ہو گئی۔ یہ حادثہ بھی میری وجہ سے ہوا۔ مگر افسوس' ایک جدت پسند بیٹے کی طرح مجھے اس حادثے میں اپنی غلطی کم اور انکی غلطی زیادہ نظر آئی۔ 1999ء میں بہاولنگر میں پھول میلہ منعقد کرنے کیلئے رات شہر میں پوسٹر لگانے نکلے' گھر پہنچتے رات کا ایک بج گیا' پہلے سوچا کیوں نہ دیوار پھلانگ کر چلا جاؤں' لیکن پھر فیصلہ کیا کہ دروازے پر دستک دی جائے شائد کوئی جاگتا ہو۔ جدت پسند بیٹا یہ سمجھ نہ پایا کہ رات کے پچھلے پہر ایک بیٹے کیلئے جاگنے والی ماں ہی ہو سکتی ہے' اچانک مجھے گرنے کی آواز سنائی دی' ایک چیخ بھی۔ دیوار پھلانگ کر گیا تو وہ گری ہوئیں تھیں' کراہ رہی تھیں' میں نے ان کو تھام کر اٹھانا چاہا تو اٹھ نہ پائیں' ٹانگ فریکچر ہو گئی تھی۔ میں نے کہا ''آپی آپ کو اٹھنے کی کیا ضرورت تھی' گھر میں اتنے لوگ تھے' تو کہنے لگیں ''پتر' گھر میں اور جتنے لوگ بھی تھے' لیکن ماں تو میں ہی تھی''۔ میرے کردار کے بارے میں انہیں بہت یقین تھا۔ میرے دوست ان کے لئے قابل فخر تھے۔ دو سال قبل گردے بھی فیل ہو گئے۔ ڈیالسس ہونے لگا' بہن امریکہ میں تھیں انہوں نے اپنے پاس بلا لیا' کچھ عرصہ وہاں رہیں علاج بھی ہوتا رہا۔ اچانک ایک دن خبر آئی کہ ڈاکٹروں نے انکار کر دیا ہے' بات صرف گردوں تک محدود نہیں رہی تھی' جگر بھی ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ باجی سے کہنے لگیں' مجھے واپس لے چلو' مجھے بے قدروں کے اس ملک میں نہیں مرنا۔ 10 اکتوبر کو وہ واپس آ گئیں۔ یہاں ان کا ڈیالسس دوبارہ شروع ہو گیا' ہمیں علم تھا کہ وہ چند دنوں کی مہمان ہیں۔

اب کے ان سے ملا تو وہ بالکل مختلف نظر آئیں۔ موت کو اس قدر قریب دیکھ کر بھی ان کے چہرے پر پریشانی نہیں تھی۔ ان کا صبر حقیقت میں مجھے انسپائر کر گیا' میں انہیں ڈیالسس کیلئے لے کر جاتا تھا' گاڑی میں گود میں اٹھا کر بٹھانا پڑتا تھا' جب میں نے انہیں پہلے دن اپنے ہاتھوں میں اٹھایا تو نہ جانے کیا ہوا' منہ سے اچانک الحمدللہ نکل آیا۔ ایک روشن خیال بیٹے کے ساتھ یہ کیا ہوا' کچھ نہ سمجھ پایا' ایک دن ڈاکٹر نے کہا ''ماں جی' آپ نے کتنی بیماریاں سنبھال رکھی ہیں'' کہنے لگیں ''پتر اللہ نے بیماری دتیاں...... اسیں نیئں سنبھالاں گے تے کون سنبھالو گا''۔ یہ آخری چوٹ تھی جو میرے ذہن پر پڑی۔ سب کچھ بکھر گیا' سب کچھ جاتا رہا۔ دو دن بعد سحری کے وقت 3 رمضان المبارک کو چلی گئیں ہمیشہ کیلئے آج دل چاہتا ہے کہ ان سے خود بات کروں'' آج میں آپ کو آپی جی نہیں کہوں گا' ماں کہوں گا' دل چاہتا ہے' ماں میں آج بھی اپنی تلاش میں ہوں' خود کو ڈھونڈ رہا ہوں' ماں! تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو منزل سامنے دکھائی دیتی ہے' بالکل سامنے لیکن...... ماں............!

تیری طلب کا کوئی مسئلہ نہیں باقی
جو تو ملا ہے تو اب میں رہا نہیں باقی
بہت قریب ہی منزل دکھائی دیتی ہے
دکھائی دیتی ہے پر راستہ نہیں باقی
تیری وفا تو ہے باقی اے میری جان عزیز
تیری وفا میں جو تھا مبتلا نہیں باقی

اے 20 ویں صدی کی آخری عورت' میری ماں' تیرے ''فرسودہ'' خیالات مجھے جان سے بھی پیارے ہیں' میں آج بھی انہیں کے ساتھ زندہ ہوں' میں تیرے حصار سے نکل نہیں پایا۔ تیری دعائیں دیوار نہیں' تھپکیاں ہیں۔ آگے بڑھنے کا حوصلہ دے رہی ہیں۔ ماں! اب کچھ اور لکھا نہیں جاتا۔ نیند آ رہی ہے' تمہاری آواز میں وہ لوری سنائی دے رہی ہے۔

''اللہ ہی اللہ کیا کرو' دکھ نہ کسی کو دیا کرو
جو دنیا کا مالک ہے' نام اسی کا لیا کرو''

وقت

☆ جو شخص طاقت کے دنوں میں نیکی نہیں کرتا ضعف کے دنوں میں سختی اٹھاتا ہے کہ یہ وقت کا تقاضا ہے

☆ زندگی کیا ہے؟ صرف وقت پس اگر ہم اسے ضائع کرتے ہیں تو گویا زندگی برباد کرتے ہیں۔

صبر

☆ وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے اس سے اچھا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان سے اذیت پہنچنے پر صبر کرتا ہے۔ (نبی اکرم ﷺ)

☆ وہ رزق کی فراخی جس پر شکر نہ ہو اور وہ معاش کی تنگی جس پر صبر نہ ہو فتنہ بن جاتی ہے

☆ شکایت کا ترک کرنا صبر ہے۔ (امام جعفر صادقؒ)

عظمت نعمت

میں تو کبھی کبھی یوں بھی سوچا کرتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ اوصاف حمیدہ آپ کے کمالات آپ کے محاسن' غرض یہ کہ آپ کی مختلف الانواع بے مثال خوبیوں کو دیکھ کر جی یہ چاہتا ہے کہ ایسے گوناگوں محاسن سے متصف شخصیت کو کیوں نہ معبود بنا لیا جائے۔ مگر جب اس عظمت کو کسی دوسری عظمت کے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری کے عالم میں پوری دردمندی کے ساتھ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہتے ہوئے سجدہ ریز پاتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ جس کے آستانہ عالیہ پر یہ عظمت سرنگوں ہے وہ ذات کتنی عظیم کتنی بلند اور کتنے اوصاف کو محاسن کی مالک ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تو ختم الرسلینؐ کی عظمت نے ''احکم الحاکمین'' کی عظمت و نعمت سے روشناس کرایا ہے۔ (سید عطا اللہ شاہ بخاری)

مرسلہ ذوالفقار زلفی۔ جھاوریاں

☆ ابوالعالیہؒ ایک دفعہ ہارون الرشید کے پاس آئے اور فرمایا ''مظلوموں کی دعا سے خائف رہ کیونکہ ان کی دعا رد نہیں ہوتی اگرچہ فاجر و گنہگار اور کافر ہی کیوں نہ ہو۔

☆ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ صبر کی نعمت ایسی ہے جو فرشتوں کو بھی نہیں ملی کیونکہ ان میں نفس اور نفسانی خواہشات بھی نہیں ہیں تو ان کو ایسی کشمکش بھی پیش نہیں آتی۔

☆ حضرت معتمرؒ فرماتے ہیں برا احسان یہ ہے کہ سائل کو تیرے پاس سوال کی ضرورت ہو اور وہ تجھ سے شرم کھائے۔ اس صورت میں تیرا احسان اس کی شرمندگی کی مکافات نہ کرے گا مناسب یہ تھا کہ تو اپنے دوست کے حالات کی خود تفتیش کرتا اور سوال کی نوبت ہی نہ آتی۔

مخزن اخلاق سے اقتباس (رابعہ اصغر ڈسکہ سیالکوٹ)

''واہ کیا بات ہے''

فریحہ ممتاز

سنہری اقوال

جب مخلوق کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو (لقمان حکیم)

سورج کی روشنی میں کائنات کے نشیب و فراز نظر آتے ہیں اور علم کی روشنی میں زندگی کے نشیب و فراز (عمر خیام)

مشورہ بے مثل

☆ مولانا بسمل شاہجہانپوری نے اپنی ریش مبارک کو کریدتے ہوئے پریشان سا ہو کر اپنے ایک دوست سے کہا ''صاحب! میں اپنا دیوان شائع کرنا چاہتا ہوں لیکن پریشانی یہ ہے کہ اس کے لئے مناسب نام نہیں سوجھ رہا ہے اپنے تخلص کی رعایت سے مجموعہ کا نام رکھنا چاہتا ہوں جیسے حضرت فانی بدایونی کے مجموعہ کلام کا نام ''باقیات فانی'' مخمور دہلوی کے مجموعہ کا نام ''بادہ مخمور'' جوش ملیسانی کے مجموعہ کا نام ''بادہ سرجوش'' ہے ان کے دوست نے نہایت نیازمندی سے دریافت کیا تو اس لحاظ سے آپ کی کتاب کا نام ''مرغ بسمل'' کیسا رہے گا۔

ماریہ رحمان عنبر شورکوٹ کینٹ

امتحان

ایک دفعہ شیطان حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور بولا'' کیا درست ہے کہ جو کچھ قسمت یا تقدیر میں لکھا ہو وہی ہوتا ہے؟'' خضت موسیٰ نے فرمایا'' ہاں یہ درست ہے کہ قسمت کا لکھا ہوا برحق ہے اور ایسا ہی ہو کر رہتا ہے اس شیطان نے کہا کہ آپ سامنے والے پہاڑ سے چھلانگ لگائیں اگر آپ کی قسمت میں لکھا ہے آپ محفوظ رہیں گے' تو واقعی آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا'' حضرت موسیٰ نے فرمایا'' مردود'' خدا اپنے بندے کا امتحان لے سکتا ہے لیکن بندہ خدا کا امتحان نہیں لے سکتا۔ (عظیم ریاست پنڈی سید پور)

قوم بری نہیں

دوسری جنگ عظیم میں چرچل نے کہا تھا ہم جنگ نہیں ہاریں گے کیونکہ ہمارے پاس ابھی خون پسینہ محنت اور آنسو باقی ہیں لہٰذا قارئین کرام میں بھی جب ''سوکالڈ'' دانشوروں کے منہ سے اس ملک کی بربادی کی وعید سنتا ہوں تو نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دیتا ہے نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ ابھی اس ملک کے چودہ کروڑ عوام کی رگوں میں غیرت مند لہو تخلیق کیلئے پسینہ کوشش کیلئے محنت اور بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کے لئے آنسو موجود ہیں۔ لہٰذا ہم بالکل نہیں ہاریں گے کیا ہوا سیاستدان برے ہیں لیکن قوم تو بری نہیں۔ (جاوید چودھری کے کالم سے اقتباس) محمد اشتیاق سلیمی قبولہ شریف

حکمت کے موتی

خوش نصیب وہ ہے جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اس کا چپ ہونا غور و فکر ہو اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)

جس قدر تنہائی اور گوشہ نشینی بڑھے گی اس قدر غور و فکر بڑھے گا جس قدر غور و فکر بڑھے گا انسان پر وہ راستے کھل جائیں گے جو جنت کو جاتے ہیں (لقمان حکیم)

اجڑے گھر' اجڑے در و دیوار' اجڑی بستیاں' اجڑے دیس اور اجڑے دل ذکر الٰہی سے بستے ہیں۔

غیر مسلم کو سلام کا جواب دو (حکیم ترمذی)

مخلص اور دانا دوست پھل دار درخت کی مانند ہے اگر نیچے بیٹھو گے تو سایہ دے گا اور اوپر چڑھو گے تو پھل پاؤ گے

بدکلامی جانوروں تک کو پسند نہیں

زندگی ایک پھول ہے محبت اس کا شہد

نیک کام کر کے مرجانا آب حیات پینے سے بہتر ہے

(حافظ محمد زبیر ساجد سپرا اوکاڑہ کینٹ)

ارشاد رسول اللہ ﷺ

رسول اکرمؐ نے فرمایا وہ زمانہ آ رہا ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں صحابہؓ میں سے کسی نے عرض کیا'' یا رسول اللہؐ کیا اس زمانے میں ہم مسلمان تعداد میں کم ہو جائیں گے' حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں تم ان دنوں تعداد میں بہت زیادہ ہو گے لیکن تمہاری حالت ایسی ہو جائے گی جیسے سیلاب کے پانی کی سطح پر جھاگ اور خس و خاشاک ہوتا ہے اللہ پاک دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھائے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا' ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ وہ کمزوری کیسی ہوگی؟ آپ سرکارؐ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے کراہت''

(جویریہ کنول گجرات)

Scanned with CamScanner

YES ITS ME

ہونہار بچی

میرا نام ہے رابعہ طارق اور میں ہوں ایک ہونہار بچی اور اس کا ثبوت ہے یہ سرٹیفکیٹ جسے آپ میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہیں جو میں نے سکول میں پوزیشن پانے پر حاصل کیا ہے اور آپ کو ایک اور بات بھی بتاؤں میرے انعام پانے میں پھول کا بھی حصہ ہے کیونکہ اسے پڑھ کر بہت اچھی باتیں سیکھی ہیں

معصوم چہرہ

جی تو یہ معصوم سے چہرہ ہے خذیفہ طارق کا یعنی میرا مگر میں اتنا معصوم نہیں ہوں ہوں تھوڑا شرارتی ہوں میرے ڈیڈی وکیل ہیں اور وکیل تو آپ جانتے ہیں اس لئے میں بھی "پتا پر پوت والی" مثال کے مطابق اچھا اور سچا وکیل بننے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ خذیفہ طارق

لاہور

اتنی سی عمر میں

بھئی دیکھا آپ نے مجھے اتنی سی عمر میں ہم یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں مطلب یہ کہ یونیورسٹی لیبارٹری سکول میں اور تصویر میں آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں ڈائریکٹر ایجوکیشن IER سے پہلا انعام لے رہا ہوں۔ محمد اویس سرور

ڈبل مزا

جی تو میں تسمیہ حنیف دیکھا کتنا پیارا نام ہے میرا اور ویسی ہی پیاری میں خود ہوں سمندر کے کنارے تیز اور ٹھنڈی ہوا میں تصویر بنوانے کا اپنا ہی مزا ہے اور اگر پھول کیلئے ہو تو ڈبل مزا ہے۔

اب یہ بھی کہیں گی

یہ ہیں ہمارے گاؤں کی سب سے عمر رسیدہ خاتون فضل بی بی ماشا اللہ اب ان کے دانت بھی دوبارہ نکل آئے ہیں ہم سے پھول پڑھوا کر سنتی ہیں اور دعائیں دیتی ہیں تصویر کا شوق تھا تو اب یہ بھی کہیں گی Yes its me

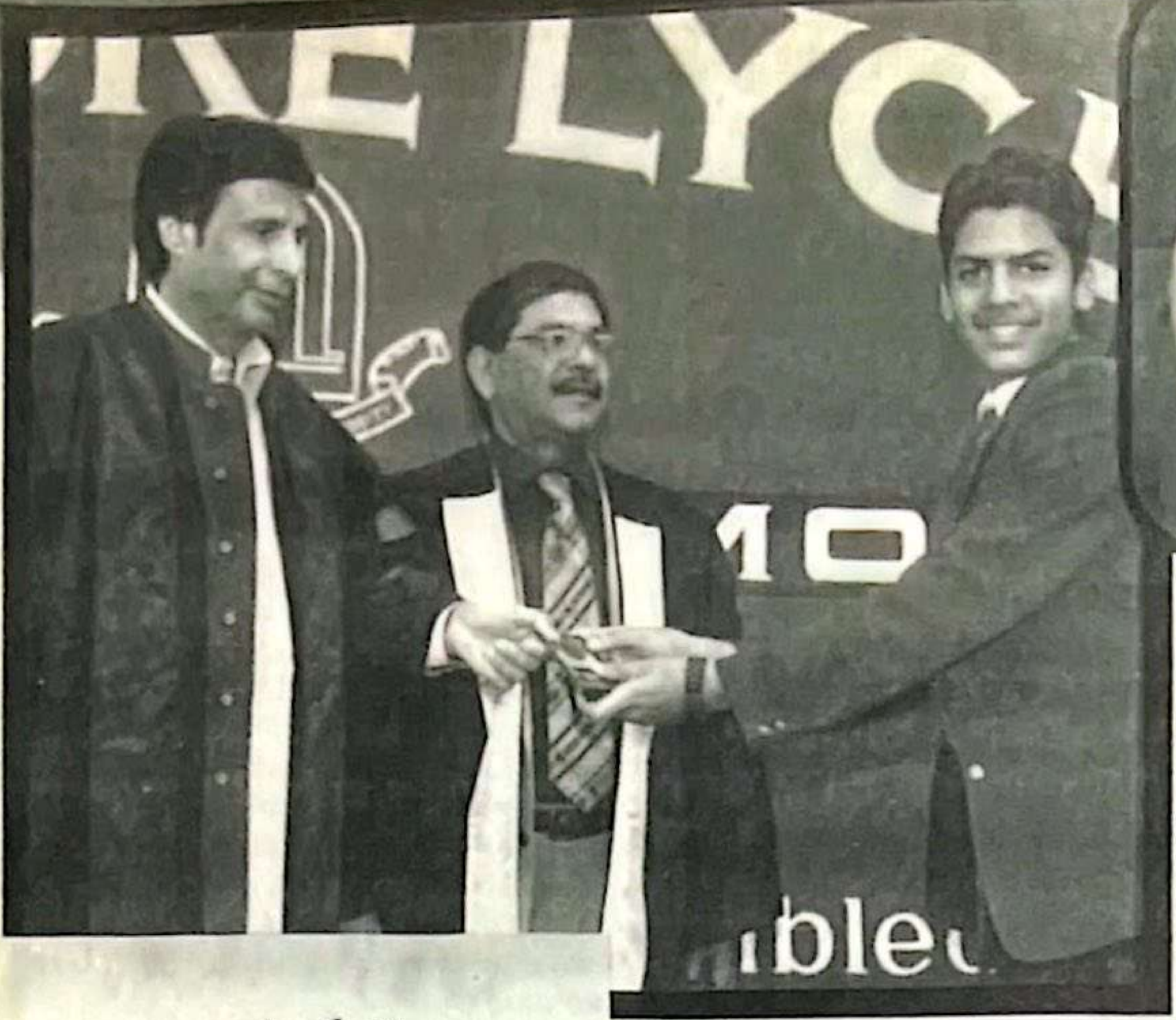

انعام کا مزا

میں ہوں ربیعہ کامران اور یہ تصویر میری یادگار تصویروں میں سے جب میں نے آل پاکستان بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کی طرف سے پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے تحت مقابلے میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور دی پنجاب سکول کے ڈائریکٹر کرنل صابر سے انعام حاصل کیا انعام کی خوشی کو آپ جانتے ہیں کیسی ہوتی ہے۔

فخر کی بات

کسی بڑے آدمی سے انعام پانا بھی تو الگ طرح کا ہی اعزاز ہوتا ہے یہ خوشی مجھے جب ملی جب میں نے وزیر اعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی سے اولیول کے امتحان میں اعلیٰ کارکردگی پر شیلڈ حاصل کی یہ بات میرے اور میرے سکول لاہور لائسم سکولز سسٹم دونوں کیلئے فخر کی ہے۔ سید رافع علی لاہور۔

تصویر میں ٹانگ

جی ہاں یہ ہم ہیں یعنی بدر راجپوت اور ساتھ ہیں ہمارے پیارے طوطے ریمنڈ و تصویر تو میں نے اکیلے ہی کھنچوانی تھی مگر ریمنڈ و صاحب نے جب دیکھا کہ سب کچھ ریڈی ہے تو اپنی ٹانگ اڑا دی ہم بھی تصویر کھنچوائیں گے ویسے تو ہمارے ریمنڈ و جی ہیں تو بہت سیانے مگر اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتے ادھر سبز مرچ کھاتے ہیں تو ساتھ ہی ہمیں حصہ دینے پہنچ جاتے ہیں۔ بدر ایاز احمد راجپوت گوجرانوالہ

ہمارا پیار

ہم ہیں عمیر اور زبیر دونوں پیارے بھائی بہت محبت سے رہنے والے اکٹھے جاگتے سوتے اور کھاتے پیتے ہیں بہت اچھا لگتا ہے دعا کریں کے ہمارا پیار ہمیشہ قائم رہے۔ عمیر زبیر ننکانہ صاحب

اونٹ کی خوشی

ہم کوئی کلفٹن یا مری میں نہیں ہیں بلکہ ایک دن مسٹر اونٹ ہمارے محلے میں آنکلے تھے پھر کیا پھول کا نام سن کر وہ بھی تصویر بنوانے پر راضی ہوگئے میرے ساتھ ہیں میرے پیارے دوست بلال احمد اور مسٹر اونٹ بھی تو بہت خوش نظر آتے ہیں۔

بوجھو تو جانیں

تو آپ غور سے دیکھ کر بتائیں کہ میری شکل کس سیاسی رہنما سے ملتی ہے نشانی میں آپ کو بتا دیتی ہوں دو دفعہ پاکستان کی وزیراعظم رہی ہیں اور اردو بڑے مزے کی بولتی ہیں اب تو آپ جان ہی گئے ہونگے۔ انعم

یہ ہے سائنس کی دنیا

ہر ماہ 5 بہترین سوالوں پر 1000 روپے کے انعامات

Tablet PC

س۔ کمپیوٹر میں "Tablet PC" کیا ہے؟ ۔یسرا جاوید باجوہ۔ فیصل آباد

ج: TEP/IP یا IP اور TCP پہلی دفعہ امریکی ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس (DOD) کے ریسرچ پراجیکٹ کے تحت وجود میں آیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ بہت سے مختلف نیٹ ورکس (جو کہ مختلف "Vendor" یا سافٹ ویئر ڈویلپرز کے بنائے گئے ہوں) کو انٹرنیٹ سے منسلک کرنے کی سہولت فراہم کرتا تھا۔ TCP سے مراد "Tramsmission control protocl" جبکہ IP سے مراد Internet protocl ہے۔ بہت سے دوسرے کمیونیکیشن پروٹوکولز کی طرح TCP/IP بھی "Layers" کی صورت میں ہوتا ہے۔ IP کی ذمہ داری ہے کہ یہ ڈیٹا کے پیکٹوں کو ایک "node" سے دوسری "node" تک منتقل کرتی ہے IP ہر پیکٹ کو ایک چار بائٹ کے ایڈریس پر منتقل کرتا ہے IP گیٹ وے مشینوں کے طور پر عمل کرتا ہے جو کہ کسی ڈیپارٹمنٹ سے کسی آرگنائزیشن کو کسی علاقے میں یا دنیا کے کسی بھی حصے میں ترسیل میں مددگار ہوتا ہے۔

TCP ایک "Client" سے "Server" کو ڈیٹا کی درست ترسیل کو چیک کرنے کیلئے ذمہ دار ہوتا ہے TCP ایک اضافی سہولت یہ بھی فراہم کرتا ہے کہ ڈیٹا کی ترسیل میں کسی گڑبڑ کو چیک کر سکے اور اس ڈیٹا کو دوبارہ بھیجنے پر TCP/IP تک رسائی کیلئے "Subroutines" کے پیکج کو ساکٹس "Sockets" کا نام دیا جاتا ہے۔ Tablet کمپیوٹر کی وسیع و عریض صنعت کا ایک انقلاب آفرین کارنامہ ہے۔ جس میں پین کے ذریعے ان پٹ اور اس سے بھی بڑھ کر آواز کے ذریعے ان پٹ دینے کے ذرائع کی منصوبہ بندی، تشکیل اور ترقی پر تحقیق ہمہ وقت جاری ہے۔ Tablet PC لیپ ٹاپ کی ہی ایک مزید ترقی یافتہ قسم ہے۔ اس میں عام کمپیوٹر کی طرح کی بورڈ سے ان پٹ کے ساتھ ساتھ ایک ڈیجیٹل پین کے ذریعے ان پٹ دی جا سکے گی جس کے پین کی نب میں بال پین کی نب کی طرح ایک ننھا سا ماؤس بال ہوگا جس کی حرکت کے ساتھ سکرین پر اسی طرح لفظ لکھا جائے گا۔ اس مقصد کیلئے لیپ ٹاپ کی سکرین بالکل فلیٹ رکھی گئی ہے۔

ہیکرز

س۔ کمپیوٹرز کی دنیا میں ہیکر کسے کہتے ہیں اور یہ کیا ہوتے ہیں؟

(محمد انور کمبوہ۔ گوجرانوالہ)

ج۔ ہیکرز کی کئی اقسام ہو سکتی ہیں۔ ایک تو وہ نیٹ ورک ہیکرز ہوتے ہیں جو غیر معاشرتی قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہوتے ہیں جن کا مقصد سوائے دہشت اور پریشانی پھیلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی سرگرمیوں کی بھی کئی اقسام ہو سکتی ہیں مثلاً کچھ سہولیات کی فراہمی میں رکاوٹ کیلئے یعنی Denial of Sevice حملے یا Mail bombs وغیرہ کی تخلیق کا مقصد ہی کمپیوٹر نیٹ ورکس کے نظام کو درہم برہم کرنا اور ان کے ذریعے مہیا ہونے والی سہولیات میں رکاوٹیں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نیٹ ورک ہیکنگ کی ایک اور قسم خاص قسم کے محفوظ ڈیٹا تک رسائی کیلئے پروگرامز کی تشکیل و تخلیق بھی ہے اس کے ذریعے ہیکرز سیکورٹی کوڈز تک رسائی حاصل کر کے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے وہ Sniffers پروگرام تخلیق کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سافٹ ویئر کریکرز کی قسم بھی اہم ہے۔ یہ کمپیوٹر کے سافٹ ویئر نظام کو درہم برہم کر کے اسے کام کے قابل نہیں چھوڑتے۔ یہ کریکرز عموماً وائرس کے ساتھ ساتھ اس کا اینٹی وائرس بھی بناتے ہیں جسے مارکیٹ میں بیچ کر یہ بڑی بڑی رقمیں کما لیتے ہیں۔

مختصراً ان کے بعد وائرس بنانے والے ہیکرز کی باری آتی ہے۔ ان وائرسوں کی بھی اقسام ہوتی ہیں مثلاً Worm یہ کمپیوٹر میں گھس کر اسکے Resources پر قبضہ کر لیتا ہے اور یہ پھیلانے کیلئے انٹرنیٹ کو استعمال کرتا ہے۔

Prions

س: Prions کیا ہوتے ہیں؟

سہیل مصطفیٰ۔ ضلع سرگودھا

ج: جدید تحقیق کے مطابق یہ ایک انفیکشن پھیلانے والے عامل ہیں جس میں Nucleic Acid Genome نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے پروٹین تنہا حالت میں ایک انفیکشن پھیلانے والا عامل ہے۔ انفیکشن پھیلانے والے عامل Agent کو Prion کہتے ہیں۔ Prion کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انتہائی چھوٹے انفیکشن پھیلانے والے پروٹینی اجزا جو نیوکلیک ایسڈ کو تشکیل دینے والے عمل کو غیر متحرک کرنے کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اس دریافت نے کہ پروٹین تنہا حالت میں انفیکشن والی بیماریاں پھیلانے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ سائنسی حلقوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ Prion کی بیماری کو بعض اوقات Spongiform-encephalopathies بھی کہا جاتا ہے۔

سارس

سارس کیا ہے؟

راؤ ساجد کلیم۔ ضلع بدین

سارس (SARS) سے سے مراد "Severe Acute Respiratory Syndrome" ہے۔ اس کی علامات میں شروع میں 100.4F سے زیادہ بخار ساتھ ساتھ جاڑے کی کیفیت، سر درد جسم میں دردیں اور عمومی بے سکونی شامل ہے کچھ مریضوں کو سانس کی تنگی بھی درپیش ہوتی ہے اس سے متاثر ہونے کے بعد علامات ظاہر ہونے کا عرصہ دو سے سات دن تک کا ہے اس دورانیے کے اختتام تک مریض کو خشک کھانسی بھی شروع ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں خون کو آکسیجن کی فراہمی میں کمی بھی ہو جاتی ہے فی الحال اس کا کوئی مجرب علاج دریافت نہیں ہو سکا ہے لہٰذا اس کے مریضوں کو وہی علاج کروایا جا رہا ہے جو کہ Community Acquired Atypical Pneumonia کے مریضوں کیلئے تشخیص کیا جاتا ہے اس کی تشخیص کیلئے ہر فہرست (RT-PCR) یہ "Reverse Transcription Polymerase chain Reaction" کا مخفف ہے۔ اس میں مریض سے حاصل کئے گئے خون، پاخانہ اور بلغمی رطوبات کی مدد سے وائرس کی تشخیص کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ "Serologic Test" کی مدد سے جسم میں بیماری سے مدافعت کیلئے پیدا ہونے والے ضد اجسام کی موجودگی سے تشخیص اور اس کے علاوہ "viral culture" بھی وائرس کی تشخیص کیلئے معاون ہوتا ہے۔

سارس کا وائرس ابتدائی طور پر قریبی تعلقات مثلاً مریض کی دیکھ بھال کرنے والے میں مریض کا منہ چومنے سے، گلے ملنے سے، ایک ہی برتن میں کھانا کھانے سے، تین فٹ سے کم فاصلے سے دیر تک گفتگو کرنے سے، مریض کے جلدی معائنے سے، مریض کی کھانسی سے، چھینک سے، منہ، ناک اور آنکھ کی رطوبات سے، تھوک سے اور کئی دیگر ذرائع سے پھیل سکتا ہے۔

اس سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر میں کسی بھی وائرل بیماری سے بچنے کیلئے تمام احتیاطی تدابیر شامل ہیں خاص طور پر ہاتھوں کو وقفے وقفے سے جراثیم کش صابن سے دھوتے رہنا۔ مریض کو چاہئے کہ ناک اور منہ کو سرجیکل ماسک سے ڈھانپ کر رکھے خاص طور پر کھانسی اور چھینک کے وقت۔ اگرچہ قریبی تعلقات کے ذریعے اس کے پھیلنے کی شرح بہت کم ہے لیکن احتیاط انتہائی ضروری ہے۔ 15 مئی 2003ء تک کے اعداد و شمار کی روشنی میں اس مرض میں اوسط شرح اموات 8 فیصد ہے۔

ستاروں کی جھلملاہٹ

س: ستارے کیوں جھلملاتے نظر آتے ہیں؟ (انیلا کائنات۔ دریا خان)

ج: ستاروں سے متعلق ہمیں جان لینا چاہئے کہ ان کی حقیقت وہ نہیں جو ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اتنے چھوٹے نہیں ہیں جتنے ہمیں نظر آتے ہیں بلکہ زبردست فاصلہ ہونے کی وجہ سے ہمیں چھوٹے چھوٹے نقطے جلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہیت دانوں نے ان ستاروں کو دیکھنے اور پرکھنے کیلئے جو بڑی دوربین بنائی ہے اس سے تقریباً 8 کروڑ ستارے دیکھے جا چکے ہیں۔ تقریباً 12 ارب ستاروں کا اندازہ لگایا گیا تھا لیکن اب یہ تعداد بھی مذاق بن چکی ہے۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر مزید طاقتور دوربینیں میسر آ جائیں تو کم از کم 140 ارب ستاروں کی تصاویر اتاری جا سکتی ہیں۔ ستارے عموماً بیضوی شکل کے ہوتے ہیں لیکن چونکہ ستاروں کی سطح پر جاری زنجیری تعامل کے نتیجے میں پیدا ہونے والے لاکھوں میل بلند شعلے ان سے ہر سمت میں پھیلتے ہیں۔ ان کی روشنی شعاعوں کی صورت میں مختلف سمتوں میں جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

تعاون: انجمن برائے تعلیم (رجسٹرڈ) جی پی او بکس نمبر 2243 فون: 7311810 لاہور پاکستان

بچیکی میں تیسرے پھول کہانی گھر کا قیام

(رپورٹ: نصراللہ ناصر) گزشتہ دنوں بچیکی میں پھول کلب کے زیر انتظام تیسرے پھول کہانی گھر کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پروگرام کے مہمان خصوصی جاوید احمد معاویہ صدر پھول کلب بچیکی تھے۔ پروگرام میں پھول ساتھیوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ بچوں نے مختلف کہانیاں سنائیں۔ جبکہ جاوید احمد معاویہ نے پھول کہانی گھر کے قیام کے اغراض ومقاصد بیان کیے۔ بعد میں پھول کہانی گھر نمبر 3 کے عہدیداران کا حتمی فیصلہ کیا گیا۔ صدر چودھری فیض احمد نائب صدر ناظم حسین بھٹی' جنرل سیکرٹری چودھری عدنان افضل اور سیکرٹری نشر واشاعت نصراللہ ناصر کو مقرر کیا گیا۔ پروگرام میں چودھری سہیل افضل' چودھری شوکت علی' عمران کاوش' عمران رائے' افتخار بلوچ' محمد امین' پرویز کنول اور ریاض حسین بھٹی نے شرکت کی۔

بارش میں بھیگتا کہانی گھر

رپورٹ: عرفان احمد کاہلوں' اہتمام محمد زاہد' کمپیئرنگ: عدنان اشرف

بارش ہو رہی تھی بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی ہم ابھی یہ سوچ رہے تھے کہ کہانی گھر ملتوی کر کے کوئی اور تاریخ رکھی جائے لیکن یہ کیا عابد علی جو کہ کہانی گھر کے بڑے ریلیکس ممبر ہیں چھتری تھامے چند ممبران کے ہمراہ آتے ہوئے دکھائی دیے اور ساتھ نعمان بھائی اور عدنان بھائی کا لشکر بھی آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہماری خوشی مزید بڑھ گئی جب دادا جان بھی آتے ہوئے دکھائی دیے۔ کہانی گھر کا آغاز محمد ذیشان عطاری کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ حضور پرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور عقیدت کے پھول محمد سرور نے پیش کیے۔ محمد بلال نے قصیدہ بردہ شریف پڑھ کر پروگرام میں سرور کی کیفیت پیدا کر دی۔ کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو عدنان بھائی جو کمپیئرنگ کر رہے تھے سب سے پہلی کہانی ''فضلو درزی'' سنائی۔ عابد علی اپنے پیپرز ہونے کے باوجود کہانی گھر میں آئے تھے انہوں نے ''ہم ایک ہیں'' سنائی۔ نعمان بھائی نے بھیا جی کی بیڈ ٹائم سٹوری ''ہاڈ کروال'' سنائی۔ سبحان علی اور حیدر علی نے مل کر ''ملی نغمہ'' سنایا جس سے پروگرام میں جوش پیدا ہوا۔ صدر پھول کہانی گھر عرفان احمد کاہلوں نے کہانی گھر کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے مسئلہ عراق پر روشنی ڈالی۔ اور کہانی (GOOD BYE AMERICA) سنائی۔

کہانی گھر جلسہ بن گیا

اہتمام: پھول ٹیم' رپورٹ محمد سرور' کمپیئرنگ عرفان احمد کاہلوں

پھول کہانی گھر علامہ اقبال کالونی فیصل آباد کا یہ پروگرام دکن پارک سمن آباد میں ترتیب دیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت علی انوار نے حاصل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت بلال احمد نے پیش کیا اور جیسے ہی پروگرام کا آغاز ہوا پارک میں آئے ہوئے بچوں اور والدین بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہو گئے اور کہانی گھر جلسے کی صورت اختیار کر گیا۔ سب سے پہلے عدنان نے ''کہانی سچا خواب'' سنائی ہم ایک ہیں سبحان علی نے سنائی۔ عابد علی نے ''کچھوا اور خرگوش'' سنائی ''کرایہ'' نعمان اقبال نے سنائی ''قائد کہانی'' محمد ذیشان نے سنائی' محمد سرور نے اشعار اور لطیفے سنائے' حیدر علی' محمد طاہر اور دوسرے بچوں نے مل کر ملی نغمے سنائے۔ عرفان اکرم پہان بھائی نے صبح کی سیر سنائی۔ عرفان احمد کاہلوں نے کہانی گھر کے اغراض ومقاصد بیان کیے اور بیڈ ٹائم سٹوری سنائی۔ نعیم شہزاد کاشف' عثمان' محمد زاہد' اعجاز' محمد عمران' احسان' راشد' گوگا' ساجد' آصف' نوید' اشفاق اور پارک میں آئے ہوئے بچوں اور والدین نے پروگرام میں شرکت کی اور پروگرام کے آخر میں محمد سرور نے خوبصورت غزل سنائی اور بعد میں بچوں کو گول گپے کھلائے گئے۔

بڈھ لنگاہ میں سالانہ رزلٹ فنکشن پر شاندار کہانی گھر

رپورٹ: صائمہ جبین' نمرہ نورین' اہتمام سربراہان بمعہ سٹاف' کمپیئرنگ' محمد آصف حیدری' سعدیہ نورین۔ ہم نے نئی روایت قائم کرتے ہوئے ایسی جگہ پھول کہانی گھر کروایا جس کا نام بہت انوکھا ہے اس انوکھے سے نام کا یہ گاؤں بھی ہم نے ہی دریافت کیا ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ ہم پیپرز کے سلسلے میں گورنمنٹ مسلم کالج برائے خواتین میں گئے وہاں پر ہماری ملاقات بڈھے لنگاہ سکول کی ٹیچرز سے ہوئی جب انہیں پتہ چلا کہ ہمارا تعلق پھول کہانی گھر سے ہے تو انہوں نے ہمیں اپنے سکول برکت میموریل پبلک ماڈل سکول بڈھے لنگاہ ضلع ناروال میں پروگرام کروانے کی پرزور آفر کی۔ جیسے ہم روانہ ہوئے اور بمعہ ٹیم کے بڈھے لنگاہ جا پہنچے۔ پروگرام کے صدر سکول کے پرنسپل آصف حیدری تھے اور مہمان خصوصی نیشنل کالج کے پروفیسر تھے۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز حسب معمول تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت یاسمین اختر نے حاصل کی نعت رسول مقبولؐ پڑھنے کی سعادت کلاس چہارم کی سٹوڈنٹ سعدیہ فاطمہ نے حاصل کی۔ صدر پھول کہانی گھر سعدیہ نورین نے پھول کہانی گھر کے قواعد وضوابط سے آگاہ کیا۔ میڈم ارشاد جن کی بھرپور توجہ اور تعاون کی وجہ سے فنکشن میں مزید نکھار پیدا ہوا لڑکیوں نے ہاتھوں میں جھنڈیاں پکڑ کر اپنے وطن کا ترانہ پیش کیا۔ ساتویں کلاس کی لڑکیوں نے نوکرانی ڈرامہ پیش کیا جس میں فاطمہ سعدیہ نے نوکرانی کا کردار ادا کیا جس کو سب نے بہت پسند کیا اور پریپ کی دو ننھی منی بچیاں شمع یاسمین اور حبیبہ اسلم دونوں نے بھی بہت خوبصورت ٹیبلو پیش کیا پرنسپل آصف حیدری کے اصرار پر بچیوں میں مقابلے کا امتحان ہوا جس میں شمع اور حبیبہ نے سیکنڈ پوزیشن حاصل کی اس پروگرام میں بچوں کے والدین نے نہایت خوش دلی سے شرکت کی۔ فرسٹ' سیکنڈ اور تھرڈ پوزیشن حاصل کرنے والے بچوں کو شیلڈ اور بہترین سٹوڈنٹس کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ گورنمنٹ ہائی سکول کے سابقہ ہیڈ ماسٹر سر ارشاد نے پانچویں کے بورڈ کے امتحان میں سکول کو نمایاں پوزیشن حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ مہمان خصوصی نے بچوں کو بہت اچھی اچھی باتیں بتائیں جن میں بچوں کو روشن مستقبل کی نوید دی۔ پروگرام کے اختتام پر مہمانوں کو کھانے اور چائے وغیرہ سے نوازا۔ پرنسپل محمد آصف حیدری' میڈم شبانہ' میڈم آسیہ' میڈم ثمینہ' میڈم رخسانہ' میڈم رضوانہ' میڈم آصفہ' میڈم عظمیٰ' میڈم ارشاد' میڈم شازیہ نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ مہمان خصوصی نے اتنا اچھا پروگرام کروانے پر مبارکباد دی اور پھول ٹیم اور رسالے کی ترقی کے لئے بھی دعا کی۔ انہوں نے کہا کہ ایسا رسالہ بچوں اور تعلیم تربیت شعور تفریح کے مواقع فراہم کر رہا ہے۔

بونداباندی کے دوران کہانی گھر

رپورٹ: محمد حسن اکمل' اہتمام: ایم فیصل املوک' کمپیئرنگ زمان سکندر بھٹی

تمام پھول ساتھیوں کی مشاورت سے طے پایا کہ اس دفعہ پروگرام ایم فیصل املوک جو کہ پھول کہانی گھر ننکانہ صاحب کے نئے رکن بنے ہیں ان کی رہائش گاہ پر ہوگا تو سو تمام پھول سات اپریل کو فیصل کے گاؤں 562 گ ب پہنچ گئے۔ اسی دوران ہلکی ہلکی بونداباندی بھی ہونے لگی تو تمام پھول ساتھیوں نے خوب انجوائے کیا دوران بونداباندی کے پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک ہوا جس کی سعادت عرفان عنایت نے حاصل کی۔ نعت شریف کی سعادت شہباز حیدر مغل نے حاصل کی۔ عادل ناز سندھو (علی بابا) سنائی عدیل احمد نے (چوڑیاں ٹوٹ گئیں) سنائی پھر آصف نوید نے ایڈیٹر بھیا کی ((ہاڈ کروال) سنائی۔ ملک ندیم رفیق نے ملی نغمہ سنایا۔ امداد علی اور ارشاد حیدر مغل نے چٹ پٹے لطیفے سنائے اور خوب داد وصول کی۔ فیصل بھائی نے کشمیر کے موضوع پر ایک خوبصورت نظم سنائی۔ محمد حسن اکمل نے کہانی گھر کے اغراض ومقاصد بیان کیے۔

بہاولپور میں کہانی گھر کا تخلیقی پروگرام

رپورٹ: یاسمین انصاری اہتمام: عنیزہ رضوان۔ کہانی گھر کا عنوان تھا ''ہم سا ہو تو سامنے آئے'' اس کہانی گھر کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ کہانی اپنی تخلیق ہونی چاہیے تو سب نے اس شرط کو مدنظر رکھتے ہوئے مزے مزے کی کہانیاں سنائیں۔ عروج نے ''میری گڑیا'' فرح نے ''ہوائیاں اڑ گئیں'' مدیحہ نے ''بے شرم'' یاسمین نے ''مردہ زندہ ہو گیا'' نور نے ''میری بلی'' عنیزہ نے (چوری ہائے) راحت نے ''اشاروں کی زبان'' ثمرین نے ''گدھے کے سر پر سینگ'' ہما نے ''آپ بیتی'' سدرہ نے ''پھولوں کی دنیا'' اور عنبرین نے ''ہلو بیٹا عارف لوہار'' سنا کر بڑی داد وصول کی۔

بارش کی خوشی میں مظفرگڑھ میں پھول کہانی گھر

رپورٹ: علی عبداللہ' کمپیئر: عدنان مقبول بمقام کہکشاں اکیڈمی آف سائنس

مظفرگڑھ میں سخت گرمی کے بعد بادل امڈ آئے اور پھر کھل کے بارش ہوئی بارش کے بعد ہم نے تمام پھول ساتھیوں کو بلایا اور پھر پھول کہانی گھر شروع ہوا سب سے پہلے حسن عبداللہ نے تلاوت کی پھر یونس اسحاق نے نعت رسول مقبولؐ پیش کی تمام پھول ساتھی چاہتے تھے کہ وہ جلد از جلد اپنی چیز سنا دیں کیونکہ پھر ہمارے فارم کی سیر اور پکنک پارٹی تھی یوسف نے کہانی ''جلن'' سنائی۔ رحما نے ''ہمارے بھیا'' پر تقریر سنائی۔ دلگیر نے ''ساون کا موسم'' پر ہماری معلومات میں اضافہ کیا اور نزلہ زکام سے بچنے کی تدابیر بتائیں۔ شمائل نے نظم ''آم'' سنائی۔ آخر میں مہمان خصوصی ''دادی اماں'' نے تقریر کی اور بچوں پر زور دیا کہ وہ کھیل کے ساتھ ساتھ تعلیم پر بھی توجہ دیں۔ آخر میں سب کو فارم کی سیر' پکنک پارٹی اور پھر ہاتھ دھلوا کے ''پھول'' رسالہ پیش کیا گیا۔

عید میلادالنبیؐ کی خوشی میں کہانی گھر

رپورٹ: عرفان احمد کاہلوں' اہتمام: نعیم شہزاد' کمپیئرنگ: عدنان اشرف

پھول کہانی گھر فیصل آباد کا یہ پروگرام نعیم بھائی کے گھر میں ترتیب دیا گیا۔ صدارت تایا جان صوفی بشیر احمد (مدرسے والے) نے کی۔ عید میلادالنبیؐ کی خوشی میں ترتیب دیئے گئے پروگرام میں بچوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کہانی گھر کا آغاز حسب معمول تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت محمد ذیشان عطاری نے حاصل کی نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت نعیم شہزاد نے حاصل کی۔ پھر کہانیوں کا سلسلہ چل نکلا سب سے پہلے عدنان اشرف نے کہانی ''میٹھا مدینہ'' سنائی۔ محمد زاہد عرف کاڈا اپنی کہانی ''مہربانی'' کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے۔

عرفان اکرم عرف پہان بھائی نے پھول سے ''دھندلا منظر'' سنائی۔ آصف محمود کی ''لذت آشنائی'' محسن عالم عرف نیوٹن نے ''ماحسنک'' جہانزیب اقبال نے ''اسماء نبی الکریم ﷺ'' سنائے۔ محمد بلال' ذیشان اقبال اور نعمان اقبال نے مل کر ''قصیدہ بردہ شریف'' محمد سرور نے بیڈ ٹائم سٹوری ''سوری مما'' سنائی۔ صدر پھول کہانی گھر عرفان احمد کاہلوں نے پھول سے کہانی ''تپتے صحرا میں'' سنائی اور بچوں کو عید میلادالنبی ﷺ کی مبارکباد دی۔ تایا جان صوفی بشیر احمد نے حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالی اور حضور پرنور کا ''حلیہ مبارک'' بیان کیا۔ آخر پر دعائے خیر کی گئی اور بچوں میں پھول کے شمارے تقسیم کیے گئے۔

منچن آباد میں کہانی گھر

رپورٹ: حبیب اللہ شاذ' محمد صدیق احمد' شہزاد جمیل۔ اہتمام طاہر عباس سومرو' طارق محمود سومرو' اعظم فیضی۔ پھول کہانی کے زیر اہتمام ایک تقریب کا اہتمام ریڈینٹ وے پبلک سکول میں کیا گیا جس کے مہمان خصوصی وحید احمد شہزاد پرنسپل ریڈینٹ وے پبلک سکول تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت پھول ساتھی حافظ وقار احمد غوری نے حاصل کی نعت حذیفہ ذوالفقار نے پیش کی۔ بچوں کے درمیان دلچسپ کہانیاں' لطیفے اور نظمیں سنانے کے مقابلہ جات منعقد ہوئے فسٹ' سیکنڈ اور تھرڈ پوزیشن حاصل کرنے والے بچوں میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ وحید احمد شہزاد مہمان خصوصی نے اپنے ایک پیغام میں بچوں سے کہا کہ وہ فارغ وقت میں مثبت سرگرمیوں میں حصہ لیں اور اچھی نصیحت آموز کتابیں پڑھا کریں۔ تقریب میں عبداللطیف ظفر حبیب اللہ شاذ' شہزاد لطیف' سید وقاص جاوید نے خصوصی طور پر شرکت کی۔

11

عائشہ کوثر

وہ ایک عام سا کارڈ تھا۔ سفید چارٹ پیپر پر پینسل کلرز سے ایک دلکش پھول بنا ہوا تھا اور اندر کی طرف لکھا تھا

اچھی آنٹی جی، السلام علیکم!

کتنا اچھا ہو کہ آپ کل شام کی چائے اپنی بیٹیوں سمیت ہمارے گھر میں نوش فرمائیں۔ ہمیں آپ سے ملکر اور آپ کو ہماری چھوٹی کے ہاتھ کی چائے پی کر یقیناً بہت اچھا لگے گا۔ شکریہ

آپ کی منتظر

صبا، امجد، ثنا امجد اور مسز رابعہ امجد

آج ان تینوں گھروں کی خواتین اپنے بچوں کے ساتھ اس چائے کی دعوت میں شرکت کیلئے موجود تھیں۔ ان سب کے گھروں میں ایسے ہی کارڈز بھجوائے گئے تھے۔ امجد صاحب محکمہ گیس میں ملازم تھے۔ کچھ عرصہ قبل ہی وہ اپنی فیملی کے ساتھ اس محلے میں منتقل ہوئے تھے۔ بڑی بیٹی صبا بی اے کر چکی تھی اور یہ دعوت کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا جسے حقیقت بنایا تھا ان کی امی کی اجازت اور دونوں بہنوں کے پاکٹ منی کے تعاون نے۔

امی نے ہی سب مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور پھر اپنا اور اپنی بچیوں کا تعارف کرایا۔ پھر مہمانوں کے تعارف کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے آنٹی فاطمہ تھیں اپنی تین میں سے دو بیٹیوں کے ساتھ، بیٹیوں کا بتانے سے پہلے انہوں نے جو ٹھنڈی آہ بھری تھی اور دونوں بیٹوں کا بتاتے وقت جو بشاشت ان کے لہجے اور چہرے پہ در آئی تھی، صبا اسے محسوس کر کے بے اختیار ہی مسکرا دی تھی۔ دوسرے نمبر پر آنٹی سکینہ تھیں۔ جن کے چار بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور دو بیٹے ان کے ساتھ ان کی دس گیارہ برس کی چھوٹی بیٹی تھی۔ اور تیسرے نمبر پر آنٹی صغریٰ جبا کو ان کے چہرے پر قدرتی بشاشت کی چمک نظر آئی تھی۔ یوں جیسے وہ اندر سے پرسکون ہوں۔ ان کی دونوں بیٹیاں مصباح اور حسنہ بھی ساتھ تھیں۔ مصباح 10th جبکہ حسنہ 7th میں تھی۔ ان کے ابو آرمی سے ریٹائرڈ ہو چکے تھے اور اب بیشتر وقت گھر میں ہی گزارتے تھے کیونکہ اکثر وہ بیمار بھی رہتے تھے۔ اس تعارف کے بعد چائے کا دور چلا اسی دوران خوشگوار ماحول میں باتیں بھی ہوتی رہیں۔ بالآخر دو گھنٹے بعد تمام مہمانوں کی روانگی عمل میں آئی۔

اگلے ہفتے وہی سب لوگ پھر سے ان کے گھر میں ویسی ہی دعوت پر مدعو تھے۔ اس بار کے کارڈز پہلے سے بھی زیادہ پیارے تھے۔ مگر اس سے بھی زیادہ تھی مہمانوں کی حیرت، جسے شاید صبا نے ان کے چہروں پر پہلے ہی پڑھ لیا تھا۔ وہ حسب عادت دھیرے سے مسکرائی اور بولی۔ ”آپ سب لوگ حیران بالکل مت ہوں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہر ہفتے ایک شام، ایک دو گھنٹے کیلئے ہم سب ساتھ بیٹھیں، چائے پئیں چند اچھی اچھی باتیں کریں اور بس“

”میں آپ کو ہرگز ہرگز کچھ سکھانا یا سمجھانا نہیں چاہتی ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ ہر شخص کی زندگی میں کوئی ایسی بات، ایسی چیز ایسا واقعہ ضرور ہوتا ہے جو اسے لگتا ہے کہ وہ دوسروں کو بتائے دکھلائے بس اسے اچھا ہونا چاہئے“ خدا کے فضل سے آپ تینوں ہی مائیں ہیں۔ برائے مہربانی ہم سب کو اپنے بچوں خصوصاً اپنی بیٹیوں کے بارے میں بتائیے کہ یہ آپ کو کیسی لگتی ہیں۔ نبی رحمت ﷺ نے ان کو رحمت اور امانت کہا ہے۔ آپ کا اس بارے کیا خیال ہو گا؟“

آنٹی فاطمہ کا تو مانو یہ فیورٹ موضوع تھا۔ ابھی وہ بڑی بیٹی سلمٰی کے آٹا اچھا نہ گوندھنے اور منجھلی عائشہ کے تنک چڑا ہونے تک پہنچی تھی کہ صبا نے اچانک آنٹی سکینہ کو بولنے کا اشارہ کر دیا۔ شاید سامنے بیٹھی عائشہ کے جھکتے ہوئے سر کو دیکھ لیا تھا۔ آنٹی سکینہ نے ابھی اپنے سینے پر

رکھے اس بیٹیوں کے بوجھ تلے دبے اپنے دل کا حال شروع ہی کیا تھا کہ صبا کو پھر سے دخل دینا پڑا۔

اب باری تھی آنٹی صغریٰ کی انہوں نے پہلے ایک پیار بھری نظر اپنے برابر بیٹھی دونوں بیٹیوں پر ڈالی۔ پھر کہنے لگیں ''دیکھ صبا بیٹے، ویاہ کے پورے سترہ سال بعد اللہ سوہنے نے ہمیں مصباح دی۔ ہم تو سمجھو مایوس ہی ہو گئے تھے۔ مگر اللہ جی کی رحمت کبھی ختم ہوتی ہے۔ پھر تین سال بعد حسنہ آئی۔ ہمارا تو گھر جنت بن گیا سمجھو کبھی کبھی لوگ ان کے ابو کو کہتے ہیں دوسری شادی کر لو۔ خدا سے بیٹے کی دعا مانگو بیٹی کا کیا ہے۔ سر کا بوجھ، کبھی نہ کبھی اتار پھینکو گے۔ اللہ زندگی دے ان کو پتا ہے بیٹی وہ آگے سے کیا کہتے ہیں کہتے ہیں اور جھلے لوگو! یہ جو میری بیٹیاں ہیں ناں، یہ تو میری دو آنکھیں ہیں جن سے میں دنیا کو دیکھتا ہوں۔ بھلا تمہارے کہنے میں اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالوں صبا ہی نہیں اس کی امی ثنا اور سارے مہمان بھی دم سادھے بغور ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے ابو انہیں خوب پڑھانا چاہتے تھے۔ یہ ان کا خواب ہے، ایک ایسے بندے کا خواب جو دل کا مریض ہے مگر اس دل میں اپنی بیٹیوں کی محبت ایسے بھری ہے جیسے پھول میں خوشبو۔''

یہ اس دعوت کے تیسرے دن کی بات تھی۔ وہی کمرہ تھا صبا صوفے پر بیٹھی تھی اور مصباح، دلکش خدوخال کی وہ پیاری سی لڑکی صبا کے پیروں میں بیٹھی اس کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھے روئے جا رہی تھی کچھ دیر پہلے آنٹی صغریٰ اسے صبا کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ گئی تھیں کہ اسے اپنی کتاب کا کوئی سبق سمجھنا ہے۔ صبا خوشدلی سے مان گئی تھی۔

مصباح عمر کے اس نازک دور میں تھی جب انسان محبت جیسے پیارے جذبے کو کسی اور ہی طرح محسوس کرنے لگتا ہے۔ اعجاز سکول کے رستے میں اسے کہیں ملا تھا دوائی کی پڑیا جیسے ایک خوشبودار مکتوب سے ایک سلسلہ شروع ہوا تھا مگر صد شکر کہ بدبو کے بھبھوکے مارتے کسی انجام سے پہلے مصباح کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ تہہ دل سے صبا کی شکر گزار تھی کہ وہی تو وسیلہ بنی تھی اس آگہی کا اس دن آنٹی صغریٰ نے جو کچھ کہا تھا وہ کہاں جانتی تھی اس کا ہمیشہ چپ رہنے والا وہ سنجیدہ سا باپ اخروٹ جیسا ہے۔ باہر سے سخت اور دل کا ایسا نرم، اگلے ہی دن مصباح نے اس لڑکے کو یہ کہہ کر دھتکار دیا کہ اس کے دل میں پہلے اپنے باپ کی صرف عزت تھی مگر اب تو اس سے کہیں زیادہ محبت اور عقیدت ہے۔ اتنی کہ اب ایسی کسی محبت کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ اپنے باپ کی دونوں آنکھیں ہمیشہ سلامت اور چمکتی دیکھنا چاہتی تھی۔ جو کبھی کسی کے سامنے جھک نہ جائیں۔

صبا نے اسے رونے دیا کہ وہ آنسو استغفار اور تشکر کے تھے۔ وہ آنسو کہ جو اللہ میاں کو اس قدر عزیز ہیں تو پھر صبا انہیں اپنے دامن میں جذب کیوں نہ ہونے دیتی اور ابھی اس کے جانے کے بعد خود صبا کو خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کرنا تھا جس نے اس کے ہاتھوں ایک مریض باپ کو اس کی دونوں آنکھیں لوٹائی تھیں۔ ہے ناں۔

عمر ضائع کردی

سخت دلوں کو بدلنے کیلئے ایسے لمحے کا انتظار ہوتا ہے
ممتاز عالم دین مفتی محمد شفیعؒ کی ایک قیمتی تحریر
مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی گواہی جو علماء کیلئے دلیل راہ ہے

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ صاحب بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسب معلوم جلسے میں تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت اداس بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ ''حضرت! کیسا مزاج ہے؟'' کہاں ''ہاں! ٹھیک ہی ہے۔'' میاں مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کردی۔

میں نے عرض کیا: ''حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد' علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟''

فرمایا: ''میں تم سے صحیح کہتا ہوں۔ عمر ضائع کردی۔ میں نے عرض کیا۔ ''حضرت بات کیا ہے؟''

فرمایا: ''ہماری عمر کا' ہماری تقریروں کا' ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حفیت کی ترجیح قائم کردیں۔ امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا' تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی! نہ ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا' وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

ہم امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن جنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء کے مقابلے میں یہ جو ترجیح قائم کرتے آئے ہیں' کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ''صواب محتمل الخطا'' (درست مسلک میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کردیں اور دوسرے کے مسلک کو ''مخطا محتمل الصواب'' (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں' ان تمام بحثوں' تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔''

پھر فرمایا: ''ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ لہٰذا اجتہادی مسائل کا صرف اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ہم تمام تحقیق وکاوش کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح' یا یہ کہ یہ صحیح ہے' لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی' قبر میں بھی منکر نکیر یہ نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟

اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ امام ابوحنیفہؒ کو امام مالکؒ کو رسوا کرے گا نہ امام احمد بن حنبلؒ کو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے' جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے' جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے' جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا۔ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم نہیں کرے گا کہ ابوحنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔

تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں۔ اسی کے چکر میں پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور صحیح اسلام کی جو دعوت تھی' جمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں' جن کی دعوت انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی۔ آج وہ دعوت تو نہیں دی جا رہی' آج ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے اور اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا' پھیل رہے ہیں' گمراہی پھیل رہی ہے' الحاد آرہا ہے' شرک وبت پرستی چل رہی ہے اور حلال وحرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے اور ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آخر میں فرمایا: ''یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔''

تعاون
مکتبہ تعمیر انسانیت
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

البدر پبلی کیشنز
23۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

صفحہ بتایئے انعام پایئے

فیض احمد رحیم یار خان، عمارہ نسیم آزاد کشمیر، سبطین احمد شاہد ضلع خانیوال، مرزا مظہر حسین واہنڈو، فقیر حسین ننکانہ صاحب، بمیرا بانو ضلع فیصل آباد، عائشہ ارشد مانا والہ، محمد اشتیاق شیخوپورہ، حرا فاطمہ مانا والا، عمران سلیمان شیخوپورہ، زاہد اقبال ضلع اٹک، اسلم صادق شیخوپورہ، شیخ شان علی شیخوپورہ، زاہد اقبال ضلع اٹک، اسلم صادق شیخوپورہ، شیخ شان علی شیخوپورہ، محمد عمیر مانا والہ، شکریہ رشید لاہور، سارہ عزیز بہاولنگر، نازیہ رحمان نارووال، ذوالفقار علی ساجد ٹوبہ ٹیک سنگھ، افزا ڈوگر میر پور خاص، سہیل مصطفیٰ سرگودھا، رومیہ عباس ضلع جہلم، محمد اعجاز نارووال، محمد ارسلان الطاف گوجرانوالہ، نورین حسن قصور، راحیلہ خلیل مظفر گڑھ، عدنان امیر چکوال، طیبہ میمونہ پنڈی بھٹیاں، عاطف نذیر نارووال، یوسف حسن لاہور، عمارہ منیر پنڈی بھٹیاں، رابعہ حمید فیصل آباد، راؤ بشیر عابد میو ضلع اوکاڑہ، عشرت فاطمہ مانا والہ، ردائے فاطمہ مانا نوالہ، کاشف اظہر ایوب مانا والا، وقاص ریاض بہاولنگر، عابدہ حسین بہاولنگر، ذہین ریاض بہاولنگر، مصباح ظہیر بہاولنگر، گلفام ظہیر بہاولنگر، ماریہ امجد بہاولنگر، اقصیٰ ریاض بہاولنگر، چودھری عالم بہاولنگر، ڈاکٹر خالد محمود بہاولنگر، ملک جان بہاولنگر، فاطمہ ناظم علی بہاولنگر، ضغیم اصغر بہاولنگر، حافظ محمد اشرف بہاولنگر، طاہر شبیر بہاولنگر، کرن شریف بہاولنگر، کرن شریف نارووال، ساجد پرویز بہاولنگر، عابد حسین بہاولنگر، رابعہ عالم بہاولنگر، فہیم اکرم بہاولنگر، وسیم اکرم بہاولنگر، چودھری محمد احمد بہاولنگر، فائزہ عالم بہاولنگر، سحرش ناز بہاولنگر، اقصیٰ فیض بہاولپور، مومنہ مشتاق لاہور، رضوان مطلوب قصور، صبا ذوالفقار شیخوپورہ، عبدالجبار شیخوپورہ، سحرش خانم بہاولپور، محمد سرور فیصل آباد، محمد عزیز سیالکوٹ، مظہر عثمان اٹک، حبیب اللہ ننکانہ، عمران رشید اسلام آباد، سیف اللہ شیخوپورہ، اشفاق معراج شیخوپورہ، عائشہ کرن چشتیاں، منور عارف شیخوپورہ، زردہ لاہور، سمعیہ ناز سیالکوٹ۔ عصمہ بقا لاہور، عمر دراز خان گوجرانوالا، وقاص احمد کراچی، ہماجبین جھنگ، صائمہ منظور شیخوپورہ، نوید رانی ساہیوال، امتیاز احمد علوی گوجرانوالہ، زبیر انیس حاصل پور، حنا یوسف فیصل آباد، نوید علی سعید گگو منڈی، انیق الرحمان پنڈی بھٹیاں، سعید اقبال خانیوال، حبیب اللہ ضلع جھنگ، محمد عرفان آزاد کشمیر، امروز اسلم لاہور، شیراز نذیر حافظ آباد، حنا حمید ضلع بدین، سحرش اعجاز گوجرانوالا، کاشان فورٹ عباس، سید قمر عباس شاہ چکوال، تنویر مظفر گڑھ، عمیر علی عثمانی مظفر گڑھ، سہیل ارشد مظفر گڑھ، محمد عدنان مظفر گڑھ، شیخ نوید مظفر گڑھ، غلام محمد احمد مظفر گڑھ، غلام محمد مدثر مظفر گڑھ، بدر منیر رفیق مظفر گڑھ، عرفان مظفر گڑھ، فائزہ عروج ظفر ملتان، منزہ اسلم میاں چنوں، نازیہ سراج اسلام آباد، حمیر عباس ضلع بدین، محمد آصف ماتلی، بھورا کمار ماتلی، سمیرا دینار گوجرانوالہ، سالمہ خالد لاہور، جنید خالد، کراچی، ردا اظہر حیدر آباد، شیخ شاہد اقبال منڈی بہاء الدین، زین رضا پاکپتن شریف، رانا عدیل خالد شیخوپورہ، جاوید معاویہ ننکانہ، محمد فیصل خلیل ننکانہ، عائشہ ہاشمی اوکاڑہ، فضل باغ شیخوپورہ، محمد آصف صادق وڑائچ کمالیہ، خالد محمود شیخوپورہ، سعد علی لیاقت ہری پور ہزارہ، محمد عرفان ارشد مظفر گڑھ، آصف سلیم بھٹی مظفر گڑھ، مجید کامران بھٹی مظفر گڑھ، محمد نعمان بھٹی مظفر گڑھ، وسیم اشرف بھٹی مظفر گڑھ، عبدالنعیم بھٹی مظفر گڑھ، ذوالفقار علی ندیم مظفر گڑھ، عادل حمید مظفر گڑھ، کاشف مظفر گڑھ، محمد علی عثمان، کامران ارشد مظفر گڑھ، نصر اللہ ناصر چیکی، حافظ محمد رزاق صابر ٹوبہ ٹیک سنگھ، ارسلان ساجد کمالیہ، ارم طاہر لاہور، وقاص احمد ضلع نارووال، جواد احمد نارووال، ندا مقبول بدوملہی، علی یٰسین ساہیوال، صفیہ افضل ضلع جہلم، واصف علی جلال پور بھٹیاں، رابعہ حمید فیصل آباد، صبا نذیر گوجرانوالہ، ہما سرفراز احمد سیالکوٹ، سمیع اللہ لاہور، مریم صائمہ ڈھکہ، محمد عتیق الرحمان آزاد کشمیر، ملک ذیشان علی میاں چنوں، محمد ارشد خان لاہور، نورین بنگش این ڈبلیو ایف پی (NWFP) انعم سردر (NWFP) عنبرین سجان سرحد، عاصمہ شریف سرحد، نائلہ بختیار افسانہ کوہاٹ، نازنین سرحد، زینب گل سرحد، فجر عابدی سرحد، انعم زہرہ سرحد، ہذی بنگش سرحد، محمد ثاقب ظفر گکھڑ منڈی، سمیرا وقار، عائشہ جہلم، راؤ ساجد کلیم ماتلی، راؤ راشد علی، پروین کوثر ماتلی، غلام عباس غازی خوشاب، عاصمہ مجید بھائی پھیرو، شکیل اقبال بھائی پھیرو، رابعہ بتول ملتان، شکیل اقبال آزاد کشمیر، افشاں منور بدوملہی، رفاقت حسین ملتان، محمد عابد خانیوال، حسین ملتان، طاہر بشیر شاہ کوٹ، آصف ستار ملتان، محسن بابر لاہور، شاہد اختر شاد ملتان، مدنی عبداللہ مظفر گڑھ، نعمان خالد قلعہ دیدار سنگھ، طیبہ طارق چشتیاں، جنید اقبال بصیر پور، محمد ثاقب حنیف رحیم یار خان، لاریب سحر، خرم افتخار ڈنڈوت، عظمیٰ حسین ملتان، سعدیہ ارشد ملتان، رانا اکبر علی قصور، جاوید اقبال خانیوال، مدیحہ خاتون نارووال، سید ذوالفقار حسین زلفی جھاوریاں، صمد علی بھٹی لاہور، عارف زمان اٹک، النصیر عباس مظفر گڑھ، وزیر احمد مظفر گڑھ، رابعہ اقبال سرگودھا، مصباح ظفر فیصل آباد، حفیظ کاشف لاہور، محمد مقصود انجم چشتیاں، ناصر شاد ملتان، محمد زاہد حمید بہاولپور، راشد اشفاق گوجرانوالہ۔ رانا محمد جمیل کنور قصور، رانا عامر علی قصور، دانش خورشید ہزارہ، طیب اقبال نارووال، شمائلہ اقبال بدوملہی، مدثر رضا منڈی بہاء الدین، ماریہ اقبال نارووال، عائشہ افتخار لاہور، وجیہہ اکرم جڑانوالہ، آمنہ رانا جھلاں۔

اس مرتبہ ''صفحہ بتایئے'' میں مندرجہ ذیل خوش نصیب انعام کے حق دار ٹھہرے

1۔عنبرین سجان صوبہ سرحد
2۔محمد عتیق الرحمن میر پور آزاد کشمیر
3۔وقاص ریاض بہاولنگر
4۔راؤ راشد علی ماتلی سندھ
5۔حبیب اللہ ضلع شیخوپورہ تحصیل ننکانہ

الحدیث کوئز

طیبہ میمونہ۔ پنڈی بھٹیاں

انعامی کوپن

پتہ ماہنامہ پھول-4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

اس ماہ کے جملے

1- ''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''
2- ''ہم گرمی میں کسی سے پیچھے نہیں''
3- ''جو دنیا کا مالک ہے نام اسی کا لیا کرو''
4- ''دئیوں کی قطار ملا کر میرا نام لکھا گیا تھا''
5- ''ہاں جنٹل مین کیا کہہ رہے ہو''

یہ رہے صفحات کے نمبر

1.......2.......3.......

4.......5.......

نام............ عمر..........

گھر کا پتہ..................

....

کوئز کی دنیا

1۔قائداعظم نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کس شہر سے کیا؟
(1) لندن (2) کراچی (3) کلکتہ

2۔اس واحد پاکستانی کھلاڑی کا نام بتایئے جس نے ورلڈ کپ 2003ء سنچری سکور کی
(1) انضمام الحق (2) وقار یونس (3) سعید انور

3۔بزنس کے حوالے سے پاکستان میں سب سے پہلے کونسی ڈگری جاری ہوئی
MBA(3)M.COM(2)MBA(1)

4۔پاکستان میں سب سے لمبے عرصے تک کرسی صدارت پہ کون فائز رہے؟
(1) جنرل ایوب (2) جنرل ضیاء الحق (3) جنرل پرویز مشرف

پاکستان کو قائد اعظم، اقبال اور مادر ملت کے نظریات کی روشنی میں جدید ملک بنانا چاہتے ہیں

رپورٹ۔ بشریٰ محمد

ہمارا مشن پاکستان کو بانی پاکستان محمد علی جناحؒ حضرت علامہ اقبالؒ اور مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے فرمودات کی روشنی میں جدید اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست بنانا ہے۔ خواتین مادر ملت کی شخصیت کو اپنے لئے رول ماڈل سمجھیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کو مضبوط' خوشحال اور امن کا گہوارہ بنانے میں کردار ادا کریں ان خیالات کا اظہار انہوں نے سال مادر ملت کے سلسلہ میں کراچی سے آئے ہوئے مختلف سکولوں کے طلباو طالبات کے اعزاز میں حمید نظامی ہال میں منعقدہ پھول فورم سے خطاب کے دوران کیا۔

فاطمہ جناح سے ملاقات زندگی کا یادگار سرمایہ ہے

بین الصوبائی دورے پہ آئے کراچی کے بچوں سے جناب مجید نظامی کی ملاقات

نظریہ پاکستان پر کاربند رہنے میں ہی ہماری بقاء ہے

مادر ملت بین الصوبائی دورے پر آئے ہوئے بچوں کی تقاریر

مہمان خصوصی وزیراعلیٰ پنجاب کی خصوصی مشیر برائے اطفال فائزہ اصغر تھیں اس موقع پر کالم نگار بدر منیر' وفد کی سربراہ روشن آرا بھی موجود تھیں اپنے صدارتی خطاب میں جناب مجید نظامی نے کہا کہ مادر ملت صبر و استقامت ذہانت اور پرعزم شخصیت کی مالک تھیں انہوں نے 64ء کے صدارتی انتخاب میں جب مرد سیاستدان بھی ایوب خان کا مقابلہ کرنے پر تیار نہ تھے' اس وقت عمر رسیدہ ہونے کے باوجود قوم اور جمہوریت کی خاطر صدارتی انتخاب میں ایوب خان کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی یہی کہا جاتا ہے کہ مادر ملت ہاری نہیں تھیں انہیں ہرایا گیا اور ایوب خان جیت کر بھی ہار گئے۔ انہوں نے کہا کہ الیکشن کے بعد صدر ایوب نے جتنا عرصہ بھی اقتدار میں گزارا ان کیلئے اذیت ناک تھا انہوں نے مادر ملت کے حوالے سے اپنی یادیں دہراتے ہوئے کہا کہ ان سے پہلی ملاقات زمانہ طالب علمی میں ہوئی' ان دنوں سردار عبدالرب نشتر گورنر تھے مادر ملت کا قیام لاہور میں گورنر ہاؤس میں ہی تھا۔ تاہم انہوں نے ''بوجوہ'' بیماری پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ سیاسیات میں آ کر سوسائٹی کی تقریب سے خطاب کرنے سے انکار کر دیا تھا انہوں نے کہا کہ ہم نے نوائے وقت کو قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ اور مادر ملت کے پیغام کو عام کرنے اور مقاصد کے حصول کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوائے وقت واحد اخبار تھا جس نے مادر ملت کے صدارتی انتخاب کی مہم کو پہلے دن سے فریضہ سمجھ کر کوریج دی۔ انہوں نے بچوں کو بتایا کہ صدارتی انتخاب کے بعد مادر ملت نے مجھے کراچی ناشتے پر بلایا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل پر ان کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میری زندگی کا یادگار سرمایہ ہیں۔ انہوں نے وفد میں شامل بچوں کو لاہور میں خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ لاہور سے خوشگوار یادیں لیکر جائیں اور دونوں صوبوں کے درمیان محبت اور یکجہتی بڑھانے میں پل کا کردار ادا کریں اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ پنجاب کی مشیر فائزہ اصغر نے کہا کہ بچے ہمارا مستقبل اور پاکستان کا سرمایہ ہیں' آپ کی پرجوش تقاریر سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ پاکستان کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں ہے انہوں نے کہا کہ بدقسمتی سے ہماری قوم جذباتی باتیں بہت کرتی ہے اور میں نصیحت کرتی ہوں کہ انہوں نے جن خیالات' اصولوں اور جذبات کا اظہار کیا ہے اس پر عملی زندگی میں نہ صرف خود سختی سے کاربند رہیں بلکہ دوسرے بچوں کو بھی اس کی تلقین کریں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات خوش آئند ہے کہ محدود وسائل اور مواقع کے باوجود بچیاں ہر شعبے میں آگے آ رہی ہیں انہوں نے کہا کہ سال مادر ملت کو منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر تعلیم' تفریح اور آگے آنے کے مواقع فراہم کئے جائیں انہوں نے جناب مجید نظامی کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ نئی نسل کو مشاہیر کے کارناموں سے آگاہی دیگر عظیم کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں انہوں نے اعلان کیا کہ آئندہ ایسے وفود اور تقریبات کے انعقاد میں صوبائی حکومت نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی پروفیسر خورشید عالم نے کہا کہ اگر صدارتی انتخاب میں صدر ایوب مادر ملت کو دھاندلی سے شکست نہ دیتے تو اس وقت ملک کی تاریخ مختلف ہوتی قبل ازیں وفد کو خوش آمدید کہتے ہوئے ایڈیٹر پھول اختر عباس نے کہا کہ ایسے دوروں سے نہ صرف صوبوں کے درمیان یکجہتی کو فروغ دیا جا سکتا ہے بلکہ ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع بھی ملتا ہے وفد میں شامل بچوں مصباح الحق' اسنیٰ حسن' عائلہ اور احسن علی موسیٰ نے کہا کہ نظریہ پاکستان آج بھی پوری آب و تاب سے زندہ ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پاکستان کو دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اگر یہ نظریہ زندہ نہ ہوتا تو پاکستان ہنود و یہود کی نظروں میں کبھی نہ کھٹکتا ہماری بقا اسی نظریے پر کاربند رہنے میں ہے۔

کراچی کے بچوں کی جناب مجید نظامی سے ملاقات

سال مادر ملت کے سلسلہ میں بین الصوبائی دورے پر کراچی سے آئے ہوئے طالب علموں کے وفد نے چیف ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت جناب مجید نظامی سے ان کے دفتر میں ملاقات کی' اس موقع پر نظامی صاحب اور بچوں کے درمیان دلچسپ مکالمہ ہوا نظامی صاحب نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا کہ کراچی والے کراچی کو پاکستان کا دل کہتے ہیں جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ لاہور پاکستان کا دل ہے اس لحاظ سے ہمارے اور کراچی والوں کے درمیان مقابلہ سخت ہے۔ جس پر وفد میں شامل طالبہ مدیحہ انیس نے کہا کہ کراچی اور لاہور والے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں ہوتا جس پر ایک دوسری طالبہ منیزہ فاطمہ نے کہا کہ پاکستان کے دل کے دو حصے ہیں' ایک کا نام کراچی دوسرے کا لاہور ہے اس موقع پر جناب مجید نظامی نے بچوں کو روزنامہ نوائے وقت کی تاریخ بتاتے ہوئے کہا کہ 23 مارچ 1940ء کو جس دن قرارداد پاکستان لاہور میں منظور ہوئی اس دن نوائے وقت کا پہلا شمارہ شائع ہوا آغاز میں یہ 15 روزہ تھا' بعد میں ہفت روزہ ہوا جبکہ 1949ء میں روزنامہ بنا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے استحکام پاکستان کیلئے جدوجہد کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ہمارے اخبار کی پالیسی آزاد لیکن علامہ اقبالؒ قائداعظمؒ اور مادر ملتؒ کے افکار کے تابع ہے انہوں نے وفد کی سربراہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان بچوں کو اس سے بھی زیادہ پاکستانی بنانے کی کوشش کریں جتنے یہ اب ہیں تاکہ نظریہ پاکستان کا پیغام نسل در نسل چلتا رہے۔ وفد کی سربراہ ایجوکیشن آفیسر روشن آراء نے کہا کہ لاہور میں ہمیں جتنی پذیرائی ملی ہے ہماری سوچ سے بڑھ کر ہے ہم ساری زندگی یہ یادگار لمحات فراموش نہیں کر سکیں گے انہوں نے جناب مجید نظامی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ سال اقبالؒ سال قائدؒ اور مادر ملت کا سال منانے جیسے اقدامات کا محرک نہ بنتے تو آئندہ نسلوں کو اپنے مشاہیر' ان کے کارناموں اور محسنوں کا پتا ہی نہیں چلنا تھا۔

سال مادر ملت منانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

بچوں اور بچیوں کو برابر کے مواقع دیئے جائیں فائزہ اصغر

انعامی خط ۔ 1

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد ماہنامہ پھول دیکھ کر دل شدت سے دکھا اور اللہ جی سے دعا کی کہ "مولا اب ان کی غلطیاں معاف فرما اور مسلم کو بیداری دے" اہل اسلام نے خود کو اپنی ذات کے حصار میں بند کر لیا ہے وہ کیوں فلسطین میں بہنے والے خون، افغانستان، بوسنیا اور کشمیر میں ہونے والے ظلم پر آواز بلند نہیں کرتے ہیں؟ کیوں انہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے؟ خود کو مسلمان کہلوانے کی بجائے اپنے اپنے وطن کا کہلوانے میں فخر کرتے ہیں کیا تمام دنیا کے مسلمان ایک نہیں ہو سکتے؟

ان سب کا جواب یہی حدیث مبارکہ تھی جس میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ مسلمانوں پر یوں ٹوٹ پڑیں گے جیسے کھانے والے دسترخوان پر" اس پر صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا تھا کہ اے آقائے دو جہاں ﷺ "کیا اس وقت ہماری تعداد اتنی کم ہو جائے گی؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! بلکہ اس وقت تم تعداد میں بہت زیادہ ہو گے۔ مگر تم میں جہاد کا جذبہ ختم ہو جائے گا تمہیں خدا کی راہ میں جان دینے سے خوف آئے گا اور تمہیں زندگی زیادہ عزیز ہو گی" اور یہ وہی وقت ہے۔

> بچوں کی واک کے متعلق پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ ہمارے ملک کے یہ نونہال کس قدر خلوص اور جذبے کے ساتھ نکلے ہیں

وصی شاہ کی لوری پڑھ کر دل خون کے آنسو رو یا کرنیں اپنے اندر پوری روشنی سمیٹے ہوئے تھیں۔ واقعی دین اور دنیا میں اعتدال ہی سب سے بڑی چیز ہے۔ کیونکہ جب ایک مرتبہ آپ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ "دین اسلام کیا ہے؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا "اعتدال" اداریہ بہت ہی رقت آمیز تھا جس میں اساتذہ کا فقرہ سب سے اچھا لگا یہ پڑھ کر احساس ہوا کہ جب علم حاصل کرنے کیلئے اور اس کے مطابق خود کو ڈھالنے کے لئے اسے اپنا سب کچھ دینا پڑتا ہے تو وہ رب سائیں جس سے ہم محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اسے اپنا کتنا کچھ دیتے ہیں؟ اور کتنے خلوص کے ساتھ ہم اس کی محبت کا حق ادا کرتے ہیں؟ افسانوی کہانیاں بہت سبق آموز تھیں جن میں ہر ایک اپنی منفرد خصوصیت رکھتی ہے۔

"قدیر کہانی" پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ میری روح بھی کہیں اس مرد مجاہد کے ہاتھ پر بوسہ ثبت کر رہی ہو گی اور اپنے وطن کے اس شاہین سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہی ہو گی" کیسے رنگ" بھی بہت انوکھا انداز تحریر تھا۔ "پڑھ تو سہی" ہمیشہ سے بہترین رہا ہے اور اس مرتبہ تو سب سے بہترین لگا کریسنٹ گنڈز کیمپس کے بچوں کا منظم انداز دیکھ کر دعا کی" اللہ جی! ہمارے ملک کے تمام اداروں کو ایسی ہی تنظیم اور وقار دے" بچوں کی واک کے متعلق پڑھتے ہوئے شدت سے احساس ہوا کہ ہمارے ملک کے یہ نونہال کس قدر خلوص اور جذبے کے ساتھ نکلے ہیں کاش! ہمارے ملک کا اور ہر ملک کا مسلمان یہی جذبہ ظلم کے خلاف رکھے اور مجھے یقین ہے کہ ضرور ہم سب میں یہ جذبہ موجود ہے۔

حفیظ تائب صاحب کے بارے میں پڑھا تو ان کی صحت یابی کے لئے دعا کی۔ خدا کو اپنے جو بندے محبوب ہوتے ہیں ان کے چہروں پر ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے جو حفیظ تائب صاحب کے چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا تھا" تپتے صحرا" کو پڑھتے ہوئے اندر تک ہل گئی اور سوچنے لگی کہ" اے کاش! ہم اپنے قول کے ساتھ فعل بھی ٹھیک کر لیں اس موقع پر اشفاق احمد صاحب کی یہ بات یاد آ گئی کہ ہم لوگ ایمان، اعتقاد اور عبادات کے لحاظ سے تو مکمل ہیں مگر معاملات کے سلسلے میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔"

Back to Quaid-i-Azam پڑھتے ہوئے ہمیشہ یہ سوچتی ہوں کہ Back to Allama Iqbal بھی ہونا چاہئے Cookcry میں Tipka time پر بھرپور طریقے سے عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں پھول کونسلنگ سروس پڑھ کر پھول ہم کیلئے ڈھیروں دعائیں کی۔ "ہم بھی شعر کہتے ہیں" آگے سے بہتر ہو رہا ہے۔ فائز حسن سیال کو خدا لمبی اور محبت بھری زندگی دے انہوں نے ہماری زندگی کو روشنی دینے کا بھرپور بیڑہ اٹھایا ہے جس کا ایک ایک لفظ ہیرے جتنا قیمتی ہوتا ہے" باتیں کچھ کتابوں سے" اچھا انتخاب تھا" پھول بڑا مقبول" پڑھ کر خوشی محسوس ہوتی ہے تاریخی واک پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ ابھی ایسے لوگ ہیں جو یہ احساس رکھتے ہیں کہ نیکی کا ساتھ دینا چاہئے اور نیک کاموں میں مدد کرنی چاہئے۔ "صبح جزا" پڑھتے ہوئے اللہ جی کا شکر ادا کیا کہ ہمارے ماں باپ ایسے نہیں ہیں" زندہ کہانی" ہمارے حکمرانوں اور علماء کے تعلق کو بہترین طور پر ظاہر کرتی ہے مگر ہمارے اس دور کے علماء تو ہمارے حکمرانوں سے بھی بڑھ گئے ہیں دین کو صرف اور صرف ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنا جانتے ہیں اس بارے میں علامہ اقبالؒ کا شعر ہے

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ۔ سحرش اعجاز۔ نو کھر ضلع گوجرانوالہ

انعامی خط ۔ 2

پھول وہ واحد میگزین ہے جو سب سے پہلے مارکیٹ کے چمن میں کھلتا ہے جس کی خوشبو سارا مہینہ معطر کئے رکھتی ہے ابھی عراق کے زخم تازہ ہیں جن میں سے خون کا رستا بھی بند نہیں ہوا ان کا مندمل ہونا تو دور کی بات ہے یقین جانیں کبھی کی زندگی میں اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا "امریکہ بہادر" کے ظالمانہ فعل کی وجہ سے مجھے ہوا۔ دل خون کے آنسو رویا۔ اس محاورے کی اصل سمجھ اب آئی۔ دل کرتا ہے کہ خود بم بن کر بش کے اوپر گر جاؤں اور اس کی بوٹی بوٹی کو ہوا میں تحلیل کر دوں۔ جس نے بغداد پر حملے سے قبل یہ سوچا بھی گوارہ نہیں کیا کہ وہاں کئی بے گناہ ہوں گے اور معصوم بچے جو جنگ کے نام سے ہی نا آشنا ہیں، ان کا کیا قصور تھا۔ پھول کا ٹائٹل۔ کیا کہوں اچھا تھا؟ بہت ہی کرب ناک تھا۔

وصی شاہ کی لوری بھی پڑھی۔ یہ واحد لوری ہے جس کو پڑھ کر نیند نہیں آتی بلکہ آنکھوں سے نیند دور بھاگ جاتی ہے۔

"کرنیں" اس مرتبہ نئی ہوئی لگیں۔ یہ انداز بھی پسند آیا" کرنیں" زندگی کے اندھیروں کو کم کرنے میں معاون و مددگار ہوتی ہیں۔

سیدہ نسرین سحرش کا سوال" ای جنگ کیا ہوتی ہے؟" ہمیں نہیں معلوم تھا کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔ مگر فرعونوں کے راج میں اس تلخ حقیقت کو جاننا پڑا۔ مگر فکر نہیں کہ فرعونوں کا انجام ایک سا ہوتا ہے! اور ساتھ میں دعا بھی پسند آئی اللہ قبول کرے۔ (آمین)

ننھی منی افسانوی کہانیاں مزیدار تھیں ہمارے ہونٹوں پر تبسم کے ساتھ ذہنوں میں سوچ کی ایک تحریک پیدا کر گئیں۔

نور محمد جمالی کی" چھتے خان کا گاؤں" سندھی ادب سے بہترین انتخاب تھا۔ اس مرتبہ" کہاوتوں کی کہانیاں" والا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے۔ یہ سلسلہ قارئین کو ضرور اچھا لگے گا۔ ایک تو محاورے یاد ہو جائیں گے اسی بہانے اور دوسرا ہلکا پھلکا مزاح بھی پڑھنے کو ملے گا۔

ساجد محمود ساجد کی کہانی" جھوٹ کے پاؤں" بھی بہت پسند آئی پھول میں اس طرح کی کہانیاں جن کے اندر سبق بھی ہو اور مزاح بھی ہو، ضرور شامل کیا کیجئے۔ "دھندلا منظر" مگر ربیعہ علی کی کہانی بڑی شفاف تھی۔ اچھا کام انسان کو کسی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کسی کی حاجت روائی سے بہتر نیکی بھی کوئی نہیں۔

فائزہ عروج کا کالم" طلع البدر علینا" ہمیشہ کی طرح بہت بھایا۔ اس کے ساتھ آخری کالم" الحدیث" ملا کر پڑھا جائے تو یہ کالم پھول کا نچوڑ بن جاتے ہیں۔ پھول کے ایک شمارے کی باتوں پر عمل کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں انسان کی زندگی اور تقدیر بدل جائے۔ فائز حسن کا کالم" یہی تو ہے زندگی" پڑھ کر اس بات کا یقین اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

> یہ واحد لوری ہے جس کو پڑھ کر نیند نہیں آتی بلکہ آنکھوں سے نیند دور بھاگ جاتی ہے

علی سفیان آفاقی کی تحریر" رشتہ" کا پہلا حصہ دلچسپ لگا دوسرے حصے کا بے تابی سے انتظار ہے۔ اس کے علاوہ قائد کی کہانی کے فوراً بعد قدیر کہانی نے من کو موہ لیا۔

"تپتے صحرا میں" محمد شعیب مرزا کی وہ تحریر تھی جسے پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ میں واقعی تپتے صحرا میں کھڑا ہوں۔ ہم گناہ گار ہیں۔ ہم نے نبی کی تعلیمات کو بھلا دیا۔ ان کا اصلی پیغام ہمارے ذہنوں سے محو ہو گیا۔ سال میں ایک دفعہ میلاد کی محفل منعقد کر کے ہم اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو کہ ہمارے پیارے نبی کا مشن تھا۔

"ہم بھی شعر کہتے ہیں" لطائف کے بعد وہ سلسلہ ہے جسے میں پھول ہاتھ میں آنے کے بعد پڑھتا ہوں۔ "باتیں کچھ کتابوں سے" اشفاق حسین کی تحریر پڑھ کر" سواد" آ گیا۔

عراقی بچوں کی حمایت اور ان کے درد میں شریک ہونے کے لئے پھول کلب چکوال کی تاریخی واک کی رپورٹ بھی پڑھی۔ پھول اس میدان میں بھی آگے رہا۔ دعا ہے کہ عراقی بچوں کے دکھ جلد ختم ہوں۔

افروز فاطمہ کی کہانی" صبح جزا" دو نشستوں میں مکمل کی چونکہ روٹین سے ہٹ کر طویل تھی۔ افروز نے بھی بہترین کوشش کی ہے۔

رسالہ رنگین نہ ہو سکا اس کی کوئی پروا نہیں ہاں البتہ رسالے کے درمیان میں دو چار صفحات رنگین دیکھ کر خوش ہوا۔ طبیعت کھل گئی۔ اصل میں رنگین ہونا رسالے کا معیار نہیں ہوتا۔ معیار اس میں لکھی اور کہی گئی باتوں کا ہوتا ہے اور ہمیں ازحد خوشی ہے کہ پھول کی باتیں صرف پڑھنے کے قابل ہی نہیں ہوتیں بلکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے قابل بھی ہوتی ہیں۔ یہ معیار اللہ کرے قائم رہے بلکہ بڑھے۔

شاہد محمود شاہد۔ آزاد کشمیر

انعامی خط ۔ 3

اس دفعہ کے شمارے کو میں ماسٹر پیس کہوں گی اتنا شاندار ہے کہ بس ٹائٹل پر معصوم بے گناہ بچوں کے کٹے پھٹے جسم شاید اس بے حس قوم کو کچھ احساس دلا سکے وصی شاہ کی" لوری" شاید ان لوگوں کو اٹھا دے جو کہ بش کے خوف سے اپنے ہی ہم وطنوں کو اپنے ہی وطن میں غیر محفوظ کر رہے ہیں ہماری اس بزدل حکومت نے امریکہ کو ہی اپنا خدا بنا لیا ہے اور ہر بار اس کے آگے اپنے ہی بھائیوں کے سر کے نذرانے پیش کرتی ہے کرنیں میں اس دفعہ ممتاز مفتی کی کتاب تلاش سے حصے شامل کئے گئے تھے ان کی یہ کتاب میں نے تقریباً حفظ کی ہوئی ہے کچھ اور بھی کتابیں ہیں جو بڑے شوق اور انہماک سے پڑھ چکی ہوں اس کی لت مجھے میری دوست عائشہ نے ڈالی تھی آگے چل کر اداریہ اور بیڈ ٹائم سٹوری جو کہ ہمیشہ سے میری پسندیدہ ہیں کا ذکر کرنا لازمی سمجھتی ہوں اس دفعہ کا اداریہ ہم جیسے مایوس اور غمگین لوگوں کو بڑا سبق دے گیا ایک دیا روشن کر گیا ہمیں رستہ ڈھونڈنے میں تھوڑی بہت آسانی ہو ہی جائے گی کوئی تو ایسا ہو جو پلو شے علی عباس کی ذمہ داری قبول کرے۔ بیڈ ٹائم سٹوری بھی وہیں داستان دہرا رہی تھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت بلکہ سب سے بڑا

پھول کی اچھی روایت

بزرگوں سے اور بہت

پیار کرنے والے لوگوں سے ملاتا ہے

Terrorist ملک پتہ نہیں کن Terrorist کس کی بات کر رہا ہے کسی میگزین میں پڑھا تھا کہ امریکہ اسامہ بن لادن کی تلاش میں بے شک بیس اسلامی ملکوں کو تباہ کر دے مگر اپنے ملک میں جنم لینے والے اساموں کا کیا کرے گا۔

Back to Quaid -i-Azam مجھ سمیت کافی بچوں کا پسندیدہ سلسلہ ہے اس کو یونہی جاری رہنا چاہئے کہانیوں میں رشتہ، شیشے کا مسیحا، جھوٹ کے پاؤں، دھندلا منظر، تپتے صحرا میں ...... کہانی اچھی کہانیاں تھیں جبکہ دور کے ڈھول سہانے بڑی ہی دلچسپ تھی صبح جزا ابھی پڑھی نہیں لہٰذا تبصرہ بیکار ہے آپ لوگ حفیظ تائب کی تیمارداری کے لئے گئے پھول کی اچھی روایت بزرگوں سے اور بہت پیار کرنے والے لوگوں سے ملاتا ہے اس سے یاد آیا اشفاق احمد ہم سب بہن بھائیوں کو بے حد پسند ہیں اگر ہمیں جوان نسل کیبل سے فارغ ہو کر آدھے گھنٹے کے لئے ان کی خوبصورت باتیں سن لیں تو شاید معاشرے میں تھوڑا ذہنی سکون ہو۔ میں نے اپنی کافی ساری فرینڈز کو پھول پڑھنے کو دیا ہوا ہے اچھے رسپانس پر خوشی ہوتی ہے بھیا میری بہت پیاری دوست ہے سدرہ اشتیاق اس کے سیکنڈ ایئر کے امتحان ہونے والے ہیں خوب تیاریوں میں مصروف ہے بھیا اس سے میری دوستی کی بنیاد رب کی رضا ہے ہم کتنے ہی سالوں سے اکٹھے ہیں کبھی کوئی بات کوئی شخص ہماری دوستی میں رکاوٹ نہ بن سکا بنیاد مضبوط ہو تو عمارت کو خطرہ نہیں ہوتا عرصہ ہو جائے ہماری ملاقات کو مگر دلوں میں رنجش ہیں آتی دکھ دینے والا رویہ نہیں ہوتا میں نے اس کی کامیابی کے لئے ڈھیر ساری دعائیں کی ہیں بھیا اسے بتا دیں کہ سچے دل سے اس کی دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں وہ پھول پڑھے گی تو ضرور فوراً ہی اپنی اس دوست سے ملے گی جس کو وہ امتحانوں کی مصروفیات کی وجہ سے یاد نہیں کر پائی۔

پھول کونسلنگ سروس بھی پھول کا ایک بہت شاندار کام ہے ہمارے پھول پڑھنے سے یہ فائدہ اور لوگوں کو پہنچا ہے کہ بہت سارے لوگ اپنے دکھ اور پریشانیاں ہم سے Share کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کے ہمارے پاس اس کا حل ہو گا مگر بھیا ہم تو کچھ بھی نہیں ہم تو محض اس بندے کی محبت کا ثمر پا رہے ہیں جو کہ اللہ کے حضور بہت پسندیدہ ہے۔

پھول ایک رہنما دوست ساتھی

آخر میں رہ گیا Cookery تو مشروب تو واقعی ہی سپیشل تھے مگر یہ چٹنی بلکہ چٹنیوں میں ذرا گھپلا لگتا ہے۔ مجھے اب تک خط لکھنا نہیں آتا ویسے بھی عام زندگی میں مجھے کسی سے بات کرتے ہوئے بھی الفاظ کا استعمال نہیں آتا۔ شاہدہ بتول۔ راولپنڈی

Scanned with CamScanner

☆ "رشتہ" یہ سلسلے وار کہانی کچھ روٹین کچھ Bold اور کچھ نصیحت بھری لگی۔ بھا ئیج پوچھیں تو یہ کہانی اور اپنی فلاسفی جھاڑنا زیادہ لگی اور کم از کم مجھے تو بالکل ہی متاثر نہیں کیا۔ "ہوش ٹھکانے آ جاتے" ریاض الرحمن ساغر کی نظم ایک خطرے کی گھنٹی تھی جو بج چکی ہے لیکن امید بڑی مضبوط ہے کہ ہمارا حال افغانستان اور عراق جیسا نہیں ہو گا (منیر نعیم احمد۔ گوجرانوالہ)

☆ "دھندلا منظر" اچھا اخلاقی درس دے گئی۔ "ننھی منی کہانیاں" بہت اچھا سلسلہ لگا جاری رکھیے گا۔ "رشتہ" کوئی خاص نہیں لگی۔ باقی کہانیاں ٹھیک تھیں۔ "طلع البدر علینا" کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے "یہ ہے سائنس کی دنیا" "پڑھ تو سہی" ٹھیک جا رہے ہیں۔ "ٹیلی فونک کالم" کا اپنا مزہ ہے۔ باقی شعر والا کالم بھی چل ہی رہا ہے۔ لطائف کچھ غیر معیاری ہوتے جا رہے ہیں۔۔ (الیمر الشفیق۔ میاں چنوں)

☆ 'کرنیں' مسکرایئے 'پڑھ تو سہی' اور ٹائٹل بہت اچھے لگتے ہیں اور اب میں باقاعدہ رسالہ پڑھتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ پھول سے متعارف کرا رہا ہوں۔ ابھی تک میں پانچ دوستوں کو بتا چکا ہوں۔ (حمیر عباس۔ بدین)

☆ نسرین سحرش کی "امی جنگ کیا ہوتی ہے؟" بہت خوبصورت اور حقیقت پر مبنی تھی۔ کہانیوں میں "دھندلا منظر" کیسے رنگ 'تپتے صحرا میں' "صبح جزا" زبردست تھیں "جھوٹ کے پاؤں" ایک ہلکی پھلکی تحریر تھی اس کے علاوہ دو سلسلہ وار کہانیاں "رشتہ" اور "قدیر کہانی" بھی اچھی تھیں اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ (عالیہ ملک۔ سوہاوہ)

☆ محمد شعیب مرزا کی "تپتے صحرا میں" عید میلاد النبیؐ کے حوالے سے لکھی گئی تحریر بہت ہی متاثر کن تھی۔ ہم مسلمان آج بھی قرآن اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے باوجود تپتے صحرا میں ہی کھڑے ہیں کیونکہ ہم نے آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا ہی نہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اگر تم ان دو چیزوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے یہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور میری سنت ہیں۔ (سمیرا دینار۔ سعدیہ شاہین گوجرانوالہ)

☆ پھول پڑھا تو آنسوؤں نے آنکھوں کو تر کر دیا بھلا کوئی انسان اتنا بھی حد سے گزر سکتا ہے۔ عراقی بچوں کے آنسو دیکھ کر دل تڑپ کر رہ گیا۔ (ربیعہ یونس)

☆ مئی کا شمارہ دیکھا تو ٹائٹل دیکھ کر دل عراقی بچوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوا جب کہانیاں پڑھنی شروع کیں تو چھٹے خان کا گاؤں بہت بری لگی اس کہانی کی کچھ سمجھ نہ آئی۔ "دور کے ڈھول سہانے" اور "جھوٹ کے پاؤں" سبق آموز کہانیاں تھیں۔ "دھندلا منظر" بھی بس ٹھیک ہی تھی "کیسے رنگ" نے بھی بہت بور کیا۔ "آپ بیتیاں" پہلے سے بہتر تھیں (اسما خان۔ فیصل آباد)

☆ "رشتہ قدیر کہانی' تپتے صحرا میں' شیشے کا مسیحا' صبح جزا' حانی بہت پسند آئیں۔ 'بیڈ ٹائم' سٹوری 'سوری مما' بہت ہی زیادہ پسند آئی۔ "دھندلا منظر" بھی ایک عمدہ تحریر تھی۔ "طلع البدر علینا" میں فاطمہ باجی نے کمال کر دیا کتاب ہدایت" "حدیث" "آف دی منتھ بہت پسند آئیں۔ بک آف دی منتھ عمدہ کتاب ہے اس میں ایک غیر مسلم نے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب سب سے بہتر قرار دیا۔ (محمد عرفان شہزاد۔ عباس پور)

☆ "بیڈ ٹائم سٹوری" "سوری مما" بہت زیادہ پسند آئی۔ یہ تو ہے ہی سچ کہ مسلمان کبھی نہ کبھی اپنے ایمان کی تازگی سے بھرپور ہو جاتے ہیں اور مشکل سے مشکل وقت میں بھی اسلامی احکامات کو نہیں بھولتے۔ اگر وہ مجاہدین "سی" کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے تو وہ کیسے متاثر ہوتا۔۔ (سیبہ ناز۔ شگفتہ علی۔ چک دو برجی)

☆ کرنیں + اداریہ + یہ محفل تو کچھ ہی آپ کے لئے ہے اور کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ "قدیر کہانی" "تپتے صحرا میں" اور "صبح جزا" بہت اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ باتیں کچھ کتابوں سے ہم بھی شعر کہتے ہیں اور ٹیلی فون کالم کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ (تصور عباس نیا نوشہرہ)

☆ (جھوٹ کے پاؤں) کبھی نہیں ہوتے ایک جھوٹ کے پیچھے بعض اوقات انسان کو سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور ہر جھوٹ پر وہ اپنے گناہ میں اضافہ کرتا ہے (دھندلا منظر) انسان کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی محافظ عزت بن کر جب سامنے آتی ہے تو بے اختیار خوشی کے آنسو نکلتے ہیں اور خدا کا شکر بھی منہ سے خود بخود ادا ہوتا ہے (کیسے رنگ) بہت اچھی تھی۔ (ہما جبین ہاشمی جھنگ)

☆ ٹائٹل بہت دل دکھا دینے والا تھا اور کہانیوں میں مجھے "قدیر کہانی" "شیشے کا مسیحا" "طلع البدر علینا" لطیفے اچھے تھے "لوری" امی جنگ کیا ہوتی ہے دعا اور الحدیث سب ہی کہانیاں اچھی تھیں۔ (محمد اسلم نذر شیخوپورہ)

☆ "وصی شاہ" کی "لوری" نے یہ زخم مزید ہرے کئے۔ کہتے ہیں "جس تن لاگے وہ تن جانے" ہم عراقیوں سے دور بیٹھے ان پر ہونے والے مظالم پر "آنسو" تو بہا سکتے ہیں لیکن ہم میں اتنی جرات اور ہمت شاید نہیں ہے کہ ہم حق کا ساتھ دیں۔ چاہے اس راستے میں کتنے ہی کانٹے کیوں نہ ہوں۔ پھول نے عراق وار پر اتنا اچھا لکھا مجھے بے حد منفرد لگا۔ (عاصمہ افضل۔ نارنگ۔ منڈی)

☆ (سرورق) نے دل کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا "پھول" کا ہر پڑھنے والا مظلوم عراقی مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ صدر بش سرورق پر ظالم کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ "صفحہ بتایئے انعام پایئے" میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اس خوشی کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ واقعی پھول ہی ایسا رسالہ ہے جو مایوس نہیں کرتا۔ یہ میرا "پھول" میں تیسری دفعہ انعام نکلا ہے۔ (مظہر عثمان عثمانی جھنگ)

☆ ٹائٹل تو ایسا ہے جسے خوبصورت تو نہیں البتہ غمگین ضرور کہا جاتا ہے۔ ٹائٹل پر نیچے ایک کونے میں ایک عراقی بچے کی تصویر جیسے وہ رو رو کر کسی کو اپنی مدد کیلئے پکار رہا ہے اور اس کے اوپر ہی ایک خون میں لت پت اس کا ہم وطن اپنی آنسوؤں بھری آنکھوں سے جیسے محمد بن قاسم' طارق بن زیاد اور صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہا ہے (محمد حسن اکمل۔ ننکانہ)

☆ "دھندلا منظر" مردہ کو وقتی طور پر تو نظر نہ آیا لیکن اس کی سوچ نے اس کو یہ "دھندلا منظر" بھی دکھا دیا تھا۔
"طلع البدر علینا" اور "الحدیث" علم و آگہی کے قابل قدر اور ایمان افروز باتوں اقوال اور واقعات پر مبنی سلسلے ہیں۔
"رشتہ" کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ابھی تو آغاز ہے۔
ڈاکٹر عبدالقدیر خان ۔۔۔ اقبال کا مرد مومن "قدیر کہانی" پڑھ کر مزہ آ گیا۔ (افتخار احمد۔ ڈیرہ شاہ جمال)

☆ موجودہ رسالے اور 1995ء سے پہلے پہلے کے پھول رسالوں میں بہت فرق ہے۔ 95ء سے پہلے کے شمارے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ پھول سے بچوں کا مواد کم ہوتا چلا گیا۔ اب حال یہ ہے کہ بچوں کا مواد سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اوپر سے بلیک اینڈ وائٹ ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کے دوسروں کو یہ رسالہ اب بھی بہت اچھا لگتا ہو لیکن میری دلچسپی بہت کم ہو چکی ہے۔ (ملک محمد عتیق الرحمان۔ سیالکوٹ)

☆ مئی کے شمارے میں پاکی' الحدیث' رشتہ' دور کے ڈھول سہانے' چھٹے خان کا گاؤں' دھندلا منظر' پڑھو تو سہی' نئی زندگی اور بیک ٹو قائداعظم اور صبح جزا تو تعریف کے بہت بہت قابل تھیں۔ (حنا محمود خاں۔ بھالو پنڈی)

☆ اس شمارے میں عراق کی جنگ کے بارے میں جو خصوصی دعائیں "لوری" اور تصاویر وغیرہ چھپی ہیں ان کو پڑھ اور دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ اس دفعہ اداریہ بھی اسی حوالے سے تھا اور (بیڈ ٹائم سٹوری) بھی اسی حوالے سے تھی جو کہ پسند بھی آئی اور اداریہ پڑھ کر دکھ بھی ہوا۔ ٹائٹل بھی اچھا تھا (زاہد اقبال پنڈ سلطانی)

☆ (کیسے رنگ) ایک بہت اچھی کہانی ہے۔ اب آتے ہیں چٹکاروں کی طرف کچھ آپ بیتیاں مزے کی واقعی مزے کی تھیں۔ لطائف میں خصوصاً "عادت" اور "مختصر گھر" بہت اچھے تھے "تپتے صحرا میں" کی کوئی کیا تعریف کرے یہاں تو الفاظ ملنا بھی مشکل ہیں۔ کرنل صاحب کی کہانی نمبر لے گئی۔ پھول بڑا مقبول میں اپنا خط دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ (حافظ عبدالقدوس۔ جھاوریاں)

☆ پھول پڑھا بہت ہی اچھا لگا۔ خواجہ مظہر صدیقی کی کہانیاں واقعی ہمارے معاشرے کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان کہانیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے قول و فعل میں کتنا تضاد ہے۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اداریہ بہت ہی سبق آموز تھا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ مگر میں "تپتے صحرا میں" کی تعریف کرنا چاہوں گا جس میں ہم لوگوں کے منہ پر طمانچہ مارا گیا ہے (رانا عدیل خالد۔ چکی)

☆ اداریہ تو دل میں اتر جانے والا تھا۔ واقعی ظلم کی مدت بہت تھوڑی ہوتی ہے اور وہ مٹنے کیلئے ہی ہوتا ہے۔ اس ماہ کی بہترین کہانیاں "رشتہ" اور "تپتے صحرا میں" تھیں جنہوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔۔ نصر اللہ ناصر۔ چکی)

☆ "وصی شاہ" کی "لوری" پڑھ کر اور خاص طور پر "لوری" کے اوپر علی کی تصویر جس میں (اس کی) اس کے کٹے بازو دیکھ کر آنکھ بھر آئی۔ میں نے پھر اللہ جی سے دعا کی کہ وہ عراقی بچوں پر اپنا رحم اور اپنی رحمت نازل کرے۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں خاص طور پر قدیر کہانی "سوری مما" (بیڈ ٹائم سٹوری) اور رشتہ بھی بہت اچھی تھیں۔ (محمد توصیف سیال۔ چکی)

☆ اس ماہ "سرورق" دیکھ کر دل بہت اداس ہوا۔ تصویر بار بار نہیں دیکھی جاتی تھی۔ ایسی زخمی تصویریں مت دیا کریں پھول پر جب کوئی پھول زخمی نظر آئے تو دل اداس ہو جاتا ہے بلکہ دل ڈوبنے لگتا ہے۔ (سیدہ عمر ہاشمی۔ پشاور)

☆ جب پھول کے ٹائٹل پر نظر پڑی تو بے اختیار آنسو جاری ہو گئے وہاں پر بھی ہماری طرح کے بچے ہیں وہ بھی سکول جاتے تھے وہ بھی پڑھتے تھے اب نہ گھر ہے نہ سکول کسی جسم کا کوئی حصہ نہیں کوئی آگ سے پورا کا پورا جھلس گیا کتنی تکلیف میں وہ جلتا ہے سوچ کر ہی رونا آ رہا ہے (سیمرا بانو۔ فیصل آباد)

☆ شمارہ ماہ مئی انتہائی دل سوز تھا۔ زخمی بچے حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ ستم تو یہ ہے کہ مسلمان قومیں اب بھی بے خبر ہیں اور تمام حالات سے لاتعلق ہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو مسلمانوں کو عالم اسلام میں ایک طاقت کی صورت میں سامنے آنا چاہئے۔ تمام امت مسلم کو ایک زبان ہو کر کفر کے خونخوار وجود کے خلاف جہاد کرنا چاہئے (ملک ذیشان الٰہی میاں چنوں)

☆ پچھلے ماہ (الحدیث) کوئز میں میرا انعام نکلا تھا لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ میرا ہی ہو گا۔ پھر جب مجھے آپ کی طرف سے بھیجی گئی کتابیں ملیں تو بہت خوشی ہوئی۔ مئی کا شمارہ ملا۔ پڑھ کر بہت پسند آیا۔ مجھے سب سے زیادہ پسند "دھندلا منظر" کہانی آئی اور دوسرے نمبر پر "صبح جزا" (حنا یوسف۔ سمندری)

☆ (بیڈ ٹائم سٹوری) بہت ہی شاندار تھی۔ واقعی آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی عظیم مسلمان باقی ہیں۔ جنہوں نے مرتے دم تک اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھا۔ تمام کہانیاں بہت ہی سبق آموز تھیں۔ بالخصوص "تپتے صحرا میں" بہت ہی اچھی کہانی تھی (سلیم اشرف انصاری چکی)

☆ محاوروں کی کہانیوں کا نیا سلسلہ بہت ہی پسند آیا۔ اس کے علاوہ ربیعہ علی کی (دھندلا منظر) بھی بہت اچھی رہی۔ (طلع البدر علینا) کا سلسلہ ہمیشہ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ کی صحیح عکاسی کر رہا ہے۔ (خرم افتخار۔ چکوال)

☆ "طلع البدر علینا" آپ نے اس سلسلے میں پانچواں عمل پوچھا ہے وہ یہ ہے کہ تیسرا کلمہ پڑھ کر سویا کرو ایک حج ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ ایک فرمائش آپ سے کرنی تھی کہ "سپورٹس آن" میں آپ شاہد آفریدی کا انٹرویو لے لیں تو کیا بات ہو گی۔ (فاطمہ اسلم۔ دادو)

☆ "ٹائٹل" انتہائی اچھا تھا اس کو دیکھتے ہی مجھے ایسے لگا جیسے میرے جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو رہی ہے کرنیں' اداریہ' دعا' دور کے ڈھول سہانے' جھوٹ کے پاؤں' طلع البدر علینا' رشتہ' قدیر کہانی' کیسے رنگ' آپ بیتیاں' تپتے صحرا میں اور بیڈ ٹائم سٹوری' سوری مما بہت اچھی تھیں (فضل بارغ ضیاء چکی)

☆ "اداریہ" اتنا اچھا تھا کہ علم بھری باتیں کرنے والوں پر رشک آتا ہے۔ اس کو پڑھ کر تو انسان وہ سب کچھ سیکھ لیتا ہے کہ جو اس نے کبھی نہ دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو۔ ہم ایسے بچوں کو کبھی بھول نہیں سکتے۔ جو ایسے معصوم سوال کرتے ہیں۔ "شیشے کا مسیحا" کہانی بہت اچھی تھی۔ "دھندلا منظر" میں طلبہ کیلئے سبق تھا (عشرت فاطمہ۔ ماما نوالہ)

☆ کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں کہ خدا نہ کرے اگر پاکستان پر حملہ ہوا تو؟ ہمارے پاس ایٹم بم تو ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کو دیکھ کر لگتا نہیں کہ ہم اتنی بڑی قوت کے مالک ہیں جبکہ امریکہ + برطانیہ + انڈیا + اسرائیل + دوسرے ممالک کتنا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اپنے ایٹمی ہونے کا۔ بس اب میں تبصرہ کی طرف آتی ہوں۔ جنگ پہ آپ نے بہت اچھی نظمیں دی ہیں۔ (فاطمہ صمدی۔ پشاور)

☆ یہ شمارہ عراقی عوام اور عراقی بچوں کے ساتھ یکجہتی کا مکمل مظہر ہے۔ "سرورق" بھی شاندار تھا زخمی بچے کی تصویر دیکھ کر رونا آ گیا۔ بش کی تصویر پر اگر کراس لگا دیا جاتا تو اور بھی مزہ آتا ہے۔ (عبدالحمید۔ رینالہ خورد)

☆ماہ مئی کا شمارہ "پھول" وصول ہوا۔ پڑھ کر حد درجہ مسرت ہوئی۔ تمام کہانیاں سبق آموز تھیں لیکن آپ نے میری تصویر یہ محفل کی آپ کے لئے ہے میں شائع نہیں کی جو کہ میں نے تین ماہ قبل ارسال کی تھی۔ (محمد مشتاق حسین قادری کاشمیری۔ کراچی) (آپ کو فارم بھجوا دیا گیا ہے پُر کر کے بھیجیں گے آپ کی تصویر شائع ہو جائیگی)

☆پھول کا "سرورق" ہمیشہ کی طرح خوبصورت تھا اور زخمی عراقی بچوں کی تصویر دل کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی جونہی ورق گردانی کی تو ڈاکٹر عبدالقدیر کی تصویر دل لبھا رہی تھی "اداریہ" پڑھا تو بے اختیار داد دینے کو جی چاہا۔ (غلام عباس غازی حسرا۔ نور پور)

☆میں جس سکول میں پڑھاتی ہوں وہاں میرے پاس 9th کلاس ہے۔ میں نے ان بچیوں کو بھی "پھول" رسالے دیئے ہیں ویسے بھی میں وقتاً فوقتاً انہیں پھول میں سے ہی کچھ نہ کچھ بتاتی رہتی ہوں اور میں دیکھتی ہوں کہ بچیوں میں کافی حد تک تبدیلی آئی ہے۔ (قرۃ العین' چک 5 فیض ملتان)

☆"پھول" جہاں بہت ہی جذباتی اور حقیقتوں سے بھرپور تھا اتنا ہی مزاحیہ تحریروں سے بھرا ہوا تھا۔ مزاحیہ تحریروں میں "آپ بیتیاں" "پڑھ تو سہی" "ننھی منی کہانیاں" "لطیفے" وغیرہ خوش صحت تحریر تھیں (شاہد اختر شاد ملتان)

☆"کرنیں" پڑھ کر بہت سکون ملا اور ذہن کو روشنی بھی ملی۔ "اداریہ" بھی بہت اچھا تھا۔ اس میں ایک ہی وقت میں تمام مسلمانوں (جو امریکی جارحیت سے متاثر تھے) کے احساسات کو خوبصورتی سے لکھا گیا۔ میرے خیال سے مسلمان اپنی اس پستی کا باعث خود ہیں۔ (عاصمہ حبیبہ دینہ)

☆"اداریہ" بہت زبردست تھا عراق پر اور امریکیوں کے مظالم پر بہت اچھا اور دردناک تبصرہ تھا کہانیاں جتنی اب تک پڑھی ہیں ان میں قدیر کہانی' سوری مما' شیشے کا مسیحا' مسیح جرا بہت زبردست ہے۔ (صباح ریاست پنڈی سید پور)

☆"کرنیں" ہمیشہ کی طرح ہمارے دل کو منور کرنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ سکھا گئیں۔ "اداریہ" حسب معمول تھوڑا مشکل لیکن نہایت سبق آموز ثابت ہوا۔ اب کچھ "پھول" کے مستقل سلسلوں کے متعلق سب سے پہلے تو "طلع البدر علینا" اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے نہایت آسان اور سادہ لفظوں میں بہت اچھی باتیں بتائی اور سمجھائی گئیں۔ (آصف ستار عاصی۔ ملتان)

☆ایک دفعہ میں نے اپنی دوست سے پھول لیکر پڑھا تھا۔ اس میں زندگی کے بارے اتنا اچھا لکھا تھا کہ فوراً ڈائری میں نوٹ کر لیا اور "پھول" کے مستقل قاری بننے کا فیصلہ کیا۔ رسالے تو اور بھی ہم لوگ پڑھتے رہتے ہیں لیکن صرف پھول میں ہی پہلا خط لکھا آئندہ بھی اسی طرح پھول میں خط لکھتے رہیں گے۔ (عطیہ طارق طیبہ طارق۔ ڈبرانوالہ)

☆"مسیح جرا" (افروز فاطمہ) ایک اچھوتی تحریر تھی واقعی جب انسان حد سے زیادہ مغرور ہو جاتا ہے تو تباہی و بربادی ہی اس کا مقدر بنتی ہے۔ "بیڈ ٹائم سٹوری" "سوری مما" پڑھ کر پتہ چلا کہ قیدیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی تلقین کرنے والا امریکہ خود قیدیوں سے کیسا سلوک کرتا ہے (طاہر مبشر۔ شاہ کوٹ)

☆"لوری" اور "امی جنگ کیا ہوتی ہے" "نظمیں" بہت پسند آئیں اس کے علاوہ کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں "چھٹے خان کا گاؤں" "دور کے ڈھول سہانے" اور "جھوٹ کے پاؤں" بہت ہی اچھی رہیں (جنید اقبال بصیر پور)

☆"قدیر کہانی" تو کمال کی کہانی تھی جسے پڑھ کر حب الوطنی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ میں جب "قدیر کہانی" پڑھ رہا تھا جیسے میں نے یہ فقرہ پڑھا کہ جب دھماکہ ہوا تو وہاں پر موجود ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بلند آواز میں "اللہ اکبر" کہا تو میرے منہ سے بے ساختہ "اللہ اکبر" نکل پڑا اب میری طرف دیکھنے لگے۔ "طلع البدر علینا" میں فائزہ عروج نے کمال کی باتیں لکھی ہیں۔ حضورؐ کی حیات طیبہ' ان کی عادات و صفات اور دیگر جنگی حالات پڑھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ (رابعہ بتول۔ ملتان)

☆"ننھی منی افسانوی کہانیاں" بہت پسند آئیں۔ خواجہ صاحب کی اچھی کاوش تھی۔ نور محمد جمالی کا قلم کافی رواں ہو گیا ہے "چھٹے کا گاؤں" عمدگی سے لکھی۔ پروفیسر محمد ظریف خاں کی تحریر "دور کے ڈھول سہانے" بہت اچھی لگی' پہلے صرف کہاوت ہی سنی تھی۔ "جھوٹ کے پاؤں" ایک عمدہ سوغات تھی۔ ڈاکٹر صاحب واقعی "بہادر خان" نکلے صرف نام کے۔ ربیعہ علی "دھندلا منظر" سے اچھا سبق دے گئیں کہ خوشی اور اطمینان دوسروں کی مدد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ (ذوالفقار حسین زلفی۔ جھاوریاں)

☆اس دفعہ "کرنیں" کچھ خاص نہیں تھیں۔ "اداریہ" میں عابد کے بارے میں پڑھ کر انتہائی دکھ ہوا اللہ ہی عابد بھائی اور اس کی والدہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مسلمانوں کی حالت پہ رحم فرمائے (آمین) کہانیوں میں جو کہانیاں زبردست تھیں ان میں جو پہلے نمبر پہ "مسیح جرا" افروز فاطمہ کی اچھی کاوش تھی (نعیمہ نورین۔ نارووال)

☆سب کہانیوں سے زبردست تحریر "قدیر کہانی" تھی۔ "ٹائٹل" تو اتنا دردناک تھا کہ کیا بتاؤں آنسو تھے کہ کسی صورت رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور ہاں انکل مجھے ایک بات اور کہنا تھی وہ یہ کہ "پھول" رسالہ تو نام ہی کا بچوں کا ہے اس میں زیادہ تر کہانیاں تو بڑوں والی ہی ہوتی ہیں۔ (غلام دستگیر۔ نارووال)

☆میں نے عراقی جنگ کے دوران کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ معصوم عراقی بچے جو کئی دنوں سے بھوک سے بے تاب اور پیاس کی شدت سے بے حال تھے۔ ان کے لئے جب ان ظالموں نے خوراک کے نام پر جو ٹفن گرائے تو ان میں سے چند عراقی بچے جو بھوک سے بے حال تھے بھاگ کر ٹفن کو پکڑنے کے لئے لپکے مگر آہ! جونہی انہوں نے ان ٹفن نما ڈبوں کو کھولا تو اس میں خوراک کی بجائے بارود بھرا ہوا تھا جو کھلتے ہی پھٹ گیا۔ (صائمہ جبیں نارووال)

☆کہانیوں میں تمام ہی پُراثر تھیں مگر 'چھٹے خان کا گاؤں' جھوٹ کے پاؤں' دھندلا منظر' شیشے کا مسیحا اور 'مسیح جرا' بہت ہی پسند آئیں۔ "رشتہ" کی دوسری قسط کا انتظار رہے گا۔ "قدیر کہانی" بھی پسند آئی۔ ایسی سلسلہ وار کہانیاں شامل رہنا چاہئیں۔ تمام کالمز بہت زیادہ اچھے ہیں۔ خاص طور پر کرنیں' آپ بیتیاں' سپورٹس اور لطائف پسند آئے۔ (عارف زمان جنڈ)

☆"پڑھ تو سہی" میں ڈاکٹر کی شادی پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ "طلع البدر علینا" بہت اچھا سلسلہ جا رہا ہے۔ "رشتہ" کہانی بہت اچھی شروع کی ہے۔ بذریعہ پھول میں اپنی کیوٹ سی کزن افشاں منور کو انعام نکلنے پر مبارکباد پیش کرتی ہوں اور اپنے بھائی کفیل احمد کو ان کی سالگرہ پر مبارکباد دیتی ہوں۔ (کفیلہ نعیم اعوان بھاگٹانوالہ)

☆کہانیوں کے ساتھ دیئے گئے ٹائٹل بڑے ہی چونکا دینے والے تھے۔ جس طرح کی کہانی کے تاثرات تھے ویسے ہی ان کو "ٹائٹل" پر اجاگر کرنیکی کوشش کی گئی۔ نہایت شاندار کوشش تھی۔ مئی کا شمارہ تو بالکل نئے سٹائل کا تھا۔ دو قسط وار کہانیوں کو شروع کر کے اچھا کیا۔ دوسری کہانی ہمارے قومی ہیرو کی ہے۔ اتنے جاندار انداز میں لکھی ہوئی تھی کہ جوش کے مارے دل دھڑکنے لگا۔ (جان شیر خان۔ کراچی)

☆ٹائٹل جو عراق نے بچوں کے ساتھ اظہار یکجہتی "وصی شاہ" کی نظم قائد کہانی "بیک ٹو قائد" چکوال سے اسلام آباد تک واک "قدیر کہانی" بھی اچھی تھی۔ "امی جنگ کیا ہوتی ہے" بہت ہی اچھی شمارے میں ابھی کمی ہے چند نئی چیز شامل کریں جن میں معلومات' پہلے صفحات پر حمد نعت ضرور شائع کیا کریں۔ شاعری کیلئے جگہ زیادہ کریں انعامی کوپن آخری صفحے پر کریں تاکہ کاٹتے وقت مشکل پیش نہ آئے۔ (فیاض اکرم فیاضی۔ سرائے عالمگیر)

☆"دور کے ڈھول سہانے" میں ہمیں ہندو بنیئے کی فطرت سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے نمٹنے کا گر بھی بتایا گیا ہے۔ "جھوٹ کے پاؤں" عمومی مسائل پر ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ یہ سچ ہے کہ "جھوٹ بولنے سے سچی بات کا اعتبار بھی جاتا رہتا ہے" (بطلیوس) "طلع البدر علینا" ایک منفرد سلسلہ ہے۔ اس ماہ کتاب ہدایت سے جو انتخاب تھا اس نے تو حیرت میں ڈال دیا۔ سبحان اللہ' "رشتہ" ابھی شروع ہوئی ہے ابتدا تو اچھی ہے' "قدیر کہانی" بہت زبردست موضوع تو منفرد تھا ہی۔ انداز و ترتیب بھی عمدہ تھی۔ (فرحت جبین مانوالہ)

☆جہاں تک جنگ کی بات ہے تو امریکہ محض اپنے بدترین انجام کی طرف جا نہیں بلکہ دوڑ رہا ہے اور انجام ہمیشہ سارے ظالموں کا صرف ایک ہی ہوتا ہے کہ دکھی دل کی صدا تو عرش ہلا دیتی ہے فینی مور پر وہ وقت آ گیا تھا۔ بھلا کب کوئی بیٹا اپنی ایسی پیار کرنے والی ماں کو ایسا کہتا ہے۔ (عائشہ کوثر۔ لاہور)

☆وصی شاہ کو "لوری" جو عراق کے بچوں۔ کے لئے لکھی تھی پڑھ کر ایسا لگا جیسے عراق سے آوازیں آ رہی ہیں پھول رسالہ اس دفعہ بھی بہت اچھا تھا "لطیفے" بھی اچھے تھے۔ کچھ "آپ بیتیاں" مزے سب اچھی تھیں۔ پڑھ تو سہی ڈاکٹر کی شادی پڑھ بہت ہنسی آئی اور حسن بھائی کو داد بھی دی۔ (طیبہ خالد اعوان بھاگٹانوالہ)

☆اداریہ تو ہمیشہ کی طرح بہترین تھا جس سے ہمیشہ اچھا سبق سیکھنے کو ملتا ہے کہانیاں ساری اچھی تھیں۔ اس دفعہ تو لطیفوں کو پڑھ کر مجھی ہنسی آئی۔ "ہم بھی شعر کہتے ہیں" میں سارے بچوں کی شاعری اچھی تھی۔ "کوئی شعر نیا کوئی بات نئی" والا کالم دوبارہ کب شروع کریں گے (شائلہ نعیم۔ غریب وال فیکٹری)

☆"چھٹے خان کا گاؤں" اچھی تحریر تھی "دور کے ڈھول سہانے" میں اب یہ فقرہ "مجھے لگتا ہے کہ اس آواز کے پیچھے کوئی خان صاحب کسی بنیے کا ادھار چکا رہے ہوں گے" دل کر رہا ہے کہ "مجھے لگتا ہے کہ اس کی اس نظر کے پیچھے کوئی بھارتی "کشمیری دہشت گرد" کو سبق سکھا رہے ہوں گے یا اس کے طبلے والے فلسطینی جیسے "خطرے" سے نپٹ رہے تھے۔ "جھوٹ کے پاؤں" بھی اچھی تحریر تھی۔ (آمنہ احمد۔ دھریمہ)

☆کہتے ہیں کہ لاعلمی بہت بڑی نعمت ہے کاش میں اتنی باشعور نہ ہوتی کہ جنگ اور امن کا فرق میرے ذہن میں اتنا کلیئر نہ ہوتا او ہو مجھے تو رب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ نہ کرتے ہوئے بھی اب بی اے کے ایگزام سے فارغ ہوں۔ "اداریہ" اور "بیڈ ٹائم سٹوری" نے تو اداس کر دیا خصوصاً اداریہ پڑھ کر تو رونا آ گیا کہ عابد بھائی جیسے کتنے ہوں گے جنہوں نے جوش سے کام لیا ہوگا۔ اخبار میں ایک امریکی باپ کا بیان آیا جس کا بیٹا عراق پر حملہ کرنے والی فوج میں بھیجا گیا اس نے کہا ہے کہ "بش میرا بیٹا جنگ میں بھیجا گیا ہے اگر اسے کچھ ہوا تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گا"۔ ایسے کتنے ماں باپ ہوں گے یہ تو صرف ایک ہی ہے۔ (تنزیلہ یوسف۔ لاہور)

☆سب سے پہلے "ٹائٹل" کی طرف آتے ہیں "ٹائٹل" دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ اپنی کمزوری پر اور مسلمانوں کی بے حسی پر مگر حوصلہ بھی ہوا کہ ابھی دردمند دل والے لوگ ہمارے ساتھ ہیں اب آتے ہیں اہم مسئلہ کی طرف یعنی عالمی نہیں بلکہ اندرونی مسئلہ یعنی "پھول" کا بلیک اینڈ وائٹ ہونا اگر آپ کے رنگ کم پڑ گئے ہیں تو ہم بھجوا دیتے ہیں (عطرت النساء جھاوریاں)

☆"طلع البدر علینا" کا سلسلہ بھی اچھا رہا۔ "حدیث آف دی منتھ" نے معلومات میں اضافہ کیا۔ علی سفیان آفاقی کی "رشتہ" بھی ٹھیک ہی تھی لیکن میرے خیال میں انہیں اس سے بھی اچھا لکھنا چاہئے تھا۔ "قدیر کہانی" میں شاہد نذیر چودھری نے اپنے قلم کا سارا فن استعمال کیا ہے اور یہ ہے بھی ایک عظیم انسان کی کہانی۔ مجھے اس نے بے حد انسپائر کیا (نایاب حسن دین پور شریف)

☆"ننھی منی افسانوی کہانیاں" بہت اچھی لگی ان کہانیوں میں نصیحت مل جاتی ہے۔ اس دفعہ عراق کے بچوں کی حمایت میں پھول کلب کے چھوٹے سے بچوں نے جو واک کی اور ہم سب لوگوں کے دل جیت لئے اور جب میں واک کے بارے میں پڑھ رہی تھی تو مجھے لگ رہا تھا کہ میں خود بھی اس واک میں شریک تھی (سحرش ناز۔ مظفر گڑھ)

☆کرنیں کا انتخاب بہت اچھا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں اداریہ بھی بہت اچھا تھا۔ نسرین سحرش کی دونوں نظمیں بہت اچھی تھیں yesitsme ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ دور کے ڈھول سہانے بہت اچھا سلسلہ ہے جھوٹ کے پاؤں بھی اچھی کہانی تھی۔ واقعی جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔۔ (امان اللہ راجڑ۔ ڈی جی خان)

☆کیسے رنگ میں وہی بات کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ پڑھ تو سہی میں بہت اچھی باتیں ہوتی ہیں لیکن واہ کیا بات ضرور دیا کریں "آپ بیتیاں" نہ دیا کریں۔ چکوال سے اسلام آباد' پھول واک میں کاش ہم بھی ساتھ چل سکتے۔ "حفیظ تائب کے گھر" آپ لوگ گئے اللہ ان کی تکلیف دور فرمائے (آمین) "تپتے صحرا میں" "بیک ٹو قائداعظم" "گگری" "ہم بھی شعر کہتے ہیں۔ (آفصی فیض یوسف زئی (بہاول پور)

☆"جھوٹ کے پاؤں پڑھ" جس کو پڑھ کر ہمارے بسورتے چہرے پر ہنسی کی کرن نے اپنی جھلک دکھائی۔ سچ ہے جھوٹ کے سہارے ہم کہاں تک بھاگ سکتے ہیں۔ آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی اور ایک جھوٹ کو چھپانے کی خاطر سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں (انیقہ ثروت۔ چکوال)

☆"کرنیں" سے "اپنی اپنی آگ نے سب سے زیادہ دل کو منور کیا "دادی اماں" کی باتوں نے بھی "امی جنگ کیا ہوتی ہے؟" نے جنگ کا اصل روپ اور اس کے معنی بتا دیئے کہ جنگ کے منظر ہی دہلا دینے والے ہوتے ہیں۔ (سحرش الطاف' اسماء' صبا' شمع' افغان' ارسلان۔ وزیر آباد)

☆مسلمانوں پر اتنا ظلم ہو رہا ہے ایک وقت تھا مسلمان اس دنیا پر چھائے ہوئے تھے مسلمانوں کی اپنی پہچان تھی غیر مسلم مسلمانوں کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے تھے مگر اب مسلمانوں کی بزدلی اور دین سے لاپرواہی کی وجہ سے مسلمانوں پر قیامت جیسا سماں ہے۔۔ وصی شاہ کی نظم "لوری" بہت ہی زبردست تھی اس کے علاوہ مجھے (Cookery) بہت پسند آیا کیونکہ مجھے کھانا پکانے کا بہت شوق ہے۔ (صبا نذیر۔ لاہور)

☆"دھندلا منظر" اس کہانی میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ ہمیں اپنے دوستوں کی مشکل وقت میں مدد کرنی چاہئے۔ یہ بہت نصیحت آموز باتیں ہیں۔ یہ ہمیں درس دیتی ہیں اس کے علاوہ رشتہ کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ میں

آپ کا یہ رسالہ پسند کرتا ہوں۔ (زاہد شفیق بصیر پور)

☆ آپ سے تو ناراض ہیں لیکن پھول سے ناراض ہونے کو دل نہیں کرتا۔ میں 9th کلاس میں ہو گئی ہوں اور سب کی دعاؤں سے 8th میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ 9th کی عفیفہ فائزہ اقراء ساجدہ عاصمہ عمارہ میرے ساتھ پڑھتی ہیں۔ (کرن شریف۔ بدوملہی)

☆ قدیر کہانی بہت اچھی تھی۔ جس میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بتایا گیا ہے جنہوں نے اپنی ان تھک محنت سے پاکستان کو ایٹمی پاور بنا کر دنیا کے نقشے میں ایک عمدہ مقام دیا اب کوئی بھی دشمن ملک سوچ سمجھ کر پاکستانیوں کے مقابلے میں آئے گا (سہیل مصطفیٰ شاہین آباد)

☆ ہمیں پھول رسالہ سے متعارف ہوئے ابھی صرف دس ماہ ہوئے ہیں لیکن ہماری اور "پھول" کی دوستی بڑی پرانی محسوس ہوتی ہے یہ ایک معیاری رسالہ ہے ایک دوست کی طرح بے چینی سے اس کا انتظار رہتا ہے۔ مئی کا شمارہ ملا۔ ٹائٹل پر عراقی بچے کو روتے دیکھ کر بہت زیادہ دکھ ہوا۔ بے گناہ معصوم پھول ظلم کی چکیوں میں پس رہے ہیں اور مسلمان بے حسی کی تصویر بنے ان کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ (صائمہ حمید۔ اڈہ موترہ)

☆ "ٹائٹل" خوبصورت تھا کرنیں اور اداریہ اچھا تھا۔ کہانیوں میں ننھی منی افسانوی کہانیاں' چھجے خان کا گاؤں' دھندلا منظر اور 'صبح جزا' اچھی کہانیاں تھیں۔ اس دفعہ مسکرایئے نے تو بہت مایوس کیا۔ پہلی دفعہ اتنے بور لطیفے پڑھے۔ (محمد عابد ملتانی' خانیوال)

☆ "ننھی منی افسانوی کہانیوں" میں خواجہ مظہر نواز صدیقی نے بڑے خوبصورت انداز میں آج کل کے معاشرے میں ہونے والی برائیوں سے پردہ اٹھایا ہے کہ آج کل کے لوگ کس طرح برائیاں کرتے ہوئے تھوڑا سا بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔ اس طرح باقی کہانیوں میں افروز فاطمہ کی "صبح جزا" میرے نزدیک پہلے نمبر پر تھی (رفاقت حسین ملتان)

☆ یہ دنیا کا واحد رسالہ ہے جس کا نام اتنا پیارا ہے یعنی پھول اور یہ پھول بھی عظیم ہے جس میں دو قسم کی خوشبو ہیں۔ ایک دین کی اور دوسری دنیا کی۔ پھول میں اپنا خط پڑھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ کوئز کی دنیا میں تیسرے نمبر پر اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ (سلمیٰ فردوس روہیلانوالی)

☆ "ٹائٹل" دیکھ کر مرا دل تڑپ اٹھا اور بے اختیار آنسو بہنے لگے اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں سوائے رونے تڑپنے کے۔ بھیا مجھے سمجھ نہیں آتا کہ کیا ہم واقعی آزاد ہیں؟ اور اگر ہیں تو یہ کیسی آزادی ہے کہ ہم اپنی مرضی سے نہ اظہار خیال کر سکتے ہیں نہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں (ارم نسا کراچی)

☆ "مطلع البدر علینا" "پڑھ تو سہی" "بیک ٹو قائد" پڑھے بہت پسند آئے۔ بھیا! آپ نے واہ کیا بات ہے کے صفحات کو پھول سے نکال کر بہت برا کیا ہے۔ "ٹائٹل" اور درمیان میں روتے ہوئے اور ظلم سہتے ہوئے بچوں اور مردوں کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ کہانیاں تو اس دفعہ سب نمبر ون تھیں۔ خاص طور پر 'قدیر کہانی' "دھندلا منظر" "کیسے رنگ" "تپتے صحرا میں" "بیڈ ٹائم سٹوری' زندہ کہانی' اور 'صبح جزا' کہانیاں پسند آئیں (محمد افضل پنڈی سید پور)

☆ مئی کا رسالہ پرکشش تھا۔ کہانیوں میں "چھجے خان کا گاؤں" "جھوٹ کے پاؤں' زشتہ' شیشے کا مسیحا' اور "قدیر کہانی" انتہائی زبردست تھیں۔ یہ ہے سائنس کی دنیا سے کافی معلومات حاصل ہوئیں۔ لہٰذا پھول ہی ایک ایسا رسالہ ہے جو بچوں کو ادبی' اخلاقی اور سائنسی لحاظ سے پروان چڑھانے میں بہترین کردار ادا کر سکتا ہے۔ (یاسر وقاص راولپنڈی)

☆ "تپتے صحرا میں" فکر انگیز کہانی تھی دکھاوا نیکیوں کے پلڑے کو کب بھاری کرتا ہے "شیشے کا مسیحا" شاکر کی بہت اچھی کاوش تھی۔ میرا بس چلے ناں بھائی تو ہر بچے کے ہاتھ سے کشکول چھین کے کتابیں تھمادوں۔ (افروز۔ جھنگ صدر)

☆ "دور کے ڈھول سہانے" کہاوتوں میں سے ایک کہاوت پروفیسر ظریف صاحب کو یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہئے ہم اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی پرزور حمایت و تائید بھی۔ "جھوٹ کے پاؤں" کو مزاحیہ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی ورنہ اچھی خاصی کہانی ہوتی۔ بہر حال بہت اچھی کہانی تھی نام سے آدمی بہادر نہیں بن جاتا یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے اکثر ان کے حصے میں آتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (عمران رشید۔ شیخوپورہ)

☆ سرورق ہی ایسا تھا کہ دل لرز گیا روتا معصوم بچہ کوئی اس کے آنسو پونچھ سکے کوئی ان روتے بچوں کو چپ کرا سکے۔ آگے "لوری" پڑھی ہے تو آنسو ہیں جو رکتے نہیں "وصی بھائی" نے اچھی لکھی ہے آگے "کرنیں" پڑھیں ٹھیک تھی۔ "اداریہ" پڑھا تو پھر رونا آ گیا کاش کوئی علی کو بازو لگا سکے وہ زندہ رہ جائے۔ "ننھی منی افسانوی کہانیاں" واقعی اچھی تھیں آج کل ہمارے معاشرے میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ (ستارہ امین کومل۔ رحیم گل)

☆ "کرنیں" اور "اداریہ" پڑھا بہت اچھا تھا پھر کہانیاں پڑھیں جس میں "زشتہ" "تپتے صحرا میں" زندہ کہانی اور خاص کر "قدیر کہانی" پڑھ کر بڑا مزہ آیا "مطلع البدر علینا" تو پھول کا دل ہیں عراقی بھائیوں کیلئے لکھی "لوری" "امی جنگ کیا ہوتی ہے کو دوبارہ پڑھ کر آمین کہا۔ (محمد یاسر علوی دوست۔ ساہیوال)

☆ "چھجے خان کا گاؤں" "جھوٹ کے پاؤں" "دھندلا منظر" اور "قدیر کہانی" جو ہمارے پاکستانی ہیرو کے بارے میں تھی پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوا ننھی منی افسانوی کہانیاں بھی سبق آموز تھی مسکرایئے آپ کے چہرے کی قدر بڑھے گی اب کی بار کچھ خاص نہ تھا۔ (محمد زاہد فاروق حاصلپور)

☆ "سوری مما" نے مجھے بھی تبصرہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس خوبصورتی کے ساتھ ایک انتہائی حساس بین الاقوامی مسئلے اور واقعہ کو جس خوبصورتی اور درد کے ساتھ آپ نے لکھا ہے۔ یہ صرف آپ ہی کو جچتا ہے آپ کے انداز تحریر کے اور زیادہ دل سے قائل ہو گئے شکر ہے مسلمانوں میں قیمتی جیسی مائیں نہیں ہیں۔ پھول میں علی سفیان آفاقی' شاہد نذیر چودھری اور وصی شاہ کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ (خواجہ مظہر نواز صدیقی۔ ملتان)

☆ "ننھی منی افسانوی کہانیاں" ایسی ناقابل تردید حقیقتیں تھیں جن سے ہمارا معاشرہ آلودہ ہو چکا ہے۔ ہم ایک پل بچوں کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں تو دوسرے پل تردید خدا خبر یہ معاشرہ جا کہاں رہا ہے اور جانے اس کا انجام کیا ہو؟ "چھجے خاں کا گاؤں" ایک ایسی کہانی تھی جو ہمارے حکمران طبقے کیلئے ایک تازیانہ تھی (مقبول احمد خیر پور ٹامیوالی)

☆ "کرنیں" نے ہر طرف روشنی بکھیر دی اداریہ تو ہمیشہ کی طرح بہترین تھا۔ میں تو سمجھتی تھی پاکستانیوں کو عراقی عوام سے بالکل ہمدردی نہیں لیکن مئی کا شمارہ ملا تو پتہ چلا کہ حقیقت کیا ہے۔ "ننھی منی افسانوی کہانیاں" بہت زیادہ پسند آئیں کہانیاں تو سبھی اچھی تھیں مگر "قدیر کہانی" اور "تپتے صحرا میں" زیادہ اچھی تھیں۔ (روا ظہیر۔ حیدر آباد)

☆ ویسے تو کہانیاں ساری ہی بہت اچھی تھیں لیکن "بیڈ ٹائم سٹوری" سب سے جدا تھی۔ کالمز میں سے "ٹیلی فونک کالم" اور پھول بڑا مقبول بہت ہی اچھے تھے۔ پھول بڑا مقبول میں اپنا خط نہ دیکھ کر کچھ دکھ ہوا لیکن پھر سنبھل گیا کہ اس ماہ نہیں تو اگلے ماہ تو ضرور شائع ہو گا۔ (مختیار احمد رند۔ غازی گھاٹ)

☆ سیدہ نسرین "سحرش کی "امی جنگ کیا ہوتی ہے" اور "دعا" کو پڑھ کر دل کو ایک دم سے کچھ ہوا اور "دعا" کے آخر میں بے ساختہ آمین کہہ اٹھی۔ اس دفعہ نیا سلسلہ "ننھی منی افسانوی کہانیاں" شروع ہوا ہے۔ (فائزہ عروج۔ ملتان

☆ پھول میں میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا ہوں کہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک عراقیوں پر کتنا ظلم کر رہا ہے اگر ہمارے ملک کے حکمران غدار نہیں ہیں اور نہ بنیں گے تو ہم اپنی فوج کے ساتھ شانہ بشانہ دفاع کریں گے اور بش کی فوجوں کو شکست دیں گے اور پھر اس کے پتلے میں نہیں' اس کے حقیقی گلے میں جوتوں کا ہار ڈالیں گے۔ (محمد صہیب خلیل۔ ٹھٹھی)

> ☆ مجھے پہلی بار "پھول" میرے کزن عبدالقیوم شہزاد نے تحفے میں دیا جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اب میں نشتر میڈیکل کالج ملتان میں فرسٹ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ اس دن سے آج تک پھول کے ساتھ میری دوستی قائم ہے۔ (حافظ محمد آصف ظریف آف سوکڑ۔ ملتان)

☆ یہ بات اب مسلمانوں پر عیاں ہو چکی ہے کہ اگر اب بھی ہم نے اپنے آپ کو متحد نہ کیا اور دشمن کی سازشوں کو نہ سمجھا تو ہم سب کی باری آئے گی کیونکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ دوست و دشمن میں کوئی تمیز نہیں سمجھتا۔ اس کو مسلمانوں سے سخت نفرت اور اپنے مفادات عزیز ہیں۔
(جاوید احمد معاویہ ٹھٹھی)

☆ "بیڈ ٹائم سٹوری" "سوری مما" اور "اداریہ" اور بھیا اختر کی "پیاری باتیں" پسند آئی ہیں اور "اداریہ" سر فلک شیر نے کلاس میں پڑھایا اور وہ میں نے پڑھا۔ اس ماہ کا "ٹائٹل" اور سنٹر Page بہت زبردست تھے۔ (وسیم اکرم۔ ٹھٹھی)

☆ دل دہلا دینے والا "ٹائٹل" ابھی جذبات کو ہی قابو کر رہے تھے کہ behind the killing the crule man پر نظر پڑتے ہی سارے جذبات نفرت اور غصے میں تبدیل ہو گئے کس قدر مکروہ چہرہ ہے بش کا جس پر کسی خونخوار چیتے کا تصور ہوتا ہے خدا اس کو غارت کرے کیونکہ ہدایت کی امید قطعی دکھائی نہیں دیتی۔ کرنوں کے بعد اداریہ پڑھا۔ آج مسلمانوں میں جانے کتنے "عابد" پیدا ہو چکے ہیں جو انتقام کیلئے مچل رہے ہیں۔ (نازیہ پروین۔ بدوملہی)

☆ اس دفعہ رسالہ بہت ہی غمگین تھا۔ وصی شاہ کی نظم مجھ سمیت پورے گھر کو رلا گئی۔ پھول بچیاں اور بچے ہمیشہ انوکھے ہی کام کرتے ہیں۔ خون سے لکھا پھول بچوں کا پیغام واقعی قابل تحسین ہے۔ کاش اللہ بڑوں کے دل بھی بچوں جیسے بنا دے۔ تو کیا بات ہے۔ "سرورق" سمیت بہت ہی اچھا لگا۔ قدیر کہانی "الحمد یت" "اداریہ" "کرنیں" "مطلع البدر علینا" اور جو کچھ پھول میں تھا بے انتہا اچھا لگا۔ "بیڈ ٹائم سٹوری (سوری مما)" بھی اچھی لگی۔ واقعی مسلمانوں جیسا کوئی نہیں۔ کاش کہ اللہ ان کو بہت ہی اچھا کر دے اور ان کے دل بھی جوڑ دے۔ (آمنہ قادر۔ ڈیرہ ونو رآباد)

☆ نور محمد جمال بہت اچھا لکھتے ہیں "چھجے خان کا گاؤں" پسند آئی۔ "پڑھ تو سہی" کا سلسلہ بھی شاندار جا رہا ہے۔ "کیسے رنگ" گوہر ملسیانی کی تحریر اللہ ہی کے رنگ دکھلا گئی۔ تحریر پڑھ کر یقین ہو گیا کہ آج کے فرعون کے گھر بھی کوئی موسیٰ ضرور پل رہا ہو گا۔ باقی کہانیاں سب بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر "شیشے کا مسیحا" "تپتے صحرا میں" صبح جزا بہت پسند آئیں۔ (حافظہ حمزہ شہزاد اسرائے سدھو)

☆ میرا نام علیہ وقعت ہے اور مجھے آپ کا رسالہ پڑھتے ہوئے سات آٹھ سال ہو چکے ہیں میرے ابو ایک بار میرے لئے لے کر آئے تھے بس اس دن سے مجھے اتنا پسند آیا کہ چھوڑنا تو دور کی بات اگر مجھے پہلی تاریخوں میں رسالہ نہیں ملتا تو میں سخت پریشان ہوتی ہوں۔ (علیہ راولپنڈی)

> ☆ پھول کے "ٹائٹل" پر صرف ایک نظر ڈالی جبکہ دوسری نظر ڈالنے کیلئے بش جیسا بے رحم دل اور سنگ دل نظر کا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے حوصلہ ہی نہیں ہوا بہت زیادہ ایک شعر یاد آ رہا ہے
>
> لوگ ٹوٹ جاتے ہیں اک گھر بنانے میں
> تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں
>
> "وصی شاہ" کی نظم ـــ ہر حساس دل کی آواز تھی لگتی ہے کہ انسانیت رات کے کنارے پر ہے ایسا تو نہیں ہو گا کہ لوگ مقتول' مقتل اور قاتل کے درمیان فرق بھول جائیں ـــ ؟؟؟ یہ فرق تو قائم رہنا چاہئے۔ (صائمہ اکرم۔ صادق آباد)

☆ "پھول" سے محبت ہی اتنی ہو گئی ہے کہ سارا مہینہ اس کا بڑی بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ سب سے پہلے اپنا پسندیدہ کالم "مطلع البدر علینا" پڑھ کر ایمان تازہ کیا اور اس کے بعد "لطائف" کی طرف توجہ دی جو کہ خاص مزا نہ دے سکے (محمد آصف ڈوگر۔ گاؤں بردو بندو کے)

☆ "پھول" کی رنگینیاں تو کھو گئی ہیں لیکن "پھول" نے اپنا مزا نہیں چھوڑا اور دن بدن مزیدار ہوتا جا رہا ہے۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے "پھول" کو اسی طرح رکھے اور بری نظر سے بچائے۔ (کاشف ناز بھٹو لوڈیرو لاڑکانہ)

☆ "سپورٹس" میرا پسندیدہ ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں نئے شعرا کے لئے ایک احسن قدم ہے۔ واہ "اداریہ" کیا بات ہے۔ گھر میں سکول میں غرض میں جہاں بھی گئی ہوں لوگوں سے اس بات کا شکوہ سنا ہے کہ پاکستانی معاشرہ اچھا نہیں۔ (شکیلہ شاہین۔ کمالیہ)

☆ مجھے "دور کے ڈھول سہانے" اچھی لگی' یہ مزاحیہ کہانی تھی جس میں ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ہندو کی خصلت کیا ہے اور ہمیں اس سے نپٹنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ قدیر کہانی مجھے اپنے ہیروز کے بارے میں آگہی دے رہی تھی۔ (محمد عمیر۔ مانانوالہ)

☆ مئی 2003ء کے اس شمارے کے "ٹائٹل" ہی سے پتا چلتا ہے کہ جنگ میں بھی "پھول" وہ کچھ عوام کے سامنے لاتا ہے جس کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ "وصی شاہ" نے بھی جن جذبات کا اظہار کیا ہے یقیناً پوری قوم کے یہی جذبات اور احساسات ہیں۔ (قیصر حسین گجر۔ ننکانہ)

☆ "کرنیں" "انتخاب بہت اچھا تھا خصوصاً" "دادی اماں" سیدہ نسرین سحرش کی نظم "امی جنگ کیا ہوتی ہے" بہت اچھی تھی اگر آپ نے نیا کالم "ننھی منی کہانیاں" شروع کیا ہے تو اسے بندمت کیجئے گا۔ یہ (افشاں منور۔ بدوملہی)

☆ اس امریکہ کو کوئی بھی روکنے والا نہیں یہ جس کو چاہتا ہے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیتا ہے اور وہ بھی خاص مسلمان اتنا ظلم اب تو اس کی رسی کھینچ جانی چاہئے۔ آخر کب تک یہ سب ہوتا رہے گا ہاں اس میں بہت قصور ہم مسلمانوں کا بھی تو ہے۔ (سمیرا انجم۔ ساہیوال)

☆ "افسانوی کہانیاں" مظہر نواز صدیقی کی اچھی کاوش تھیں۔ یہ عموماً روزمرہ زندگی میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ امتحان اور اول پوزیشن والا معاملہ بالترتیب مڈل اور پرائمری میں میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ یہاں تو "چھجے خان کا صرف ایک گاؤں" تباہ ہوا ہے جبکہ فلسطین میں اسرائیل روزانہ کئی گاؤں پر بلڈوزر چلا دیتے ہیں اور وہ خاک میں مل جاتے ہیں۔ پروفیسر محمد ظریف خان کی کہانی دور کے ڈھول سہانے بس ٹھیک ہی تھی پاس کر دیا ہم نے اس کو۔ ساجد محمود ساجد کی "جھوٹ کے پاؤں" سمجھنے والوں کیلئے بہت اچھی تھی۔ ہمارا معاشرے کے لوگ خواہ مخواہ ڈینگیں مار کر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بڑے بن گئے ہیں۔ (عمارہ منیر۔ پنڈی بھٹیاں)

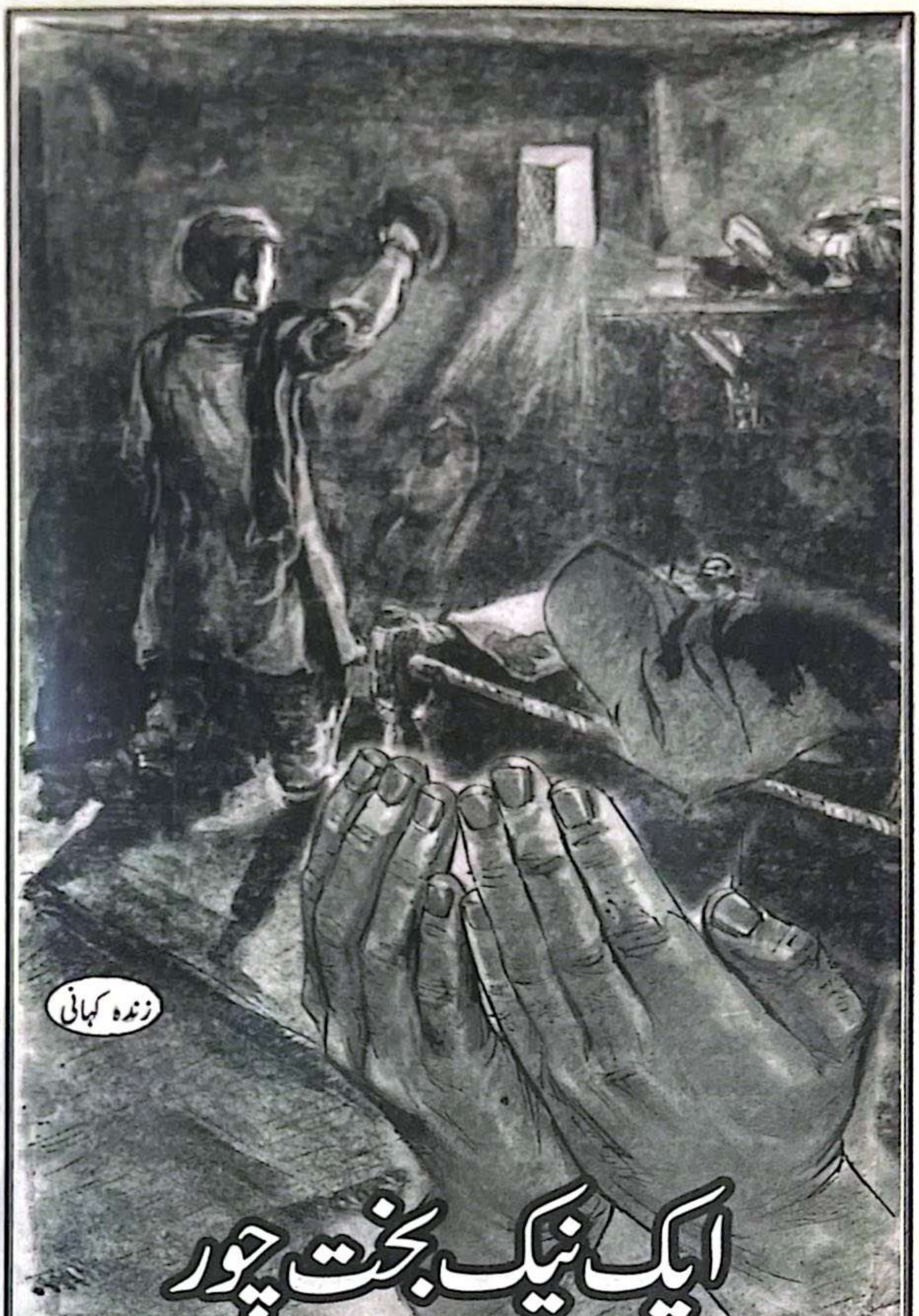

ایک نیک بخت چور

12

پروفیسر خالد پرویز (ملتان)

آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی اور رات بھی مہینے کے آخری دنوں کی جب چاند اپنی چاندنی سے محروم ہو کر زندگی کے دن گن رہا ہوتا ہے۔ مہیب سناٹا طاری تھا۔ گہری تاریکی نے ہر سو ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ گلیاں اور بازار سنسان پڑے تھے۔ دن بھر کے تھکے ہارے لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ یہ وہ لمحات تھے جو چور کو چوری کرنے کے لئے انتہائی موزوں مگر ایک عابد و زاہد کے لئے رب رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے اور رب غفور ورحیم سے دعائے مغفرت مانگنے کے لئے انتہائی سازگار اور خوش گوار ہوتے ہیں۔

ایک چور حسب معمول چوری کی غرض سے باہر نکلا۔ چند سڑکیں طے کیں۔ چند گلیوں سے گزرا۔ بالآخر ایک مکان کے سامنے آ کر رک گیا۔ کچھ دیر کے لئے سوچا اور پھر جھٹ سے دیوار پھاند کر اس مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

مالک مکان عبادت وریاضت سے فارغ ہو کر ابھی لیٹے ہی تھے کہ چور کے کھٹکے سے ہوشیار ہو گئے۔ چور نے آتے ہی چہار جانب مال و دولت کی تلاش شروع کر دی۔ اس نے سمجھا کہ مالک مکان گہری نیند میں ہے مگر وہ نیم بیداری کی حالت میں چور کی تمام حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے۔

چور نے اس گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ ہر چیز الٹ پلٹ دی۔ بہت ڈھونڈا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ گھر میں کچھ ہوتا تو ملتا۔ چور کو زندگی میں پہلی بار اتنی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ حیران بھی تھا اور پریشان بھی کہ کیا کوئی گھر ایسا بھی ہو سکتا ہے جہاں چرانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔

چور انتہائی مایوسی اور دل افسردگی کے عالم میں واپس جانے ہی لگا تھا کہ گھر کے مالک نے اسے آواز دی...... ''میاں! ذرا ٹھہرو''۔ چور آواز سن کر بھاگنے کی بجائے وہیں رک گیا۔ آواز ہی ایسی جادو بھری اور متاثر کن تھی کہ جاتے ہوئے قدم کیوں نہ رکتے۔

گھر کے مالک نے چور سے مخاطب ہو کر کہا...... ''اللہ کے بندے! مجھے افسوس ہے کہ تم نے اتنی محنت بھی کی مگر تمہیں کچھ نہ ملا۔ تمہیں دکھ ہوا ہو گا کہ ایسے گھر میں آئے جہاں سے ناکام واپس جا رہے ہو۔ مگر فکر نہ کرو۔ تم میرے مہمان ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میرے گھر سے خالی ہاتھ لوٹ جاؤ۔ تمہاری مہمان نوازی کی ایک صورت میرے ذہن میں آ رہی ہے کہ تم صبح تک انتظار کرو تاکہ اللہ کا کوئی نیک بندہ اگر میرے لئے کچھ لے آئے تو وہ میں سب کا سب تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تاہم اس دوران تم اتنا کرو کہ کنوئیں سے پانی نکال لاؤ۔ وضو کرو اور صبح کی نماز پڑھنا شروع کر دو کیونکہ نماز کا وقت ہو چلا ہے''۔

چور حیرت زدہ ہو کر گومگو کی کیفیت میں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ یہاں ٹھہروں یا واپس چلا جاؤں مگر مالک مکان کے لفظوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ چور کے دل و دماغ کا رنگ بدل گیا۔ اس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ مالک مکان بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

دونوں نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ علی الصبح کسی نے دروازے پر دستک دی۔ مالک مکان نے مہمان چور سے کہا...... ''جاؤ دیکھو دروازے پر کون ہے؟'' چور نے دروازہ کھولا تو ملاقاتی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر ملاقاتی نے مالک مکان کی خدمت میں ایک سو دینار کی تھیلی پیش کی۔

مالک مکان نے دیناروں کی وہ تھیلی لے کر چور کو دیتے ہوئے کہا: ''یہ رقم لے لو۔ تمہارا خالی ہاتھ جانا ہمیں ناگوار گزرا تو رب کائنات نے مدد کی اور ہمیں سرخروئی نصیب ہوئی۔ جاؤ اس رقم سے اپنا کام چلاؤ''۔

چور نے سو دینار کی تھیلی لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے تھیلی واپس کرتے ہوئے کہا: ''آپؒ کے کہنے پر میں نے محض ایک نماز ادا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا صلہ ایک سو دینار کی شکل میں بھیج دیا۔ اگر میں تمام عمر عبادت کرتا تو خدا معلوم کتنا امیر ہوتا۔ جو عمر ضائع ہو چکی ہے اس کا مجھے از حد افسوس ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ میں راہ راست پر آ گیا۔ اب میں آئندہ کے لئے چوری سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے سابقہ گناہوں کو معاف فرمائے''۔

اس کے بعد اس سابقہ چور نے مالک مکان، وقت کے ولی حضرت خواجہ خضرویہؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ دن رات عبادت وریاضت میں گزارنے لگا اور جلد ہی اس نے مریدان خاص میں اپنا مقام بنا لیا۔

13

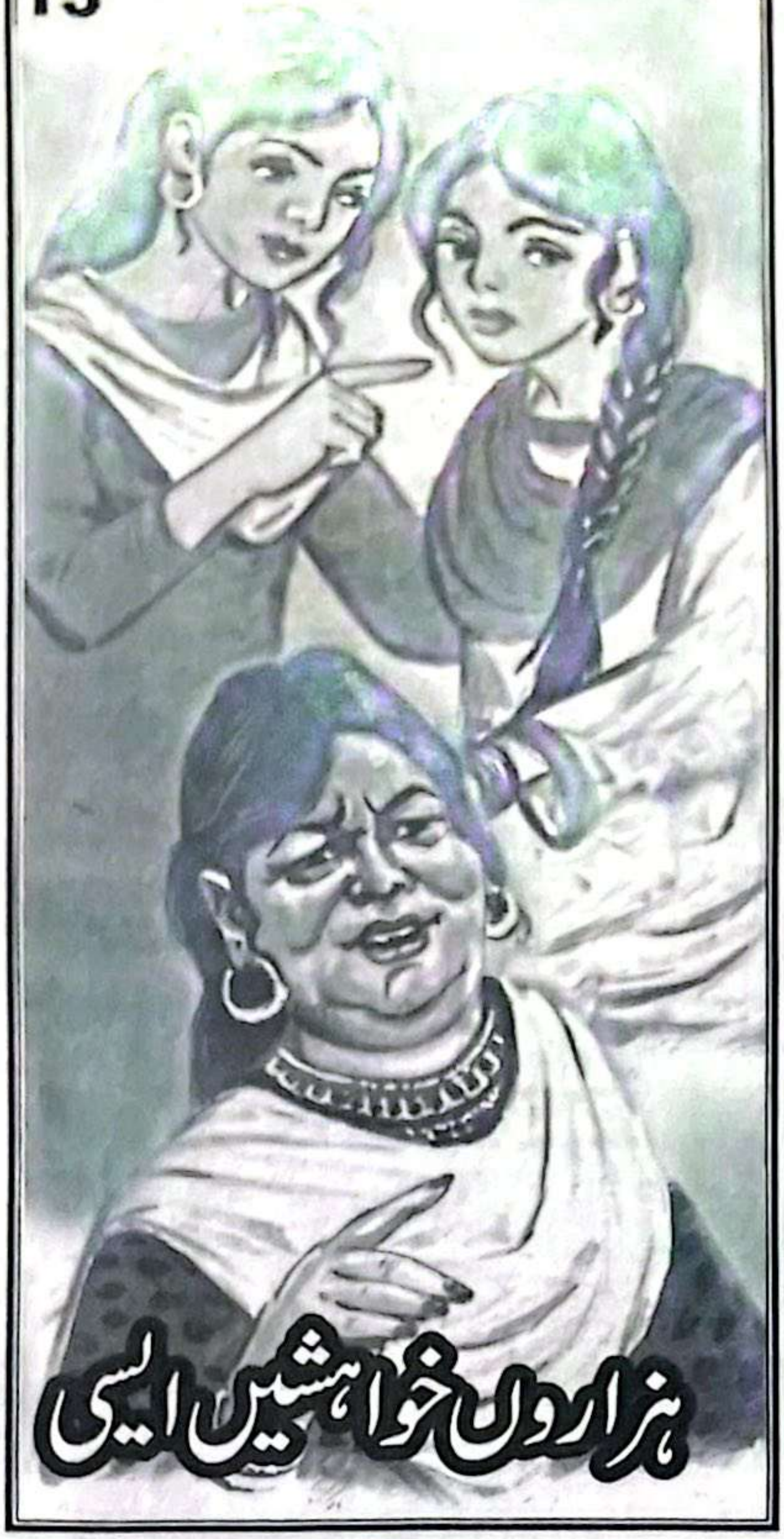

ہزاروں خواہشیں ایسی

عائشہ احسان ملک

ایک گڑیا کی کہانی۔۔۔اسے خبر ہوگئی کہ کوئی گڑیا کو اصل زیور نہیں پہناتا

ٹرن...... ٹرن...... ٹرن! ...... ارے کیا نام ہے تیرا...... ہاں...... گڑیا' گڑیا ذرا فون تو اٹھانا'' بیگم علی نے اسے پکارا'' گڑیا! ...... مما' یہ گڑیا کون ہے؟ مرینہ نے پوچھا۔ ''یہ ہاجرہ کی بیٹی ہے' بہت سمجھدار ہے بے چاری ہاجرہ بیمار رہنے لگی ہے۔ اسی لئے آج گڑیا کو کام پر بھیج دیا ہے'' بیگم علی نے مرینہ کو بتایا۔ اتنے میں گڑیا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئی''بی بی جی! چھوٹی بی بی کا فون ہے۔'' ''حبیب ہوگا۔'' یہ کہہ کر مرینہ باہر نکل گئی۔ ''خیر تو ہے بی بی جان'' گڑیا نے بیگم علی کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ''ہاں ہاں...... حبیب مرینہ کا منگیتر ہے' اگلے ماہ ان دونوں کی شادی ہے' تجھے ہی مہمانوں کی خاطر داری کرنا ہوگی '' بیگم علی نے کہا۔ ''پر بی بی جان' اس وقت تک تو میری اپنی شادی ہو جائے گی''۔ گڑیا شرما کر بولی...... ''اچھا کب ہے تیری شادی...... ؟ ہاجرہ اس بارے میں کچھ بتا تو رہی تھی''۔ بیگم علی بولیں۔ ''اگلے ہفتے'' گڑیا بولی۔ ''چل میں تیری شادی پر تیری ماں کو کچھ مدد کر دونگی۔ اسکی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو لے آنا اسے یہاں'' یہ کہہ کر بیگم علی باورچی خانے میں کی طرف چل دیں اور گڑیا گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ مگر دھیان مرینہ کے قہقہوں اور گپوں کی طرف تھا۔ ''مرینہ بی بی اپنے منگیتر سے کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہیں۔ میں نے تو کبھی اپنے منگیتر سے بات نہیں کی'' گڑیا نے خود کلامی کی۔ مرینہ فون رکھ کر اس طرف آ رہی تھی جہاں گڑیا صفائی کر رہی تھی۔ ''اچھا تو تم ہو گڑیا...... اماں ہاجرہ کی کونسی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے''۔ مرینہ نے لاپرواہی سے پوچھا۔ ''میں ہی ہوں جی'' گڑیا شرما کر بولی۔

''اوں...... کب ہے تمہاری شادی......؟ کیا کرتا ہے تمہارا منگیتر......؟ کبھی ملی ہو اس سے؟'' مرینہ نے ناشتہ کرتے ہوئے کئی سوالات کر ڈالے۔ ''اگلے ہفتے باجی جی'' اس نے مختصراً جواب دیا کیوں کہ باقی سوالات کا اسکے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ''اچھا مجھے تھوڑی دیر کے بعد کافی دے دینا۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں'' مرینہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد گڑیا کافی کا مگ لے کر مرینہ کے کمرے میں پہنچی۔ کمرے میں داخل ہو کر گڑیا نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ گڑیا کو ہکا بکا دیکھ کر مرینہ بولی۔ ''کیا بات ہے'...... اچھا دیکھو یہ وہ زیورات ہیں جو میں نے اپنی شادی کیلئے بنوائے ہیں'' مرینہ اپنے طلائی زیورات پہن کر دلہن سی لگ رہی تھی۔ ''باجی آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں''۔ ''ہائے میں مرگئی''۔ گڑیا یکدم گھبرا گئی۔ ''اب کیا ہوا؟'' مرینہ نے جھنجلا کر کہا۔ ''باجی وہ گڑیا نقلی ہے کیا؟ گڑیا نے ایک کونے میں پڑے کھلونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تو اور کیا' انسان لگتی ہے تمہیں' یہ میرے بچپن کی گڑیا ہے' دلہن کے روپ میں سجی یہ گڑیا برسوں سے میرے پاس ہے'' مرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور...... باجی یہ جو زیور اس نے پہنے ہیں' کیا اصلی ہیں؟'' گڑیا نے حیرت سے پوچھا۔ ''پاگل لڑکی' گڑیا کو بھی کوئی اصلی سونے کے زیور پہنا کر دلہن بناتا ہے کیا؟...... اچھا اب تم اپنا کام کرو جا کر'' گڑیا حیرت زدہ ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

''بی بی جان' شام ہو چکی ہے' کام بھی ختم ہوگیا ہے۔ میں چلوں؟'' گڑیا نے بیگم علی سے پوچھا۔ ''ہاں ہاں جاؤ!'' بیگم علی نے کہا'' رکو! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' بیگم علی نے پوچھا۔ ''بی بی جی یہ تو کل کا سالن ہے جی...... وہ...... رحیم چاچا نے دیا ہے'' گڑیا یہ کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ''بی بی جی' بی بی جی' آپ نے گڑیا سے پوچھا نہیں کہ اس کے ہاتھ میں کیا تھا'' رحیم نے باورچی خانے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''کیا......؟ وہ رات کا سالن نہیں تھا جو تم نے اسے دیا تھا۔''؟

''نہیں بی بی جی' میں نے اسے سالن نہیں دیا'' رحیم بولا'' جاؤ پھر پکڑو اسے' شادی والا گھر ہے' جانے کونسی قیمتی چیز چرا لے گئی ہے' خدا خیر کرے کہیں زیورات تو چرا نہیں لے گئی'' بیگم علی نے چلانا شروع کر دیا' رحیم باہر بھاگا۔ بیگم علی کی آواز سن کر مرینہ بھی نیچے آ گئی۔ ''مرینہ تمہارے زیور کہاں ہیں؟'' بیگم علی نے پوچھا'' مما...... اوپر ہی ہوں گے'' اتنے میں رحیم ہانپتا کانپتا گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا لے آیا'' جی یہ رہے آپ کے زیورات' چرا لے گئی تھی یہ'' رحیم نے پوٹلی مرینہ کی طرف بڑھائی۔ ''چورنی' تجھے ہمارا ہی گھر ملا تھا' چوری کرنے کو...... جس گھر کا نمک کھایا اسی کو برباد کرنے چلی تھی'' گڑیا کو دیکھ کر بیگم علی اس پر برس پڑیں۔ ''مما بس کریں' گڑیا نے کوئی قیمتی چیز نہیں چرائی' یہ دیکھئے یہ میرے زیور ہیں' میری گڑیا کے زیور ہیں...... نقلی زیور'' مرینہ نے پوٹلی کھول کر بیگم علی کو دکھائی۔ ''گڑیا کے زیور کیسی باتیں کر رہی ہو تم...... مرینہ! بیگم علی غصے میں یوں بولیں'' مما' میں واش روم میں نہا رہی تھی۔ بستر پر ہی میرے سونے کے زیور پڑے تھے' لیکن گڑیا نے نقلی گڑیا کے نقلی زیورات ہی چرائے' میرے سونے کے زیورات نہیں...... مرینہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ''جی بی بی جان مجھے معاف کر دیں'' میں نے باجی جی کے سونے کے زیورات کی طرف دیکھا بھی نہیں' بی بی جی...... میں جانتی ہوں میں مرینہ بی بی جیسی دلہن نہیں بن سکتی' میں تو بس اس گڑیا جیسی دلہن بن سکتی ہوں' بھلا کوئی گڑیا کو بھی اصلی سونے کے زیورات پہناتا ہے کیا؟ گڑیا نے مرینہ کی بات دہرائی جو اس کے دل میں گہرا تاثر چھوڑ گئی تھی۔

''نہیں گڑیا' میرے وہ الفاظ تو ایک مصنوعی گڑیا کیلئے تھے۔ تم تو انسان ہو' ایک مکمل انسان' جس کے سینے میں دل دھڑکتا ہے اور جہاں دل ہو وہاں خواہشات تو ہوتی ہی ہیں نا'' مرینہ نے کہا'' ہاں بیٹی گڑیا'' معافی مانگنے کی کوئی وجہ نہیں' اب تو میں تمہاری شادی پر بھی تمہیں اصلی سونے کا سیٹ دلواؤں گی بیگم علی مسکرائیں۔ اور گڑیا کے سہمے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔

پھول پیرنٹس کونسل

کے زیرِ اہتمام

نوجوان ثناء خواں سرور نقش بندی کے اعزاز میں

جناب عظمت شیخ کا عشائیہ

اس قدر محبت بھری میزبانی کبھی بھول نہ پائے گی

رپورٹ ۔ رانا بابر حیات

یہ گلبرگ III ہے۔ حسین چوک سے ذرا آگے غالب مارکیٹ سے ذرا پہلے اپنے عظمت شیخ صاحب کا گھر جس کے باہر لکڑی پہ بہت پیار سے لکھا ہوا ہے اللہ دا فقیر دوسرے کتبے پہ عظمت اسلامک گیلری کے الفاظ پیتل سے لکھے چمکتے ہیں۔ جیسے صاحب گیلری کا نام اور کام چمکتا ہے۔

میں یہاں سب سے آخر میں پہنچا ہوں۔ مجھے•

دعوت بھی اچانک ملی۔ بھیا جی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ موبائل پر گھنٹی بجائی تو جواب آیا بابر بھاگ کے آ جاؤ کیا یاد کرو گے۔ اس موقع کو مس کر گئے تو بہت دیر

ہاتھ ملو گے۔

جب رات بارہ بجکر بارہ منٹ پر وہاں سے رخصت ہوا تو زبان پہ فی الواقعی اللہ کے شکر کے کلمات تھے سوچتا ہوں اگر یہ موقع مس ہو جاتا......

پھر سوچنا بند کر دیتا ہوں......

ڈرائنگ روم میں سامنے کی نشستوں پہ بھیا جی کے ساتھ پروفیسر ارشد جاوید تھے۔ شاہد نذیر تھے۔ فیملی

والے الطاف ملک تھے (سائنس کلب والے) ظہیر بابر تھے پریس کلب والے قیصر جاوید تھے (اقبال ٹاؤن والے) نسیم اختر تھے شیرنگ ایشیا والے عظمت شیخ صاحب (حرم پاک کی تصاویر والے) اور ایک کارنر پہ مائیک کے ساتھ سرور حسین نقشبندی تھے کہ جو ایک ایک شعر کو دل پہ نقش کیے دیتے تھے......

یہ پھول پیرنٹس کونسل کے زیرِ اہتمام سرور کے اعزاز میں جناب عظمت شیخ کے استقبالیہ کا منظر تھا۔

سرور نے میاں محمد بخش کے حمدیہ کلام سے سماں باندھ دیا

شاہد نذیر کی چٹکی اور معصوم باتوں کو بہت سراہا گیا

وہ میاں محمد بخشؒ کا کلام سنا رہے تھے اور یوں سماں بندھا تھا کہ زندگی میں ایسا کوئی لمحہ یاد نہیں۔ سامنے صوفوں پہ آنٹی شہناز تھیں (ckc والی) باجی نمیرہ علی محسن تھیں (پھول کلب اقبال ٹاؤن والی) ساتھ ہی ان کی صاحبزادی تھی زنیرہ جو اپنے ابو کو یاد کر کے رو

ایسے روح پرور پروگرام میں شرکت سے پھول کی محبت اور بڑھ گئی

رہی تھیں کہ ان کے ابو سعودی عرب گئے ہوئے ہیں۔

کھانے کے لوازمات میں کیا کچھ تھا۔ اس کا ذکر اگر گول کرنے کی کوشش بھی کر دی تو گول نہ ہوگا...... اصل بات یہ ہے کہ پھول نے اتنے سارے بڑوں کو محبت کی ایک مضبوط لڑی میں پرو دیا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ بھیا جی نے اس تعلق کی مضبوطی کا ایک اور موقع ڈھونڈ نکالا اور بولے ہم سب اللہ جی سے محبت کرتے ہیں مگر کبھی اظہار نہیں کرتے دوسرے کو بتاتے نہیں کہ کہیں دکھاوا نہ ہو حالانکہ کسی سے محبت ہو جائے تو انسان بولایا پھرتا ہے بتانے کیلئے شناسا چہرے کو ڈھونڈتا ہے آمادہ کانوں کو تلاشتا ہے...... آیئے آج اس موقع پر یہی بات کرتے ہیں......

شاہد نذیر چودھری بظاہر شرارتی اور جملے باز لگتے ہیں مگر بولنے پہ آئیں تو دھیمے لہجے میں بہت کام کی باتیں کر گئے انہوں نے سیالکوٹ سے لاہور تک کے کامیابی کے سفر کئے ہر پڑاؤ میں اللہ جی کو پایا اور ان سے ملوایا نسیم صاحب کا خیال تھا اللہ جی سے محبت تب ہوتی ہے جب انسان اس کیلئے بدل بھی جائے ...... ظہیر بابر ابھی محبت کرنے کے مرحلے میں تھا۔ اپنے بھائی منظر وحید نے بتایا کہ انہیں تو بار بار اللہ جی نے اپنی محبت سے نوازا ہے خاص طور پر وہ کچھ عرصے سے مسائل کا شکار تھے اللہ جی ہاتھ نہ تھام لیتے تو بہت مشکل ہوتی ...... قیصر جاوید اپنی باری سے پہلے باہر ہوا خوری کرنے چلے گئے پروفیسر ارشد جاوید ہمیں امریکہ لے گئے۔ خاں پور لے گئے اور بتایا کہ ہر جگہ انہوں نے محبت کی...... سیکھا اور اس کو اپنے سے قریب پایا۔ آنٹی شہناز نے بتایا کہ وہ ان یتیم اور مسکین بچوں کو چھوڑ نہیں دینا چاہیے صرف اللہ کی رضا کیلئے شہناز سکالرشپ کے تحت ہزاروں روپے دیتی ہیں...... نمیری باجی نے بتایا کہ انہیں زندگی کے ہر ہر مشکل مرحلے میں اللہ جی یاد آتے ہیں اور وہ ان سے اپنے والدین کی خوشیاں مانگتی ہیں۔

وقفوں وقفوں سے سرور بھائی اپنی آواز اور کلام سے نوازتے رہے۔ ثنا خواں ہونا بھی کس قدر اعزاز ہے' انہوں نے کہا صرف اس کی بدولت اللہ نے انہیں اپنے گھر بار بار بلایا اور دو بار حج کرایا ورنہ ان کیلئے کب ممکن تھا......

اللہ سے دوستی کیسے ہوئی؟ دوران پروگرام سب نے اس موضوع پہ بات کی

Scanned with CamScanner

محمد عادل منہاج

فوری طور پرخون کا بندوبست کرنا ہوگا'' ڈاکٹر نے فکر مندی سے کہا۔

میرا تو گروپ ہی دوسرا ہے ڈاکٹر صاحب آپ ہی کہیں سے بندوبست کریں' فرقان بیگ پریشانی کے عالم میں بولے۔

ہسپتال میں بی پلس گروپ کا خون نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں بلڈ بنک چلے جائیں اور اپنا خون دے کر بی پلس کی دو بوتلیں لے آئیں: ڈاکٹر بولا۔

ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب میں جاتا ہوں' فرقان بیگ نے کہا۔

بس جلدی کریں تاکہ آپریشن شروع کیا جا سکے' ڈاکٹر نے کہا اور فرقان بیگ پریشانی کے عالم میں تقریباً دوڑتے ہوئے ہسپتال سے باہر نکلے' آج ہی انہیں دفتر میں اطلاع ملی تھی کہ بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے وہ افراتفری کے عالم میں ہسپتال پہنچے تو پتہ چلا کہ بھائی کی حالت نازک ہے۔ اس کا کافی خون بہہ چکا تھا اور فوری آپریشن کرنا تھا مگر ہسپتال میں بی پلس گروپ کا خون موجود نہیں تھا۔ اب وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے بلڈ بنک کی طرف جا رہے تھے اچانک انہیں بریک لگانا پڑے سڑک پر گاڑیوں کی لمبی قطار لگی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ اشارہ کھلا تھا مگر پولیس والوں نے سڑک بلاک کر رکھی تھی' نہ جانے کیا مسئلہ ہے؟ وہ پریشانی کے عالم میں بڑبڑائے اور کار سے نیچے اترے اور ایک سارجنٹ کی طرف بڑھے' یہ سڑک کیوں بند کر رکھی ہے انہوں نے پوچھا۔

صدر صاحب آ رہے ہیں ان کے گزرنے کے بعد سڑک کھلے گی' سارجنٹ بولا۔ اب فرقان بیگ کو یاد آیا کہ اس سڑک سے دائیں طرف جا کر ائرپورٹ آتا ہے اور جب بھی کوئی وی آئی پی شخصیت آتی ہے تو یہ سڑک بند کر دی جاتی ہے مگر انہیں تو فوراً بلڈ بنک پہنچنا تھا۔ کب تک گزریں گے صدر صاحب؟ انہوں نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

پتہ نہیں صاحب' ابھی تو ان کا جہاز بھی نہیں پہنچا' وہ بولا۔

اور سڑک ابھی سے بند کر دی ہے۔ دیکھو بھئی مجھے فوری طور پر بلڈ بنک پہنچنا ہے میرے بھائی کا آپریشن ہونا ہے مجھے اس کیلئے خون کا بندوبست کرنا ہے' فرقان بیگ بولے۔

میں کیا کرسکتا ہوں' ہمیں تو یہی آرڈر ہے جب تک صدر صاحب نہ گزر جائیں سڑک بند رہے گی وہ بولا۔ فرقان بیگ پریشانی کے عالم میں واپس مڑے ان کی کار کے پیچھے بھی کئی گاڑیاں لگ چکی تھیں اب وہ واپس بھی نہیں مڑ سکتے تھے۔

ارشد کو پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی آج اس کا آخری پرچہ تھا اور اسے پورے نو بجے یونیورسٹی پہنچنا تھا آج کل ویسے ہی حالات خراب تھے۔ یونیورسٹی میں بھی رینجرز کا پہرہ تھا جو وقت کے بعد کسی کو اندر نہیں جانے دیتے تھے اس کا گھر بھی شہر سے کافی دور تھا جہاں پبلک ٹرانسپورٹ کے خاصے مسائل تھے اس لئے وہ صبح سات بجے ہی گھر سے نکل جاتا آدھے گھنٹے کی واک کے بعد سٹاپ پر پہنچتا وہاں بھی گاڑی ملنے میں خاصا وقت لگ جاتا تب کہیں جا کر وہ یونیورسٹی پہنچتا اور آج تو اسے گھر سے نکلنے میں ہی ساڑھے سات بج گئے تھے۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا بس سٹاپ کی طرف جا رہا تھا۔ 7:50 پر وہ سٹاپ پر پہنچ گیا وہاں سواریوں کا کافی رش تھا صبح صبح سب سکول کالج اور آفس جانے کے لئے جلدی میں ہوتے ہیں لہذا جونہی کوئی وین آتی سب اس پر ٹوٹ پڑتے ایک دوسرے کو بے دردی سے دھکے دیتے اور خود پہلے گھسنے کی کوشش

Scanned with CamScanner

کرتے۔ لائن لگانے کی کوئی زحمت نہ کرتا کیونکہ ایسے کام باشعور قوم میں کرتی ہیں۔ ارشد نے گھڑی پر نظر ڈالی 8:10 ہو چکے تھے یا اللہ جلدی سے کوئی وین بھیج دے' وہ بے چینی سے بڑبڑایا پھر ایک وین اور آتی نظر آئی اس نے بھی تہیہ کرلیا کہ اب اندر گھس کر رہے گا پھر وین کے رکنے سے بھی پہلے وہ اس کی طرف دوڑا اور دھکم پیل میں بالآخر اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ لوگ بھی دھڑا دھڑ اندر گھس گئے۔ اس کا دم گھٹنے لگا مگر یہ تو روز کا معمول تھا۔ وین چلی تو اس نے سکون کا سانس لیا اب وہ نو بجے تک یونیورسٹی پہنچ سکتا تھا وین اپنے راستے پر تھی کہ اچانک بریک لگے اور وین رک گئی پھر جب خاصی دیر تک وین نے چلنے کا نام نہ لیا تو سب سواریاں چلانے لگیں۔ "راستہ بند ہے بھائی پولیس نے سڑک بند کر رکھی ہے کنڈکٹر بولا۔ اندر گھٹی ہوئی سواریاں باہر نکلنے لگیں ارشد نے بھی باہر نکل کر دیکھا سڑک پر گاڑیوں کی طویل قطار لگی تھی اور آگے سڑک بلاک تھی آخر مسئلہ کیا ہے ایک صاحب بولے۔

صدر صاحب آ رہے ہیں ایک کار سے سر نکال کر ایک بزرگ بولے تو ارشد کو یاد آیا کہ اس سڑک سے دائیں طرف جا کر ائیرپورٹ آتا ہے اور جب بھی کوئی وی آئی پی شخصیت آتی ہے تو یہ سڑک بند کر دی جاتی ہے مگر اسے تو فوراً یونیورسٹی پہنچنا تھا اب وہ کیا کرتا یہاں تو سب پھنسے ہوئے تھے۔

"یا اللہ جلدی سے راستہ کھلوا دے" اس نے بے بسی سے دعا کی۔

بشیر خاصا پریشان تھا دو ہزار ماہوار کی نوکری اور روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی تنخواہ پہلے ختم ہو جاتی اور مہینہ بعد میں ہر ماہ کے آخری پندرہ دن خاصی مشکل سے گزرتے اوپر سے ایک افتاد اور آ پڑی تھی وہ جس دفتر میں چپڑاسی تھا وہ اس کے گھر سے 60 کلومیٹر دور تھا پہلے وہ گاؤں سے پیدل مین روڈ تک جاتا وہاں سے تانگے میں بس سٹاپ پہنچتا اور پھر بس پکڑ کر بڑی مشکل سے دفتر پہنچتا اس سارے عمل میں دو گھنٹے لگتے اسی لئے وہ صبح چھ بجے گھر سے نکلتا تا کہ آٹھ بجے دفتر پہنچ سکے مگر پھر بھی کبھی تانگہ دیر سے ملتا تو کبھی بس یوں اسے پہنچنے میں دیر ہو جاتی جس پر اسے باس سے روز جھاڑ پڑتی اسے بشیر کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ تو بس بشیر کو وقت پر دفتر میں دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ خود اپنی پیجیرو میں وقت پر دفتر پہنچ جاتا تھا کل ہی اسے باس نے دھمکی دی تھی کہ اگر آج بھی وہ لیٹ ہوا تو اس کی چھٹی کردی جائے گی۔ اسی لئے وہ پریشانی میں رات صحیح سے سو بھی نہ سکا اور صبح ناشتہ کئے بغیر ہی نکل کھڑا ہوا تانگہ وقت پر ملنے پر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا مگر سٹاپ پر پہنچ کر بس نے آنے کا نام نہ لیا خدا خدا کر کے آدھے گھنٹے بعد بس آئی جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی وہ بھی دوسروں کی طرح چھت پر چڑھ گیا اور دعا کرنے لگا کہ بس اسے جلدی دفتر تک پہنچا دے بس چلی جا رہی تھی کہ ایک چوک پر جا کر رک گئی بشیر نے دیکھا کہ سڑک پر گاڑیوں کی طویل قطار تھی اور آگے راستہ بند کیا ہوا تھا۔ کیا بات ہے یہ سڑک کیوں بند ہے؟ بشیر نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"صدر صاحب آ رہے ہیں" سڑک کے کنارے کھڑے ایک شخص نے جواب دیا تو بشیر کو یاد آیا کہ اس سڑک سے دائیں طرف جا کر ائیرپورٹ آتا ہے اور جب بھی کوئی وی آئی پی شخصیت آتی ہے تو یہ سڑک بند کر دی جاتی ہے مگر اسے تو فوراً دفتر پہنچنا تھا اب وہ کیا کرے یہاں تو سب پھنسے ہوئے تھے وہ دعا کرنے لگا کہ صدر صاحب جلدی سے آ کر گزر جائیں تا کہ راستہ کھلے۔

سڑک پر گاڑیوں کی طویل قطار تھی سب کے چہروں پر جھنجھلاہٹ غصہ اور پریشانی تھی ہر زبان پر ایک ہی دعا تھی کہ صدر صاحب جلدی سے گزریں تا کہ ان کا راستہ بھی صاف ہو اور وہ اپنے پھنسے ہوئے کام کر سکیں۔ کسی کو ہسپتال پہنچنا تھا کسی کو سکول کالج کسی کو آفس تو کسی کو ریلوے سٹیشن مگر فی الحال سب لوگ صرف ایک شخص کے رحم و کرم پر تھے کہ کسی طرح وہ خیر خیریت سے گھر پہنچ جائے باقی سب کی خیر ہے خدا خدا کر کے آسمان پر ایک طیارے کی آواز سنائی دی سب کی نگاہیں آسمان پر لگ گئیں شکر ہے کہ صدر صاحب پہنچے اب سب کو انتظار تھا کہ وہ طیارے سے اتریں اور اس سڑک سے جلدی سے گزر جائیں دس منٹ بعد سائرن کی آوازیں گونجیں اور موٹر سائیکلوں پر سوار کمانڈوز گزرنے لگے ان کے بعد کئی سائرن بجاتی ہوئی کاریں گزریں وہ جائزہ لے رہے تھے کہ سڑک پر کوئی ذی روح تو موجود نہیں ایک چڑیا نے کسی کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے عین سڑک کے درمیان سے پرواز کی تو کمانڈو نے غصے سے گھور کر اس کی طرف دیکھا اس کا بس چلتا تو اسے بھون ڈالتا مگر چڑیا تیزی سے آگے نکل گئی پھر ایک مہیب سناٹا چھا گیا ہر طرف سے کلیئر کا سگنل ملا تو صدر صاحب کی گاڑی آتی نظر آئی ان کے آگے پیچھے دو دو کاریں اور دائیں بائیں موٹر سائیکل تھے سڑک دور دور تک سنسان تھی صدر کی کار کو کہیں بریک نہیں لگ سکتے۔ انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ دور کھڑی گاڑیوں کی قطار پر ڈالی اور یوں گزرتے چلے گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو شاہی سواری گزر چکی تھی اب کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے راستہ کھول دیا گیا گاڑیاں یوں نکلیں جیسے برسوں کی قید کے بعد قیدی باہر نکلے ہوں۔

تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے فرقان بیگ بلڈ بنک پہنچے اور اپنا خون دے کر دو بوتلیں حاصل کیں اسی تیز رفتاری سے واپس ہسپتال پہنچے "ڈاکٹر صاحب میں خون لے آیا ہوں" فرقان بیگ تیزی سے بولے۔

"مجھے افسوس ہے بیگ صاحب اب اس کی ضرورت نہیں رہی آپ نے بہت دیر کر دی" ڈاکٹر نے سر جھکا کر جواب دیا اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گیا" فرقان بیگ کے ہاتھوں سے بوتلیں چھوٹ کر نیچے گر پڑیں۔

ارشد جب یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچا تو دس بج رہے تھے وہ ایک گھنٹہ لیٹ ہو چکا تھا رینجرز نے اسے اندر جانے سے منع کر دیا۔

دیکھیں راستہ بند تھا' ورنہ میں نو بجے پہنچ جاتا پلیز مجھے جانے دیں میرا آخری پرچہ ہے' اس نے التجا کی۔

"بک بک نہ کرو ہمیں اجازت نہیں ہے۔ یہاں سے ہٹ جاؤ ورنہ اندر کر دیں گے۔ سپاہی نے اسے گیٹ سے ایک طرف دھکا دیا۔ ارشد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس کے پورے سال کی محنت ضائع ہو گئی تھی اس کے سہانے سپنے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔

"تم آج پھر لیٹ ہو کیشئر سے اپنا حساب کتاب لو اور چلتے نظر آؤ' بشیر کے باس نے کہا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

"صاحب میں وقت پر پہنچ جاتا مگر پولیس نے راستہ بند کر رکھا تھا' بشیر نے گڑگڑاتے ہوئے کہا" میں اس کا ذمہ دار نہیں ناؤ گٹ آؤٹ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا' باس دھاڑا اور بشیر کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

صدر صاحب کامیاب غیر ملکی دورے سے لوٹ چکے تھے اگلے دن کے اخبارات ان کے دورے کی کامیابی سے بھرے پڑے تھے مگر کسی بھی اخبار میں یہ خبر شائع نہ ہوئی کہ ان کی آمد کی وجہ سے راستہ بند ہونے کے باعث

ایک شخص زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا

ایک طالبعلم کا سال برباد ہو گیا۔

اور ایک گھرانہ فاقوں کا شکار ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

15

سپنولیا

بیڈ ٹائم سٹوری

اختر عباس

ایک بیٹے کا ماجرا۔ مراد نام ہونے سے کوئی مرادیں تھوڑی پا جاتا ہے۔ لالچ کی کہانی وہ کسی بم کی طرح زخم دیتا ہے اور زندگیاں لیتا ہے

محفل برخاست ہوئی تو کمرے میں یوں خاموشی تھی جیسے ناصریہ کے محاذ جنگ پہ سارے گولے فائر کرنے کے بعد ہوئی تھی۔ تین ٹانگوں والے صوفے سے ٹیک لگائے فقیر حسین قادر نے سگریٹ کا آخری کش لگا کر اسے بجھائے بغیر نیچے پھینک دیا وہ وہاں جا گری جہاں اصولی طور پر صوفے کا چوتھا پایہ ہونا چاہئے تھا مگر وہاں عملی طور پر دو اینٹیں اوپر نیچے رکھی تھیں اور انہیں چھپانے کیلئے چادر کا پلو تھوڑا زیادہ لٹکا دیا گیا تھا۔ فقیر حسین کا دل غصے سے اور آنکھیں حسرت اور اداسی سے یوں بھری تھیں جیسے وہ تکریت شہر کے باہر سڑک کنارے میزائلوں سے بھرے کسی عراقی ٹرک کا ڈرائیور ہو کہ جس کے پاس میزائل تو بہت سارے تھے مگر انہیں چلانے کیلئے وقت اور حوصلہ کم پڑ گیا تھا۔ اس کے ساتھ صوفے پہ اسکی بیوی کی بجائے وہ شرمندگی پاؤں پسارے بیٹھی تھی جو اس کو اپنے سے آدھی عمر کے لڑکے کی باتیں سن کر اور رسیوں اور ڈوریوں میں بندھے ان دو بڑے بڑے اٹیچی کیسوں کو دیکھ کر ہو رہی تھی جو اس کے نہیں تھے۔ کمرے کے ایک کونے پر بچھی دو چارپائیوں میں سے ایک پہ اس کا اکلوتا بیٹا مراد سویا ہوا تھا وہ آج بہت دیر تک ان کے ساتھ جاگا تھا۔ گھر میں اپنی ماں کے بعد وہی زیادہ خوش تھا کہ اس کا ماموں پورے چار سال بعد برمنگھم سے واپس آیا تھا۔ وہ جب گیا تھا تو مراد کی عمر چھ سات سال رہی ہوگی۔ اسے بہت سی باتیں یاد تھیں۔ ماموں گلزار کے ساتھ گھومنا' کبھی کبھی گرجا کھ سے چاند گاڑی پر بیٹھ کر گوجرانوالہ ریلوے سٹیشن کے قریب واقع کھیالی دروازے سے دودھ سوڈے کی بوتلیں پینے اور فالودے کھانے جانا ہر یاد یوں تازہ دم تھی جیسے کسی پودے کو تازہ تازہ پانی دیا ہو۔ اور اس کے پتے تازگی سے مسکرا دیئے ہوں۔

دن بڑے اچھے تو گزر رہے تھے جانے کیا ہوا تھا اس دن اور کیوں ہوا تھا۔ ماموں گلزار نے چارپائی کی ادوائین ادھیڑ کر اپنے اٹیچی کیس کو کس کر باندھی۔

بہن اور بھانجے کو سینے سے لگایا اور روتا ہوا باہر نکل گیا۔ جہاں فقیر حسین قادر موٹر رکشہ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ دونوں کے درمیان نہ سلام دعا ہوتی نہ کوئی نامہ و پیام کا تبادلہ۔ رکشہ سٹارٹ ہوا اور دھوئیں میں کتنی بھی تلخ یادیں اڑاتا ہوا رخصت ہوگیا۔ ان چار سالوں میں اس گھر میں سب کچھ ہوا مگر جو نہیں ہوا تو ماموں گلزار کا تذکرہ' کوئی نہیں جانتا تھا کہ باتیں کم پڑ گئی تھیں یا نیند غالب آ جاتی تھی۔ ایک غیر تحریری اور نہ دکھنے والا معاہدہ تھا شاید جو گھر بھر میں لاگو تھا کسی ایل ایف او کی طرح مراد نے جب جب ذکر کرنا چاہا اسے اس کیفیت کا سامنا کرنا پڑا۔ آج پورے چار سال سات دن کے بعد ماموں گلزار گھر آیا تھا۔ پہلے سے بہت گورا چٹا ہو گیا تھا۔ پینٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ ساتھ ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی اپنے بریف کیس سے نکالی گئی دل کی شکل کی چاکلیٹ مراد کو دی تھی۔ ساتھ یہ بھی بتایا تھا کہ یہ بہت اچھی اور مہنگی ہے۔ ایک کم سے کم پچاس روپے کی آتی ہے۔ مراد نے اکٹھے دو کے ریپر اتار کر منہ میں ڈال لئے تھے۔ اور مزے کے ہر گھونٹ کے ساتھ ہر وہ سوال بھول گیا تھا جو اس نے ماموں کے واپس آنے پر کرنے کیلئے سوچ رکھے تھے۔ باتیں سنتا چاکلیٹ کھاتا اور اس چھوٹے سے ٹی وی کو دیکھتا جو ماموں نے اپنے بریف کیس سے نکال کر پڑچھتی پر رکھا تھا اور اس میں سے ایریل نکال کر بغیر انٹینا کے چلا لیا تھا۔ تصویر بہت صاف نہ سہی مگر ایسی ضرور تھی کہ صاف پتا چل جاتا تھا کہ مرد بات کر رہا ہے یا عورت۔ اس کتاب سائز کے ٹی وی کو دیکھتے مراد جانے کب نیند کی وادی میں اتر گیا جہاں ماموں گلزار اس کا ہاتھ پکڑے چنگ چی پہ بٹھائے کھیالی دروازے چڑے کھلانے لے جا رہا تھا۔

ماموں گلزار دو کمروں کے اس گھر کے دوسرے کمرے جس میں سامان اور کاٹھ کباڑ بھرا تھا ایک چھوٹا چارپائی پہ جو صبح تک بالکل جھلنگا تھی۔ شام کو بہن نے خصوصی طور پر بھائی کیلئے خود کسی تھی۔ سر کے نیچے ہاتھ رکھے سو رہا تھا۔ سونے سے پہلے اس نے بھائی فقیر حسین قادر کی جو آخری بات سنی تھی وہ بظاہر امریکی ہوائی جہاز کے کسی نوعمر پائیلٹ کا پھینکا ہوا دس بیس ہزار ٹن کا وہ فرینڈلی گولہ تھا جو صدام کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے پھینکا گیا ہو اور وہاں گرنے کی بجائے کتنے ہی عام اور معصوم لوگوں کے پرخچے اڑا گیا ہو۔

فقیر حسین قادر نے اب تک ایک مرتبہ بھی اس سے نہیں پوچھا تھا کہ وہاں اس نے چار سال کیسے گزارے۔ خیریت تو رہی ہمیں یاد کیا تھا یا نہیں پوچھتا بھی کیسے۔ جس کا کبھی اچھا نہ چاہا ہو اس کے اچانک آنے پہ بھلا ان دیکھی خوشی کہاں سے آتی۔ اسے جھوٹی اور چھوٹی باتیں کر کے اپنے سر پہ کلغی سجانے کا شوق نہیں تھا اس لئے وہ ہمیشہ بڑی اور سچی باتیں کرتا تھا۔ جو سامنے والے کو آگ بھی نہیں لگاتی تھیں اوپر سے شیل کا پٹرول بھی ڈالتی تھیں۔ خالص اور مقدار میں پورا جلنے والا زیادہ دیر تک جلتا

فقیر حسین قادر زندگی کے میدان میں نہ زیادہ بھاگ سکا نہ جیت سکا مگر جیتنے والوں کو ہار کے ذائقے سے آشنا کرانے کے راز سے ضرور واقف ہو گیا تھا۔ اس نے خود کبھی جیت کیلئے نہ زیادہ کوشش کی نہ جستجو شاید وہ پہلے سے ہی اپنے آپ کو ہارا ہوا آدمی قرار دے کر مقابلے سے باہر ہو جاتا۔ اس کے پاس ہارنے کو نہ پیسہ تھا نہ عزت' نہ شرف اور اعتبار خود داری بھی وہ عرصہ ہوا کہیں کھو چکا تھا۔ گھر اور گھر داری کچھ اسکی بیوی کی محنت سے چلتی اور کچھ گھر کے سامان کو بیچ کر جو وہ تب بیچتا جب اسکی بیوی اپنے بیٹے کو ساتھ لیکر اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوتی۔ اب تو اس کے رونے پیٹنے اور گالیاں دینے سے اس پر اثر نہ ہوتا تھا۔ سچ کہتے ہیں جب تک انسان کی اپنی عزت اس کے اپنے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے وہ دوسروں کیلئے باعزت رہتا ہے۔ جس لمحے بے اعتبار ہوتا ہے بے عزت ہو جاتا ہے۔

فقیر حسین قادر اس گھاٹی کو کب کا عبور کر چکا تھا۔

آخر شب جب اس نے چوروں کی طرح اپنے کمرے کی دہلیز عبور کی تو اسے کسی عزت' غیرت کا مسئلہ نہیں تھا صرف اپنے کام کی تکمیل میں رکاوٹ اور شور سے بچنے کا خواہش مند تھا۔ یہ کام اس نے گلزار کے منہ تکیہ رکھ کر اور پکا کر لیا تھا پہلے اس نے ایک بندھا ہوا بھاری اٹیچی کیس اٹھا کر کمرے سے باہر نکالا پھر دوسرے کو ہاتھ ڈالا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اس کا پاؤں پھسلا اور اٹیچی اپنے پورے وزن سے زمین پر آ رہا۔

کوئی وزنی چیز پھسلے یا انسان خود' جسم ہی نہیں ساتھ والوں کے جذبات کو بھی مجروح کرنے کا باعث بنتا ہے۔ فقیر حسین قادر کبھی اس بات کو جان نہ پایا کہ لالچ پریشر ککر کی طرح ہوتا ہے جسکی سیٹی ہر دل میں بجتی ہے۔ جو سن کر بھول جاتے ہیں یا وہ آواز اور بلاوا بھلا دیتے ہیں وہ بچ جاتے ہیں۔ اور جو اس پریشر ککر کو محبت اور توجہ کا ہی نہیں چھونے اور چھیڑنے کا بھی محور بنا لیں اکثر پریشر ککر کے پھٹنے کا سامنا کرتے ہیں اور نتیجہ بھگتتے ہیں۔ ابا کیا ہوا؟ مراد کی سب سے پہلے آنکھ کھلی تھی اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے اپنے باپ کو زمین پہ بیٹھے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سوجا سوجا کچھ نہیں ہوا۔ فقیر حسین قادر کو چوٹ سے زیادہ مراد کے بے وقت جاگنے پر غصہ آ رہا تھا۔ کچھ دیر وہ صبر کے ساتھ وہاں بیٹھا رہا۔ پھر ہمت کر کے اٹھا اور بھاری بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر رکھ لیا۔ چھری سے رسیاں کاٹیں نیم اندھیرے میں تھا۔ جلدی جلدی سے ہاتھ مار کر تلاشی لینے لگا اسے نقد روپوں اور زیورات کی تلاش تھی جو گلزار اس کے خیال میں وہاں سے لایا تھا۔ مراد آنکھیں مونڈے لیٹا سوچ رہا تھا۔ جن کے باپ لالچ سے اپنے دل کو آباد کر لیں ان کے پاس اولاد کی محبت کی جگہ کیسے نکل سکتی ہے۔ راتیں اسی طرح تاریک اور لمبی ہو کر زندگی کو دکھوں سے بھر جاتی ہیں۔

وہ جانے کب تک سوچتا سوتا جاگتا رہا دوبارہ اسکی آنکھ کھلی تو مدھم مدھم سا شور تھا کسی بکرے کے ڈکرانے کی آواز جیسا۔ خوف سے اس کا سانس بند ہونے لگا۔ ایسی آواز اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آواز مدھم ہو رہی تھی۔ اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ اسے لگا ڈکرانے کی آوازیں تیز ہو رہی ہیں اور اس کے کان ان آوازوں سے بھر رہے تھے اور دل خالی ہو رہا تھا۔

پھر اس نے ہانپنے کی آوازیں سنیں آوازیں یوں آ رہی تھی جیسے کسی خالی برتن سے آتی ہے......

وہ سر سے پاؤں تک ڈر' خوف اور پسینے سے بھیگا ہوا تھا...... کمرے میں دو ہی لوگ تھے ایک اس کا باپ اور دوسرا اس کا ماموں پہلے ماموں' اسے دور سے اچھا لگتا تھا۔ آج اسے وہ دل سے اچھا لگا تھا یہی شعوری محبت ہوتی ہے اس کے ولدیت کے خانے میں فقیر حسین نادم کا نام آتا تھا۔ وہ بھلا اس کے خلاف کیسے جا سکتا تھا۔ اس کی برائی کیسے چاہ سکتا تھا آخر وہ اس کا باپ تھا وہ اس لمحے عجیب مخمصے میں تھا صورت حال ہی نہیں دونوں رشتے بھی اندھیرے میں تھے اور ان پہ کیا بیتی بھی اندھیرے میں...... اس نے چوروں کی طرح پاؤں چارپائی سے نیچے رکھے اور آواز پیدا کئے بغیر قدم اٹھانے لگا۔ خوف اس کے سانسوں پہ پہرے لگائے بیٹھا تھا اور وہ ہر سانس ناپ تول کے لئے رہا تھا۔ میں اتنا خوف زدہ کیوں ہوں اس نے سوچا
شاید کسی شے کے کھو جانے کا اندیشہ ہے اس کے دماغ نے جواب دیا تھا۔

شے نہیں رشتہ بولو۔ ہم سب سے زیادہ اسی لئے اور رشتے سے خوف کھاتے ہیں جس کے کھو جانے کا اندیشہ اور امکان ہوتا ہے۔ رشتے اکثر ہوائی رزق جیسے ہوتے ہیں پرائے ہوتے وقت بتاتے بھی نہیں۔ کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا...... نہ سانس دبانے والا نہ ڈکرانے والا۔ ماموں چادر اوڑھے اطمینان سے سو رہا تھا۔ شکر ہے کچھ نہیں ہوا۔ یہ سوچ کے وہ پلٹ آیا اور اپنے بستر پر پڑ کے سو رہا۔ اچانک صبح اس کی آنکھ چیخوں سسکیوں اور آہوں کے شور کی وجہ سے کھلی یہ اس کی ماں تھی جو دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھی وہ آنکھیں ملتا ہوا وہاں پہنچا سامنے ماموں گلزار کا بے جان لاشہ پڑا تھا۔ اس کی نانی بال کھولے چیخ رہی تھی۔

ماں کیا ہوا؟ مراد کے منہ سے اچانک بغیر کسی مطلب کے سوال نکل گیا......

سوال کیا تھا پٹرول کا گولہ تھا جو اسی پر آ کر پھٹا

نانی نے اسے دیکھتے ہی پکڑا اور دھڑا دھڑ مارنا شروع کر دیا......

پوچھتا ہے کیا ہوا...... میرے بیٹے کو کھا گیا

تیرا باپ سانپ ہے تو تو سنپولیا

ہائے میرا ہیرے جیسا بیٹا' چار سال لگا کر کما کے لایا تھا اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے لئے کتنے خواب دیکھے تھے۔ کتنی باتیں سوچی تھیں ہر شے ادھوری رہ گئی...... نہ بیٹا ملا۔ نہ سامان اور تیرا باپ کسی ڈائن کی طرح سب کھا گیا۔ ہائے تمہیں کسی کی آئے...... تم پھڑک کے مر جاؤ سامان لے جاتے میرے بیٹے کو تو زندہ چھوڑ دیتے۔ مراد نے پٹتے ہوئے سوچا کاش نانی کے ساتھ ساتھ میرے باپ کو بھی خبر ہوتی کہ لالچ کی دنیا میں قدم رکھ کر صرف آگے بڑھا جا سکتا ہے ہر رشتہ اور رکاوٹ توڑے بنا اعتماد اور محبت فنا کئے بغیر قدم آگے نہیں بڑھتے۔

فقیر حسین نے سب سوچ کے اس منزل کی طرف قدم بڑھایا تھا تو پھر رکنا بھی مشکل تھا اور واپسی بھی...... پیچھے رہ جانے والی ہر یاد اور راہ میں آنے والا رشتہ ریت پہ لگے اونٹ کے پاؤں کے نشان کی طرح بے وقعت ٹھہرتا ہے جسے گرم ہوا کا ایک جھونکا مٹا کے رکھ دیتا ہے۔ کون جانے مراد کو دھکا دیکر دروازے سے باہر پھینکنے کا لمحہ بھاری تھا یا نانی کا وہ ہاتھ جس سے اس

نے مراد کے دائیں کان پر تھپڑ مارا تھا اور اس کے کان سے خون نکلنے لگا تھا۔ وہ کبھی رحم طلب نگاہوں سے نانی کو دیکھتا اور کبھی بچاؤ کیلئے ماں کو' جو چترینی سب دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی بھی تو صرف اتنا ''ماں اور مار...... اسی کا خون ہے جو میرے بھائی کا خون کر گیا ہے'' ۔مراد کے دل میں جو آس امید باقی تھی ہوا کے کسی تیز جھونکے سے بجھنے والے دیئے کی مانند ایک نفرت بھری نگاہ اور ایک حقارت بھرے جملے سے پھڑ پھڑائی اور اس کے ہاتھوں میں ہی دم دے گئی...... وہ اپنے قدموں کو یوں گھسیٹ رہا تھا جیسے کوئی مردہ چوہے کو دم سے پکڑ کر گھسیٹے نفرت' مجبوری' کراہت کی ملی جلی اور گھلی ملی کیفیت تھی جس کو الگ سے نام نہیں دیا جاتا...... وہ سارا دن گلیوں میں بے مقصد اور بے مراد پھرتا رہا جیب میں ایک چاکلیٹ تھا پہلے وہ کھایا' پھر پیاس لگی تو کمیٹی کے نلکے سے منہ لگا کے پانی پی لیا...... اس کی جیب میں پورے بیس روپے محفوظ تھے جو رات ماموں گلزار نے اسے دیئے تھے یہ کہہ کر کہ تم رکھ لو کام آئیں گے...... کیا ماموں گلزار ولی اللہ تھا جو اسے پتا تھا کہ مجھے کل پیسوں کی ضرورت پڑنی ہے۔ اس نے سو چارات گئے جب وہ تھکا ہارا گھر پہنچا تو اندھیرا پوری سڑک پہ لمبی تان کے سونے کو تھا اس کا خیال تھا کہ رات کے پہلے پہر تک ماں اور نانی کا غصہ ختم ہو چکا ہوگا۔ اسے ابا کا نہ خیال تھا نہ ضرورت۔ رشتے جب جب پیار کی آنول سے کاٹ کر الگ کر دیئے جائیں تو فطری غذا اور مضبوطی دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دھیرے سے دروازہ کھولنا چاہا ماں اکثر دروازہ اندر سے کنڈی لگائے بنا چھوڑ دیتی تھی تا کہ ابا دیر سے آئے تو اسے دقت نہ ہو......

مگر اس لمحے اس گھر میں اسی باپ کے بیٹے کی آسانی کیلئے سوچنے اور کہنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ دروازے پہ بڑا سا زنگ آلود تالا لگا تھا۔ نانی ماں کے زندہ اور ماموں کے مردہ جسموں کو ساتھ ہی لے گئی تھی۔ اس کا جسم روح تک تھکاوٹ اور بھوک سے لبالب بھر چکا تھا۔ اس نے دروازے سے ٹیک لگا کر رکنے بلکہ لیٹنے کے ارادے کو بڑی مشکل سے روکا اس کی آنکھوں میں بھی آنسو یوں بھرے تھے جیسے چلتی موٹر کے پانی سے پلاسٹک کی پائپ بھری ہو اس کے ہونٹ خاموش تھے مگر آنکھوں سے بہتے آنسو کسی بے گناہ قیدی کے ہونٹوں سے نکلی بے اثر آہوں جیسے تھے جسے کوئی نہیں سنتا...... اور وہ سب آہیں التجائیں جیل کی دیواروں کے اندر گھٹ کے رہ جاتی ہیں۔

نانی نے ایسا کیوں کیا؟ ابھی اس نے پہلا سوال بھی پوری طرح نہیں سوچا تھا کہ ساتھ ہی دوسرا سوال چلا آیا اماں میں تو تیرا بیٹا تھا ابا نے تو کچھ ایسا ویسا کیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور۔ ابا میری وجہ سے نہیں میں اس کی وجہ سے ہوں...... ایسے میں اس کے کیے کا الزام اور سزا مجھے کیوں مجھ سے اتنی نفرت کیوں؟

جب سوال بہت جمع ہونے لگیں اور جواب دینے والا کوئی نہ ہو تو قدرت خود سے دل کو وہ جواب سمجھانے آتی ہے۔

تب اسے لگا کسی نے اس کے دل پہ نرمی سے ہاتھ رکھ دیا ہو ''دیکھو مراد! نفرت کیلئے کوئی وجہ ضروری نہیں یہ تو بس ہو جاتی ہے۔ ناانصافی کی طرح' ظلم کی طرح' بند آنکھوں کے آگے آئے اندھیرے کی طرح' نفرت ہونے یا کرنے کیلئے کبھی کسی مضبوط سہارے دلیل یا وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مراد نے دروازے سے اٹھتے ہوئے کچھ آمادگی سے کچھ مایوسی سے سر ہلایا۔ چلو مانا نفرت اچانک ہو جاتی ہے مگر اس سے پہلے کا پیار' تعلق کیا سارے رشتے اور جذبے مکڑی کے جالے جیسے تھے اک ذرا سا بوجھ آیا اور سب ٹوٹ گئے۔

جب نفرت ہوتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے روشنی' خوشی' محبت' خشکی' تری ہر لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں۔ نخلستان میں ہوتے ہوئے چولستان کی گرم ہواؤں سے بدن جھلسنے لگتا ہے۔ نانی نے بھی یہی کیا تھا۔ خود جھلسی تھی سب کو جھلسا کے رکھ دیا...... جاتے جاتے گھر پہ تالا لگا کے میری واپسی کے دروازے اپنی طرف سے تو بند کر گئی ہے اب نو دس سال کا لڑکا ایسے میں کرے بھی تو کیا کرے۔ کھائے بھی تو کیا کھائے...... اچانک اس کے ذہن میں جھما کا سا ہوا۔ لاہور میرے مسئلوں کا حل مل سکتا ہے بڑا شہر ہے کوئی بڑا آدمی بھی گود لے سکتا ہے اور کھانے پینے کا مسئلہ تو داتا دربار ہے ناں......

دل میں خیالوں کی کھچڑی پکنے لگی وہ رات ایک پارک میں اس نے سوتے جاگتے گزار دی۔ حل نظر آتے ہی اسے دنیا رہنے کے قابل نظر آنے لگی۔ ورنہ کل تو دن بھر شام تک اسے یہی لگتا تھا اب یہاں جینا کس کے لئے اور مرنا کس کے ساتھ...... زندگی پر خوشی اور یقین سے یوں خالی ہو گئی تھی جیسے تپتی دوپہر میں آسمان بادلوں سے خالی ہوتا ہے...... گوجرانوالہ سے لاہور کا سفر ایک لمحے کو بحر الکاہل عبور کرنے کا مرحلہ لگ رہا تھا مگر اچانک ایک بڑی سی فیملی کے بس سٹینڈ پر آنے سے یہ مسئلہ اپنے آپ حل ہو گیا۔ مراد چپ کر کے ان کے ساتھ ہی بس پر سوار ہو گیا۔ کچھ مسئلے اپنے حل سمیت ہمیشہ آس پاس ہونے والے واقعات اور باتوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ انہیں توجہ نہ دی جائے تو ان بادلوں کی طرح چپ چاپ گزر جاتے ہیں۔ جنہیں بارش برسانے کا خیال ہی نہیں آتا۔ حالانکہ ان کے اندر بارش موجود ہوتی ہے۔ مراد کی ایک دوپہر اور شام داتا دربار میں آرام سے گزر گئی۔ وہاں اس قدر خلقت تھی کہ ماں باپ کو اپنے اصلی بچے بچانے اور پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی ایسے میں مراد کون طرف کوئی توجہ دیتا۔ ہاں جیسے جیسے شام رات میں اور رات پورے اندھیرے میں بدلنے لگی۔ عام لوگوں کا رش کم ہونے لگا رات گیارہ بجے تک دربار پہ پھرتے اور بیٹھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ مگر اس کی تو نوبت نہ آئی۔ اسے ماں بہت یاد آ رہی تھی وہ ایک ہی دن میں اس کے زہر سے بجھے جملے اور رویہ کو بھول چکا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ چپکے سے ماں کے پاس جائے اور اس کی گود میں سر رکھ کر سو جائے۔ وہ یہی سوچ کر لیٹا تھا اسے لگا جیسے ماں تھپک تھپک کر سلا رہی ہو...... مگر وہ تھپکی جب زور سے پڑی تو وہ اٹھ بیٹھا۔ سامنے سوشل ویلفیئر کے دو کارکن کھڑے تھے جو گھر سے بھاگے بچوں کو ڈھونڈنے رات کے اس پہر دربار کا راؤنڈ لگاتے ہیں۔ زبانی سوال و جواب کی نوبت ہی نہ آئی۔ وہ اسے اپنے کاؤنٹر پہ لے گئے نام پتہ پوچھا۔ نامکمل سا لکھ کر تھانے رپورٹ بھیجی اور چودھری کالونی ثمن آباد میں واقع نگہبان سنٹر بھجوا دیا۔ اس کے ساتھ چار لڑکے اور پکڑے گئے تھے۔

جب وہ وہاں پہنچے تو صبح ہونے کو تھی بھوک اور نیند سے اس کا برا حال تھا۔ وہ ناشتہ کے بغیر ہی ایسا سویا کہ کہیں جا کر دوپہر کو بیدار ہوا وہ یہاں محفوظ تھا...... نہ سونے کی فکر تھی کھانے کی...... دونوں کیلئے صاف ستھرا ماحول اور لوگ موجود تھے۔ بچے کھانے کے دوران یا بعد میں بیٹھتے تو ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے۔ فخر جتاتے اپنی ہمت اور بہادری کی داستانیں پھیلاتے۔ مراد کے پاس ایسی کوئی داستان نہ تھی اس کے پاس ان سوالوں کا ایک ہی جواب تھا۔ کچھ بھی نہیں ہوا...... بس ایسے ہی آ گیا۔ دو ہفتے گزر گئے خبر ہی نہ ہوئی پتا اس روز چلا جب مراد کو ایک آدمی نے ساتھ لیا اور گوجرانوالہ پہنچ گیا۔ مراد کے دیئے گئے پتے پر پہنچے وہاں وہی تالا لگا ہوا تھا جو اس رات اس کے نصیب پر لگا تھا...... نگہبان سنٹر کا اہلکار لوگوں سے پوچھتا پوچھتا بالآخر شام کے وقت نانی کے گھر پہنچ گیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی اس محنت اور مشقت کے بعد بچے کو دیکھ کر نانی اور دیگر لواحقین خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔ ڈھیر سے انعام و اکرام سے نوازیں گے۔

ایسی آرزوئیں ہمیشہ آم کے پتوں میں ہواؤں کی سرسراہٹ سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہیں نرم روئی سبک خرام اور آہستہ اندام...... گھر کا دروازہ کھلا نانی ہی باہر آئی مراد کو دیکھ کر بھوکی شیرنی کی طرح لپکی۔ سرکاری اہلکار بیچ میں نہ آتا تو وہ اسے چیر پھاڑ ہی تو دیتی۔ لے جاؤ اس سنپولئے کو' اس کا باپ میرے بیٹے کو کھا گیا۔ اس کے زیور تحفے اور نعمتیں سوغاتیں سب لے گیا۔ میری عمر بھر کی کمائی سب لوٹ کر لے گیا۔ سنو! اس سنپولئے سے کہو جس روز اس کا باپ میرے بیٹے کو زندہ کر کے لے آئے گا میں اس کو بھی واپس گھر لے آؤں گی......

اہل کار کے سمجھانے بجھانے پر بھی نانی نہ مانی۔ بولی: تم زیادہ ہمدرد مت بنو اس کو بیچنا ہے تو بیچ دو آئندہ میرے پاس نہیں لانا۔ نہ میں نے لینا ہے نہ بسانا ہے۔ اس کے باپ نے میرے بیٹے کو مارا ہوا...... گھر اجاڑا۔ میں اس کا اجاڑوں گی۔

اہلکار اس منطق پر بڑی دیر غور کرتا رہا کہ آخر بوڑھی عورت ہے زمانہ دیکھا ہوگا سیانی بیانی بھی ہے۔ اس فیصلے پہ سوچا تو ہوگا۔ غور تو کیا ہوگا...... مگر سوائے اس کے کہ تصور کی آنکھ سے اس نے بوڑھیا کو ایک درخت کے نازک ٹہنے پہ بیٹھے اور اس کو کاٹتے دیکھا وہ کوئی رائے قائم نہ کر سکا۔ وہ مراد کو ساتھ لیکر نگہبان سنٹر واپس آیا تو آ کر اس کا بڑا جی چاہا کہ رجسٹر میں لکھ دے ضد اور انا کو کوئی نہ سمجھائے تو یہ کلہاڑے کی تیز دھار جیسے طاقتور ہو جاتے ہیں سچے اور مضبوط رشتوں کو بھی پل بھر میں کاٹ کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ معصوم مراد بھی اسی تیز دھار کا شکار ہو کر ہمارے پاس آیا ہے نگہبان میں بچے عام طور پر دو تین ہفتے کے اندر لواحقین تک واپس پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بنیادی طور

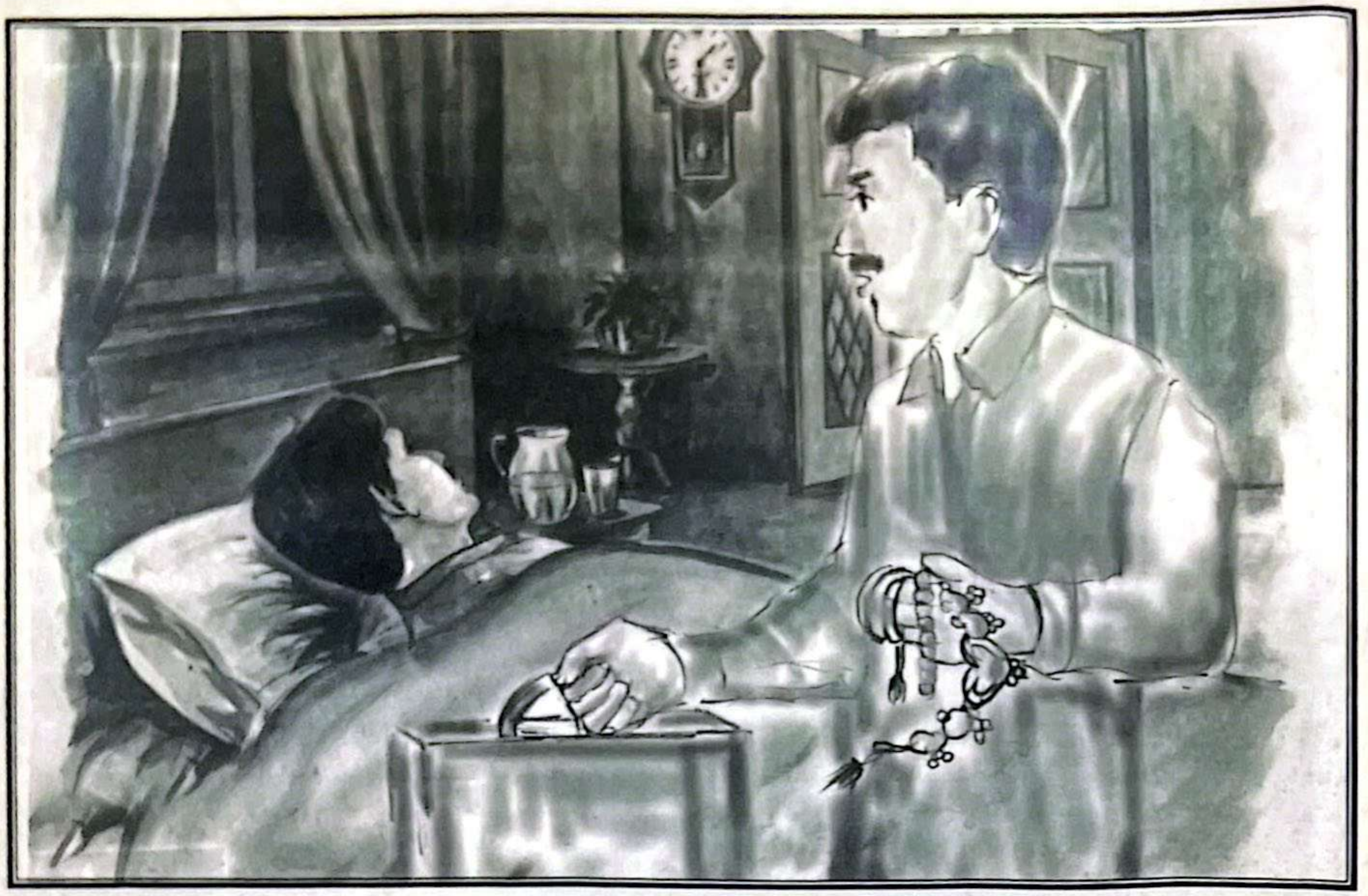

پر گمشدہ اغوا ہونے والے یا گھر سے بھاگے بچوں کیلئے سایہ اور جائے پناہ ہے۔ کوئی مستقل بندوبست نہیں مراد اس پورے ادارے میں بالکل نیا کیس تھا۔ بچے آتے رہے جاتے رہے۔ مراد وہیں رہا...... اس کا ایک ڈیڑھ سال وہیں گزر گیا سٹاف کے اکثر لوگوں کو وہ بے گناہ اور مظلوم ہونے کی وجہ سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔ اس نے بھی کبھی نہ کسی کو تنگ کیا نہ کوئی مسئلہ پیدا کیا۔ ایک سال اور آٹھ ماہ پورے ہونے کو تھے جب سنٹر میں نیا انچارج آ گیا...... چارج لیا۔ سامان میں سٹاف اور سامان کے ساتھ مراد کا الگ سے ذکر تھا۔ نئے انچارج کو یہ بات بہت ناگوار گزری...... اس نے جونیئر سٹاف کی نااہلی اور فرض ناشناسی پہ پورا لیکچر پلاتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ کس قدر بے حس ہو کہ ایک معصوم بچے کی زندگی تباہ ہو رہی ہے اور کسی نے دو سال سے اس کے گھر والوں سے رابطہ نہیں کیا وہ جواں سال تھا اور محکمے میں کچھ عرصہ قبل تعینات ہوا تھا اس نے فوری طور پر ایک دو اخبارات کے رپورٹرز کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دینے کا سوچا مگر اس سے قبل وہ بچے کو لیکر اپنے ایک سٹاف ممبر کے ساتھ خود گوجرانوالہ چلا گیا۔

اس گھر پہ اسی طرح تالا لگا تھا جو اب خاصا زنگ آلود ہو چکا تھا...... اسے گھر کے برباد ہونے کا بڑا افسوس ہوا مگر جب وہ مراد کی نانی کے گھر پہنچے تو یہ افسوس دوچند ہو گیا۔ نانی کے دل پہ لگا تالا گھر کے تالے سے کہیں بڑا تھا۔ ایک تالا مراد کی ماں کی زبان پہ بھی لگا تھا۔ وہ خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی نہ کچھ بولی۔ نہ بڑبڑائی۔ نہ آگے بڑھ کر بچے کو سینے سے لگایا۔ نہ کوئی آنسو بہایا۔ نانی نے البتہ آگے بڑھ کے مراد کے نرم و نازک گالوں پہ زناٹے دار تھپڑ مارا اور بولیں سنپولئے لئے تو کیا روز روز چلا آتا ہے۔ جا کہیں جا کر تو بھی مر کھپ۔ نہ ہمارے گھر میں تیری کوئی جگہ ہے نہ دل میں...... اچھا ہے تو بھی اس سانپ کو ڈھونڈ لے جو تیرا باپ تھا۔ دونوں مل کے رہنا۔ اب تک تو وہ سارے زیور بیچ کر کھا چکا ہو گا جو اس نے میرے بیٹے کو مار کر حاصل کئے تھے...... پھر ملکر کوئی نیا شکار تلاش کرنا۔

واپسی پہ نئے انچارج کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے مراد کے سر پہ پہلی بار شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ دھیرے دھیرے یہ سرکاری نہیں ایک ذاتی سا کیس ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے سوچا یہ معصوم سا لڑکا جس کا نہ گھر بچا نہ رشتہ اس کا کیا بنے گا۔ اخبار میں فیچر بھی چھپ جائے ٹی وی پر تصویر بھی آ جائے SOS ولیج والے لینے سے صرف اس لئے انکاری ہیں کہ ان کی مطلوبہ عمر سے چند سال بڑا ہے۔ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے لگا وہ کسی سر پہ نہیں کاغذ کی کسی ایسی ناؤ پہ ہاتھ پھیر رہا ہے جو بھیگی ہوئی ہے۔ جو نامہربان پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ بہی جاتی ہے بے وقعتی کے احساس سے لرزاں و ترساں کون جانے کب کہاں کس سخت شے سے ٹکرا کر ڈوب جائے۔ اس کا دل چاہا وہ زور زور سے پکارے اور پوچھے کہ "ملک کھو جائیں تو واپس مل جاتے ہیں۔ علاقے چھن جائیں تو سودے ہو جاتے ہیں۔ ہتھیار ختم ہو جائیں تو نئے آ جاتے ہیں نوکری چلی جائے تو نئی مل جاتی ہے۔ پر کوئی مجھے یہ بتائے کسی بیٹے سے اس کے سارے رشتے چھن جائیں سارے اعتبار اور پیار جاتے رہیں تو وہ کیا کرے"

بستیوں میں گرنے والے بم نازک جسموں اور جذبوں کو پلک جھپکنے میں تہہ خاک بچھا دیتے ہیں زمین کی مٹی میں ملا دیتے ہیں اور انسان صدموں اور دکھوں سے رہائی پا جاتا ہے مگر کوئی صدمے کے ایسے بم کا کیا کرے جو کسی معصوم جان پہ آ کر پھٹے اور اسے برو بر کر دے۔ مگر سانسوں کو بند کرے۔

دکھ کی اسی کیفیت سے بھیگتے ہوئے اس نے اچانک مراد سے پوچھا۔

"مراد تمہیں خبر تو ہے ناں تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے"

"کچھ بھی تو نہیں ہوا بس نانی نے تھپڑ ہی تو مارا ہے"

مراد نے دور خلاء کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹے تم کچھ سوچتے تو ہو گے"

مراد نے پہلی بار اس کو نظر بھر کے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے دو آنسو تھے جو بہنا بھول گئے تھے وہ بولا بھی تو صرف اتنا۔

"انکل! سنپولیے بھلا کب سوچتے ہیں"

علوم و آگہی کا قابل قدر سلسلہ

الحدیث

عفو و درگزر

نسیم اختر شیخ

ارشاد باری تعالیٰ ہے

''معافی کا طریقہ اختیار کیجئے۔ بھلائی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہئے''۔ سورہ اعراف آیت ۱۹۹ پارہ ۹

''انہیں چاہئے کہ معاف کر دیا کریں اور درگزر سے کام لیں کیا تم کو یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے''۔ سورۃ النور آیت ۲۲ پارہ ۱۸

''اور وہ جنت ان خدا ترس لوگوں کیلئے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ خواہ بدحال ہوں یا خوش حال۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔'' سورۃ آل عمران آیت ۱۳۳-۱۳۴ پارہ ۴

''(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کیلئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ کہیں تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو۔ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی چیز پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں''۔

''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔ سورۃ الشوریٰ آیت ۴۰ پارہ ۲۵

یوں تو قرآن کریم میں کم و بیش اکتیس مقامات پر معاف کر دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ مگر ہم نے پانچ مقامات سے مندرجہ بالا آیات منتخب کی ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کو نہ صرف پسند فرماتے ہیں بلکہ اس کیلئے اجر عظیم کا اعلان بھی فرماتے ہیں۔ دراصل فطرت انسانی میں آسان کام کی طرف جانے کی رغبت شامل ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ انسان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر بیٹھ رہتا ہے اور اکثر اوقات قطع تعلق بھی کر لیتا ہے۔ مشکل کام یہ ہے کہ تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود معاف کر دیا جائے۔

غصہ پی لیا جائے۔ مگر چونکہ یہ کام نسبتاً مشکل ہے اس لئے انسان آسانی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ قطع تعلق کا راستہ اختیار کرتا ہے اور اس کیلئے طرح طرح کی تاویلیں پیش کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''طاقتور وہ شخص نہیں ہے جو دوسروں کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے۔ بلکہ طاقتور تو درحقیقت وہ ہے جو غصے کے موقع پر اپنے اوپر قابو رکھتا ہے''۔

عوف بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ سے لوگوں نے جا کر یہ بات کہی، کہ آپؓ نے فلاں چیز جو بیچی یا کسی کو بخش دی، اس پر ابن زبیرؓ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) کہتے ہیں کہ اگر خالہ نہ مانیں گی تو میں ان پر پابندی لگا دوں گا (یعنی جو کچھ انہیں بیت المال سے ملتا ہے روک لوں گا اور صرف خرچ

اس ماہ کے انعامی سوالات

۱۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے کا نام بتایئے جن سے آپ ناراض ہو گئیں؟

۲۔ ان دونوں صحابہؓ کے نام بتائیں جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے کو ان کے پاس لے کر گئے؟

۳۔ جب اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

دوں گا)

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ، یہ اس نے کہا ہے؟

لوگوں نے کہا ہاں، ان ہی نے کہا ہے۔

تب حضرت عائشہؓ نے کہا میں قسم کھاتی ہو کہ اب کبھی ابن زبیرؓ سے نہ بولوں گی اور قطع تعلق کر لیا۔

جب اس کا سلسلہ دراز ہوا تو ابن زبیرؓ نے لوگوں کی سفارش پہنچائی لیکن وہ نہ مانیں اور فرمایا کہ ''ابن زبیرؓ کے بارے میں کسی کی سفارش نہ سنوں گی اور نہ ہی اپنی قسم توڑوں گی''۔

یہ صورتحال ابن زبیرؓ کیلئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ اس لئے اب کی بار انہوں نے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود کو قسم دے کر کہا کہ کسی طرح تم حضرت عائشہؓ کے پاس مجھے پہنچانے کی تدبیر کرو۔ انہوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے اور اس پر قسم کھا لی ہے۔ تو مسور اور عبدالرحمٰن انہیں لئے ہوئے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے دروازے پر دستک دی، سلام کیا اور کہا ''کیا ہم آ سکتے ہیں؟''

حضرت عائشہ نے کہا ہاں آ سکتے ہو۔

ان دونوں نے کہا ''کیا ہم سب آ سکتے ہیں؟''

انہوں نے کہا ''ہاں تم سب آ سکتے ہیں'' اور وہ یہ نہیں جان سکیں کہ ان کے ساتھ ابن زبیر بھی ہیں۔ جب یہ لوگ اندر مکان میں پہنچے تو ابن زبیرؓ اس جگہ پہنچ گئے جہاں حضرت عائشہؓ پردے میں بیٹھی ہوئی تھیں وہاں پہنچتے ہی ابن زبیرؓ ان سے چمٹ گئے۔ ادھر وہ رو رہے تھے اور منا رہے تھے۔ قسم دے کر کہہ رہے تھے کہ آپؓ ابن زبیرؓ کی غلطی معاف کر دیں اور بولنا شروع کر دیں۔ ان دونوں نے انہیں یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ تین راتوں سے زیادہ قطع تعلق کرے'' جب سب لوگوں نے حضرت عائشہ پر زور ڈالا اور یاد دلایا کہ یہ گناہ کا کام وہ کر رہی ہیں تو وہ رو کر کہنے لگیں۔

کہ ''میں نے قسم کھالی ہے اور قسم کا معاملہ بہت سخت اور شدید ہے'' غرض یہ کہ دونوں صاحب حضرت عائشہ کو برابر سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ قسم توڑ کر ابن زبیرؓ سے بولیں اور چالیس غلام بطور کفارہ آزاد کئے اور زندگی بھر ان کا یہ حال رہا کہ جب بھی اپنی یہ غلطی یاد آ جاتی رونے لگتیں اتنا روتیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

اس واقعے سے ہمیں پہلا سبق تو یہ ملتا ہے کہ بزرگوں کے بارے میں بلاسوچے سمجھے کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا سبق یہ کہ جب اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو معافی مانگنے، ناراض شخص کو راضی کرنے اور اس سلسلے میں منت خوشامد سے بھی گریز نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرا سبق یہ کہ دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد ایک دوسرے کو معاف کر دیں۔

چوتھا سبق یہ کہ فوری طور پر بزرگوں کو درمیان میں لا کر معاملہ رفع دفع کرنا چاہئے اور معافی تلافی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

پانچواں سبق یہ کہ جو بزرگ درمیان میں ہوں ان کو حکمت سے کام لینا چاہئے۔

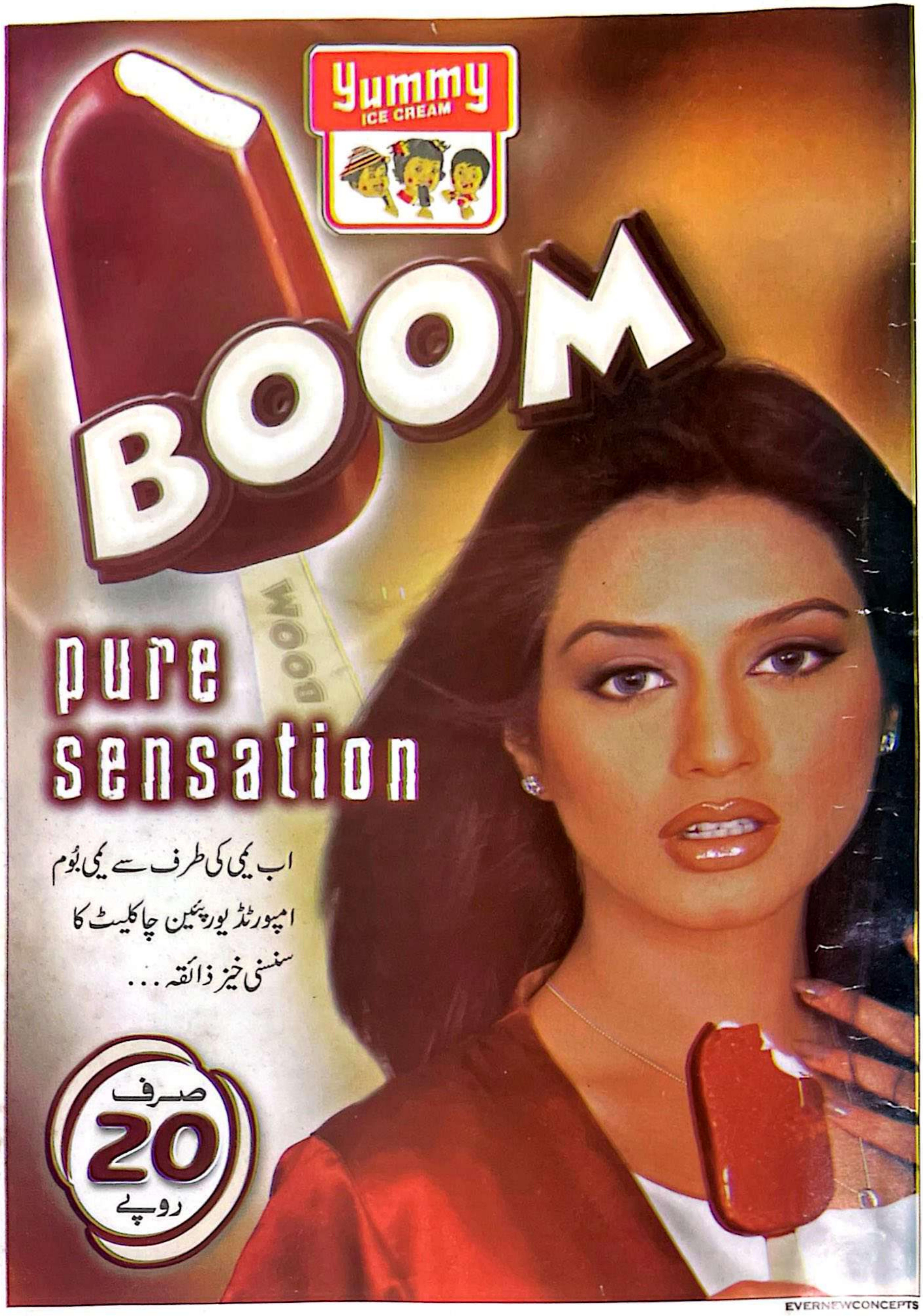

EVERNEWCONCEPTS

OLYMPUS®
FOCUS ON LIFE
TIMELESS
μ DIGITAL
FLAWLESS
BEAUTY
Zoom Digital Compact Camera
μ [mju:] 300 DIGITAL
NEW
Another Inspiration
• Beautifully Compact • All-Weather
• 3.2 Megapixels • 3X Optical Zoom
xD Picture Card
11500/-
CAMEDIA C-150
High - Grade Digital Compact Camera
NEW
• 2.0 megapixels resolution
• 1.8 inch TFT LCD monitor
• 2.5x digital zoom
• FREE 8MB XD-picture card for image storage
• Bright F2.8 Lens & 2.5X Digital Zoom
6900/-
NEW
THE 2 IN 1 W-10
DIGITAL VOICE RECORDER
DIGITAL SPY CAMERA
3 HOURS OF NON-STOP VOICE RECORDING
TAKES UP TO 250 PICTURES
1495/-
PC III 7x21 Classic
Binocular
• Compact and lightweight body
• Stylish classic blue colour with new rubber grips
Performance Features
• High-quality optical glass
• Maximum brightness and clarity
• +-2m⁻¹ diopteric correction is also available
• Non slip rubber grip
• Case and neck strap
13900/-
6900/-
Limited Edition
3495/-
1495/-
iS-300
New concept all-in-one SLR camera.
• 28-110mm 4x zoom lens with glass aspherical lens
• Easy-to-use full auto subject modes
SUPERZOOM 160G
• High resolution 38-160mm ED zoom lens
• Multi auto focus
• Slim and lightweight body
SUPERZOOM 80G
• High-resolution 38-80mm zoom lens
• Compact and stylish design
• Versatile flash modes
TRIP 505
High-quality glass lens
SUPER ENTERPRISES 55-Chamberlain Road, Lahore. Ph: 7228254/ 7351408, Mobile # 0300-4207596, Fax: 7311125 E-mail: info@olympus.com.pk
Olympus Sales and Service Centers:
Lahore
42 - Chamberlain Road, Chowk Nisbat, Lahore.
Ph: 92-42-7350765
Karachi
S-A II, The Plaza, Block 6, PECHS, Main Shahrah-e Faisal, Karachi
Ph: 92-21-4386528, 0300-2255881
Dealers:
Lahore:
Super Fotos Ph: 7223657
FotoTrade Ph: 7232567
Imperial Express Ph: 7239381
Malik Fotos Ph: 7356398
Qaddafi Fotos Ph: 7227061
Iqbal Traders Ph: 7323642
Feyyaz Electronics Ph: 7856872
Madina Elec Ph: 7631066
Al Fateh Liberty Ph: 5758877
En Em Liberty Ph: 5758001
The Shoppe Ph: 5753713
Madina Elec Ph: 7358740
Radio TV Center Ph: 5763493
Rahat Bakery Cantt Ph: 6667412
Bambino Color Lab Ph: 5121505
Karachi:
Available at all Photo Shops, Hashmi Center, Hakim Center, Departmental Stores and at all Photo Color Labs in Karachi.
Hyderabad:
A One Color Lab Ph: 787413
Abid Color Lab Ph: 783623
Quetta:
Sky Color Lab Ph: 821554
Tokyo Color Lab Ph: 822816
Anwar Color Lab Ph: 82220
Gujranwala:
Anwar Foto Store Ph: 235833
Rawalpindi:
Jumbo Color Lab Ph: 4456088
Munir Fotos Ph: 5536202
Rehman Sons Ph: 5539077
Rehman Traders Ph: 5542601
Islamabad:
New Foto Center Ph: 2650148
Photec Color Lab Ph: 2275588
Digital Color Lab Ph: 2254014
Kotli (AK):
Al-Badar Ph: 43025
Peshawar:
Uncle Tony Ph: 272147
Gull Color Lab Ph: 274176
Foto Express Ph: 214657
Azeem Studio Ph: 274812
Jhelum:
Max Color Lab Ph: 611005
Kodak Express Ph: 623364
Gujrat:
Jasim Color Lab Ph: 522594
Mirpur (AK):
Rose Color Lab Ph: 34612
H S Color Lab Ph: 42607
Faisalabad:
Akkass Color Lab Ph: 642515
Akkass Digital Ph: 734715
Multan:
Foto Land Ph: 545310
Sargodha:
Malik Color Lab Ph: 718593
Mian Fotos Ph: 720633
Sheikhupura:
Crown Color Lab Ph: 612143
Mian Color Lab Ph: 611209
Sialkot:
Sahiwal:
Jhang:
Abbottabad:
Chakwal:
PUBLICIS
OLY/16-05-03